غیر مقلدین کے رد پر تحقیقی و مدلل مایہء ناز تصنیف

مقدمہ نزھۃ القاری مع تسحصیل و تخریج و تعلیق

بنام

صحیح بخاری و امام بخاری

تصنیف

مفتی اعظم ھند شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ القوی

تسہیل و تخریج و حواشی

حضرت علامہ مولانا ابوتراب محمد ناصر الدین ناصر المدنی
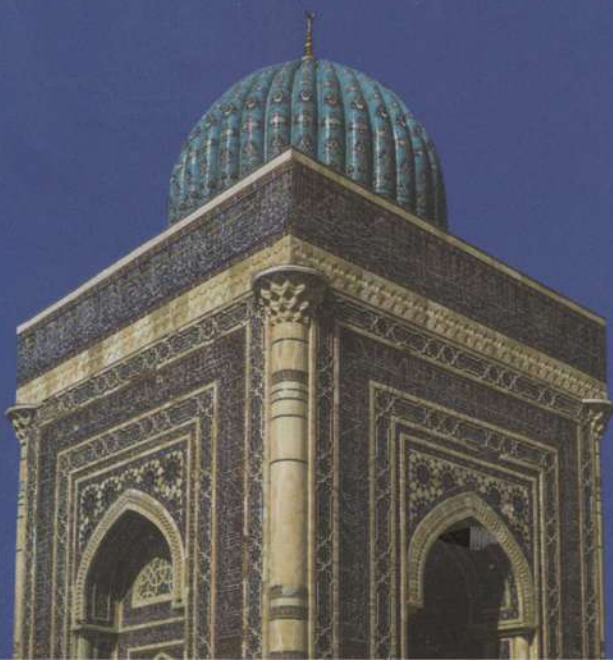
غیر مقلدین کے رد پر تحقیقی و مدلل مایہ ء ناز تصنیف

مقدمہ نزھۃ القاری مع تسہیل وتخریج

بنام

صحیح بخاری و امام بخاری

تصنیف

مفتی اعظم ھند شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ القوی

تسہیل وتخریج وحواشی

حضرت علامہ مولانا ابوتراب محمد ناصرالدین ناصر المدنی

کتاب کا نام: صحیح بخاری و امام بخاری

اشاعت اوّل: محرم ۱۴۳۸ھ

مصنف: مفتی اعظم ھند شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ القوی

تسہیل وتخریج وحواشی: حضرت علامہ مولانا ابو تراب محمد ناصر الدین ناصر المدنی

کمپوزنگ: احمد گرافکس، کراچی

ملنے کا پتہ:

۱) مکتبہ قادریہ، یونیورسٹی روڈ، نزد عسکری پارک، کراچی

۲) مکتبہ برکاتیہ، نزد بہار شریعت مسجد، کراچی

۳) مکتبہ غوثیہ، نزد عسکری پارک، کراچی

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ
وعلیٰ آلک واصحابک یاحبیب اللہ
الحمدللہ رب العالمین
صلی اللہ علیٰ محمد عدد ماذکرہ الزکرون وعدد ماغفل عن
ذکرہ الغافلونا۔

انتساب

میں اپنی اس کتاب صحیح بخاری و امام بخاری کا انتساب اپنے پیرومرشد، شیخِ طریقت، امیر اہلسنّت، بانی دعوت اسلامی، مجدد سنت، رہبرِ دین و ملت حضرت علامہ مولانا ابوالبلال محمد الیاس عطار قادری رضوی ضیائی کے نام کرتا ہوں جو نہ صرف خود شریعت و سنتوں کی چلتی پھرتی تصویر ہیں بلکہ جن کی ذات پرانوار کی بدولت ہر طرف سنتوں کی بہار چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ اللہ عزوجل اور اس کے محبوب ﷺ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ وہ تمام علماء اہلسنّت اور بالخصوص امیراہلسنّت کے علم وعمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم و دائم فرمائے اور ان کی ذاتِ پرانوار کو ہمارے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ (آمین بجاہ النبی الکریم الامین)

خاکپائے امیر اہلسنّت
ابوتراب ناصرالدین ناصر مدنی

فہرست

مقدمہ

(از: حضرت علامہ ارشد القادری (علیہ رحمۃ اللہ القوی) صاحب قبلہ مہتمم مدرسہ فیض العلوم جمشید پور)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ هُوَ الْمُعِيْنُ اِيَاهُ نَعْبُدُ و نَسْتَعِيْن

مُعْتَرِفًا لَهٗ بِالْاِخْتِصَاصِ مَاحَوَتْه سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ

سُلْطَانُهٗ فِى الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ رَبُّ الْجَلَالِ وَعَلَى الْعُلاَءِ

ثُمَّ صَلَاتُهٗ عَلَى مَنْ أُيِّدَا بِأَحْسَنِ الْحَدِيْثِ أَعْنِى أَحْمَدَا

قُطْبِ الْوُجودِ وَكَذاَ سَلَامٌ لَمْ يَكْتَنِه لِكُنْهِهِ الْأَنَامُ

وَيَدْخُلُ الْآلُ بِذاَ أَهْلُ الشَّرَفِ وَصَحْبُهٗ وَمَنْ تَلَاهِنَ السَّلَفِ

حدیث کی تعریف اور اس کی قسمیں

جمہور محدثین کی اصطلاح میں حدیث کی تعریف یہ کی گئی ہے:

اَلْحَدِیْثُ یُطْلَقُ عَلٰی قَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم تَصْرِیْحاً وَ حُکْماً وَعَلٰی فِعْلِہٖ وَتَقْرِیْرِہٖ وَمَعْنَی التَّقْرِیْرِ ھُوَ مَافُعِلَ بِحُضُوْرِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم وَلَمْ یُنْکِرْہُ عَلَیْہِ أَوْ تَلَفَّظَ بِہٖ أَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَۃِ بِمَحْضَرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم وَلَمْ یُنْکِرْہُ وَلَمْ یَنْھَہٗ عَنْ ذٰلِکَ بَلْ سَکَتَ وَقَرَّرَ۔[1] (النخبۃ النبھانیۃ)

حدیث کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو وہ صراحۃً ہو یا حکماً اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کو۔ تقریر کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوبرو کوئی کام کیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منع نہیں فرمایا۔ یا صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے کوئی بات کہی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رد نہیں کیا بلکہ خوش رہے اور عملاً اسے ثابت فرما دیا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

وَ کَذَا یُطْلَقُ الْحَدِیْثُ عَلٰی قَوْلِ الصَّحَابَۃِ وَعَلٰی فِعْلِھِمْ وَعَلٰی تَقْرِیْرِھِمْ وَالصَّحَابِیُّ ھُوَ مَنِ اجْتَمَعَ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم مُؤْمِناً وَمَاتَ عَلَی الْإِسْلَامِ۔[2] (النخبۃ النبھانیۃ)

اور اسی طرح حدیث کا لفظ بولا جاتا ہے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول و فعل اور ان کی تقریر پر بھی۔ اور صحابیؓ کہتے ہیں اس محترم ہستی کو جسے بحالتِ ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی اور ایمان پر ہی خاتمہ ہوا۔

---

[1] ''ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی''، ص ۳۱۔

[2] ''ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی''، ص ۳۱، ''نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر''، ص ۱۱۱۔

پھر فرماتے ہیں:

وَ کَذٰلِکَ یُطْلَقُ الْحَدِیْثُ عَلٰی قَوْلِ التَّابِعِیْنَ وَفِعْلِھِمْ وَتَقْرِیْرِھِمْ وَالتَّابِعِیُّ ھُوَ مَنْ لَقِیَ الصَّحَابِیَّ وَکَانَ مُؤْمِناً بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم وَمَاتَ عَلَی الْإِسْلَامِ۔[1] (النخبة النبهانية)

اور اسی طرح حدیث کا لفظ بولا جاتا ہے تابعین کے قول وفعل اور ان کی تقریر پر بھی۔ اور تابعی کہتے ہیں اس معظم ہستی کو جس نے بحالتِ ایمان کسی صحابی سے ملاقات کی اور ایمان پر اس کا خاتمہ ہوا۔

حدیث کی بنیادی قسمیں

اس لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں ہوگئیں۔ جس کی تشریح حضرت شیخ محقق سیدی شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں فرمائی ہے:

مَاانْتَھٰی إِلَی لنَبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم یَقَلَالُ لَہُ الْمَرْفُوْعُ۔ وَمَاانْتَھٰی إِلَی الصَّحَابِی یَقَالُ لَہُ الْمَوْقُوْفُ۔ وَمَا انْتَھٰی إِلَی التَّابِعِی یَقَالُ لَہُ الْمَقْطُوْعُ۔[2] (مصطلحات الاحاديث)

جس حدیث کا سلسلۂ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہی ہوتا ہے اسے ''حدیث مرفوع'' کہتے ہیں۔ اور جس حدیث کا سلسلۂ روایت کسی صحابی تک منتہی ہوتا ہے اسے ''حدیث موقوف'' کہتے ہیں اور جس حدیث کا سلسلۂ روایت کسی تابعی تک منتہی ہوتا ہے اسے ''حدیث مقطوع'' کہتے ہیں۔

---

[1] ''ظفر الأماني في مختصر الجرجاني''، ص ۳۱، ''نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر''، ص ۱۱۱۔
[2] ''نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر''، ص ۱۰۶۔ ۱۱۴۔

حدیث کی دینی حیثیت

یہ امر محتاجِ بیان نہیں ہے کہ احکام شریعت کا پہلا سرچشمہ قرآن عظیم ہے کہ وہ خدا کی کتاب ہے اور قرآن ہی کی صراحت و ہدایت کے بموجب رسولِ خدا ﷺ کی اطاعت و اتباع بھی ہر مسلمان کے لیے لازم وضروری ہے کہ بغیر اس کے احکامِ الٰہی کی تفصیلات کا جاننا اور آیاتِ قرآنی کا منشا و مراد سمجھنا ممکن نہیں ہے اس لیے اب لامحالہ حدیث بھی اس لحاظ سے احکامِ شرع کا ماخذ قرار پا گئی کہ وہ رسولِ خدا کے احکام و فرامین، ان کے اعمال، افعال اور آیاتِ قرآن کی تشریحات و مرادات سے باخبر ہونے کا واحد ذریعہ ہے۔

اب ذیل میں قرآن مبین کی وہ آیاتِ کریمہ ملاحظہ فرمائیں جن میں نہایت صراحت و وضاحت کے ساتھ بار بار رسولِ انور ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری اور اتباع و پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔

(۱) یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ ۝ (پارہ۹۔رکوع ۱۷)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ سے رُوگردانی نہ کرو۔

(۲) وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا ۝ (پارہ۱۰۔رکوع ۲)

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں مت جھگڑو کہ بکھر کر کمزور ہو جاؤ گے۔

(۳) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۝ (پارہ۵۔رکوع ٦)

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس منصب کے ساتھ کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

(۴) قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ ۝ (پارہ ۳۔رکوع ۱۲)

اے رسول ﷺ! آپ لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم خدا سے دوستی کا دم بھرتے ہو تو

میری پیروی کرو خدا تمہیں اپنا دوست بنائے گا۔

(۵) فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ۝ (پارہ ۵۔رکوع ۶)

آپ کے رب کی قسم وہ ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے ان معاملات میں آپ کو اپنا حاکم نہ مان لیں جن میں ان کے آپس کا جھگڑا ہے۔

(۶) اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ ۝ (پارہ ۵۔رکوع ۵)

اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور ان کی اطاعت کرو جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب رجوع کرو۔

(۷) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ ۝ (پارہ ۲۶۔رکوع ۸)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور اپنے عمل کو باطل نہ کرو۔

(۸) مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ۝ (پارہ ۵۔رکوع ۸)

جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(۹) قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ۝ (پارہ ۳۔رکوع ۱۲)

اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! تم فرما دو کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

(۱۰) وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ (پارہ ۲۸۔رکوع ۴)

جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں عطا فرمائیں اسے لے لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

(۱۱) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۝ (پارہ۲۱۔رکوع۱۹)

بے شک تمہیں رسول اللہ ﷺ کی پیروی بہتر ہے۔

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنیہ کی رُو سے اہلِ اسلام کے لیے رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی کا مرکز اطاعت اور مرجع اتباہ ہونا واضح طور پر ثابت ہوگیا۔ لہٰذا اس اعتبار سے اب رسولِ خدا عَلَيْهِ التَّحِيَّةُ وَالثَّنَا کا ہر حکم ہمارے لیے اسی طرح واجب الاطاعت ہے جس طرح قرآن کے ذریعہ ہم تک پہنچنے والا کوئی حکمِ خداوندی ہمارے لیے واجب الاطاعت ہے کیونکہ رسول ﷺ کا حکم بھی بالواسطہ خدا ہی کا حکم ہے۔

ایک بنیادی سوال

یہ بات ذہن نشین کر لینے کے بعد اب ایک بنیادی سوال پر غور فرمایئے اور وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات میں رسولِ خدا ﷺ کی اطاعت و اتباع کا جو بار بار حکم دیا گیا ہے تو آیا یہ حکم رسولِ پاک ﷺ کی صرف حیاتِ ظاہری تک ہے یا قیامت کے لیے۔

اگر معاذ اللہ اس حکمِ الٰہی کو رسول ﷺ کی حیاتِ ظاہری کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو دوسرے لفظوں میں اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہوگا کہ قرآن و اسلام پر عمل کرنے کا زمانہ بھی رسولِ خدا ﷺ کی حیاتِ ظاہری تک محدود ہے اس لیے کہ رسولِ خدا ﷺ کے فرمودات کی اطاعت اور ان افعال کی پیروی لازم ہی اس لیے تھی کہ بغیر اس کے قرآن و اسلام کی تفصیلات کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ لیکن جب قرآن و اسلام پر عمل درآمد کا حکم قیامت تک کے لیے ہے تو ثابت ہوا کہ رسولِ خدا ﷺ کی اطاعت و اتباع کا حکم بھی قیامت تک کے لیے ہے۔

حدیث کے حجت ہونے پر ایک عظیم استدلال

جب یہ بات طے ہوگئی کہ قرآن و اسلام پر عمل درآمد کا حکم قیامت تک کے لیے ہے اور یہ بھی طے ہوگئی کہ قرآن و اسلام کی تفصیلات کا علم اور ان پر عمل درآمد بغیر اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ممکن نہیں ہے تو اس ضمن میں ایک دوسرا بنیادی سوال یہ ہے کہ لغت و عرف اور شریعت و عقل کی رو سے اطاعت ہمیشہ احکام کی کی جاتی ہے پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ آج رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ احکام کہاں ہیں جن کی اطاعت کا قرآن ہم سے مطالبہ کرتا ہے کیونکہ احکام کے بغیر اطاعت کا مطالبہ سرتاسر عقل و شریعت کے خلاف ہے۔ پس جب آج بھی قرآن ہم سے اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طالب ہے تو لازماً آج ہمارے سامنے احکامِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہونا بھی ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام سے وہ احکام ہرگز نہیں مراد لیے جاسکتے جو خدا کی طرف سے قرآن میں وارد ہوئے ہیں۔ کیونکہ احکامِ خداوندی ہونے کی حیثیت سے ان کا واجب الاطاعت ہونا ہمارے لیے بہت کافی ہے اس لیے لامحالہ ماننا پڑے گا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جن احکام کی اطاعت کا ہمیں حکم دیا گیا ہے وہ قرآن مجید میں واردشدہ احکامِ خداوندی کے علاوہ ہیں۔

اتنی تمہید کے بعد اب یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام و ارشادات اور قرآن و اسلام کی تشریحات و تفصیلات کے مجموعہ کا نام مجموعۂ احادیث ہے۔ یہیں سے حدیث کی دینی ضرورت اور اس کی اسلامی حیثیت اچھی طرح واضح ہوگئی۔ حدیث کی دینی اہمیت سے وہی شخص انکار کرسکتا ہے جو یک لخت اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منکر ہو۔

نقل و روایت کی ضرورت پر استدلال

ملّتِ اسلام کی جن مقدس ہستیوں کو رسولِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال و افعال کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور ان کے احکام و ارشادات کو اپنے کانوں سے سننے کا قابلِ رشک موقع حاصل تھا انھیں امور سے باخبر ہونے کے لیے نقل و روایت کے واسطوں کی مطلق ضرورت نہیں تھی۔ لیکن

بعد میں آنے والے جن افراد کو براہِ راست کا موقع حاصل نہیں تھا انھیں اپنے رسول ﷺ کے اقوال و افعال سے باخبر ہونے کا ذریعہ سوائے نقل و روایت کے اور کیا تھا؟

یہیں سے یہ سوال بھی حل ہو گیا کہ سرکارِ والا تبار کے اقوال و افعال اور کوائف و احوال سے آنے والی امت کو باخبر کرنے کے لیے سلسلۂ نقل و روایت کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

پس اس امت کے جس افضل ترین طبقے نے سرکارِ رسالت مآب ﷺ کو بذاتِ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور براہِ راست اپنے کانوں سے سنا وہ ''طبقۂ صحابہ'' کے نام سے موسوم ہوا اور سرورِ کونین کے وصال شریف کے بعد صحابہ کرامؓ نے جن لوگوں تک رسالت مآب ﷺ سے متعلق اپنے مشاہدات، مسموعات اور معلومات کا ذخیرہ پہنچایا وہ ''تابعین'' کہلائے۔ اور اس معزز طبقے نے صحابہ کرامؓ کے ذریعہ حاصل ہونے والے مشاہدات و مسموعات کا ذخیرہ جن لوگوں تک پہنچایا وہ ''تبع تابعین'' کے لقب سے ملقب ہوئے۔ پھر اس طبقے نے تابعینِ کرام کے ذریعہ حاصل کیے ہوئے سے اپنے زمانے کے لوگوں کو باخبر کیا یہاں تک کہ سینہ بہ سینہ، سفینہ در سفینہ، نسل در نسل اور گروہ در گروہ نقلِ روایات کا یہ مقدس سلسلہ آگے بڑھتا رہا تا آنکہ رسالتِ مآب ﷺ کے اقوال و افعال، احوال و کوائف اور ارشادات و تقریرات کا وہ مقدس ذخیرہ احادیث کی ضخیم ضخیم کتابوں میں محفوظ ہو کر ہم چودہ برسوں بعد میں پیدا ہونے والے افرادِ امت تک پہنچا۔

پس رحمت و نور کی موسلا دھار بارش ہو راویانِ حدیث کے اس مقدس گروہ پر جس کے اخلاص و ایثار، منت و احسان، محنت و جفاکشی، جاں نثاری و جگر سوزی، پیہم سفر، جنون انگیز مہم، لگاتار قربانی اور سعی مسلسل کے ذریعہ آقائے کونین ﷺ کی جلوہ ریز و عطر بیز زندگی کا ایک شفاف آئینہ ہمیں میسر آیا۔

اتنا شف کہ چشمِ عقیدت وا کرتے ہی اس عہدِ فرخندۂ فال میں پہنچ جائیے جہاں قدم قدم پر شہپر جبریل کی آواز سنائی دیتی ہے۔ آفتابِ نیم روز کی بات کیا کہیے کہ رات کو بھی جلوؤں کا سویرا ہے، ہر طرف ملکوتیوں کا ڈیرا ہے، آسمانوں کے پٹ کھلے اور بند ہوئے، افلاکیوں کے

نورانی قافلے اترے اور چلے گئے، عرش سے فرش تک انوار وتجلیات کا تانتا بندھا ہوا ہے، جلوؤں کی بارش سے طیبہ کی زمین اتنی نم ہوگئی ہے کہ نچوڑے تو کوثر کا دھارا پھوٹ پڑے، کشورِ رسالت کے سلطانِ اعظم کبھی صحنِ مسجد میں ہیں، کبھی حجرۂ عائشہ رضی الہ عنہا میں، کبھی اپنے سرفروش دیوانوں کا قافلہ لیے ہوئے وادیوں، کہساروں اور ریگزاروں سے گزر رہے ہیں اور کبھی گریہ ومناجات کے خلوت کدوں میں امت کی فیروز بختی کا مقدر سنوار رہے ہیں۔ کبھی فرطِ غم سے آنکھیں نم ہوگئیں اور کبھی جاں نواز تبسم سے غنچے کھلا دیے۔ گلستانوں کی طرف نکل گئے تو خرامِ ناز کی نکہتوں سے راستے مہک اُٹھے اور اب کاشانۂ رحمت میں جلوہ فگن ہیں تو ہر طرف طلعتِ زیبا کا اُجالا ہے۔ ابھی بزمِ عاشقاں میں حقائق ومعارف کے گوہر لٹا رہے ہیں اور اب دیکھیے تو معرکہ کارزار میں جاں نثاروں کو عیشِ جاوداں کی بشارت دے رہے ہیں۔

غرض حدیث کی کتابوں کا جو ورق الٹئے نقوش وحروف کے آئینے میں سرکارِ والا تبار کی زندگی کا ایک ایک خدوخال نظر آتا ہے جن نامرادوں کے قلوب عشقِ رسالت کی نعمتِ کبریٰ سے محروم کردیے گئے ہیں وہ جلوۂ محبوب کے اس آئینہ جمال وکمال کو توڑ بھی دیں تو انھیں اس کا قلق ہی کیا؟ کہ پہلو میں محبت آشنا دل ہی نہیں ہے لیکن ان دردمندانِ عشق اور وارفتگانِ آرزوئے شوق سے پوچھیے جو خاک طیبہ کو صرف اس جذبۂ محبت میں اپنی آنکھوں سے لگا لیتے ہیں کہ شاید پائے حبیب سے یہ مس ہوگئی ہو کہ احادیث کی کتابوں میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور تسکین قلب کے کیا کیا سامان ہیں۔

عاشق نہ شنیدی محنت اُلفت نہ کشیدی
کس پیش تو غم نامۂ ہجراں چہ کشاید

داستانِ شوق کا آغاز اور اس کا اہتمام

روایتِ حدیث کا یہ سارا سلسلہ جن حضرات پر منتہی ہوتا ہے وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا

مقدس طبقہ ہے۔ کیونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے وہی مشاہد حقیقی، ناقلِ اوّل اور شب و روز کے حاضر باش ہیں۔ اگر ان بزرگوں نے اپنی معلومات و مشاہدات کا ذخیرہ دوسروں تک نہ پہنچایا ہوتا تو روایتِ حدیث کے ایک عظیم فن کی بنیاد ہی کیوں پڑتی۔ بزمِ شوق کی اس داستانِ لذیز سے چودہ سو برس کی دنیا تو کیا باخبر ہوتی کہ نرگس کی چشمِ محرم کو بھی جلووں کا سراغ نہ ملتا۔ معارف وتجلیات کا چشمۂ فیض جہاں پھوٹا تھا وہیں منجمد ہو کے رہ جاتا۔ آخر ایک قرن کی بات دوسرے قرن میں پہنچی کیسے؟ اگر سننے اور دیکھنے والوں نے پہنچانے کا اہتمام نہیں کیا تھا۔

اس راہ میں صحابۂ کرام کے جذبۂ اشتیاق کی تفصیل معلوم کرنے کے بعد معمولی عقل وفہم کا آدمی بھی اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ اس کام کو دین کا بنیادی کام سمجھتے تھے۔ جیسا کہ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جب تک اس خاکدانِ گیتی کو سرکارِ پرانوار کے وجودِ ظاہری کی برکتوں کا شرف حاصل رہا پروانوں کے دستے ہر وقت دربارِ گُہر بار میں سراپا اشتیاق اور گوش بر آواز رہا کرتے کہ کب وہ لب ہائے جاں نواز کھلیں اور ارشاداتِ طیبات کے گل ہائے نور سے دل کی انجمن کو معطر کریں اور اتنا ہی نہیں بلکہ حاضر باش رہنے والوں سے اس کا بھی عہد و پیمان لیا جاتا کہ وہ غیر حاضر رہنے والوں تک دربارِ نبوت کی ساری سرگزشت پہنچا دیا کریں۔

جیسا کہ حاکم الحدیث حضرت حافظ نیشاپوری رضی المولیٰ تعالیٰ علیہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی سلسلے میں ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ صحابی موصوف کے الفاظ یہ ہیں۔

"مَا كُلَّ الْحَدِيْثِ سَمِعْنَاهُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّم كُنَّا مُشْتَغِلِيْنَ فِيْ رِعَايَةِ الْإِبِلَ وَأَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّم كَانُوْا يَطْلُبُوْنَ مَايَفُوْتُهُمْ سَمَاعَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّم فَيَسْمَعُوْنَهُ مِنْ أَقْرَانِهِ وَمِمَّنْ هُوَ أَحْفَظُ مِنْهُمْ" [۱]

ہم لوگوں کو تمام احادیث کی سماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہو پاتی تھی ہم اونٹوں کی دیکھ

---

[۱] "معرفۃ علوم الحدیث"، ص ۱۴۔

بھال میں بھی مشغول رہتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جس حدیث کی سماعت فوت ہو جاتی تھی۔ اس کو اپنے ہم عصروں اور زیادہ یاد رکھنے والوں سے سن لیا کرتے تھے۔ (معرفۃ علوم الحدیث: ۲۳۔

عہدِ صحابہ میں راویانِ حدیث کے مواقع

دین کو اپنی تفصیلات وتشریحات کے ساتھ اہلِ اسلام تک پہنچانے کے لیے صحابۂ کرام کے درمیان احادیث کی نقل وروایت کا شب وروز یہ معلوم تو تھا ہی اس کے علاوہ بھی بہت سے مواقع اس طرح کے پیش آتے تھے جب کہ کسی خاص مسئلے میں قرآن کا کوئی صریح حکم نہیں ملتا تو مجمع صحابہ سے دریافت کیا جاتا کہ اس مسئلے کے متعلق سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث کسی کو معلوم ہو تو بیان کرے۔

چنانچہ یہی حافظ نیشاپوری حضرت قبیصہ ابن ذویب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

"قَالَ جَاءَتِ الْجَدَّةُ فِیْ عَهْدِ أَبِیْ بَكْرٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ تَلْتَمِسُ أَنْ تُوْرَثَ فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ مَا أَجِدُ لَكِ فِیْ كِتَابِ اللهِ شَيْئًا حَتّٰی أَسْأَلَ النَّاسَ الْعَشِيَّةَ فَلَمَّا صَلَّی الظُّهْرَ قَامَ فِی النَّاسِ يَسْأَلُهُمْ فَقَالَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيْهَا السُّدُسَ۔"[1]

انھوں نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایک دادی ان کی خدمت میں حاضر ہوئی وہ چاہتی تھی کہ اسے پوتے کی میراث میں سے کچھ حصہ دیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ قرآنِ مجید میں تیرا کوئی حصہ میں نہیں پاتا ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے بارے میں کچھ

---

[1] "معرفۃ علوم الحدیث"، ص ۱۴۔

فرمایا ہے۔ جب اس نے اصرار کیا تو فرمایا کہ اچھا ٹھہر! میں شام کو لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کروں گا جب ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کیا اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ وہ دادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے۔ (معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۴)

واقعہ کی تحقیق کا ایک عظیم نکتہ

بات اتنی ہی پر نہیں ختم ہوگئی۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت مغیرہ ابن شعبہ حدیث بیان کر کے جب بیٹھ گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوبارہ کھڑے ہوئے اب باقی حصہ واقعہ کے راوی کی زبان سنیے۔ فرماتے ہیں:

"قَالَ أَبُوْ بَكرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَسَمِعَ ذٰلِكَ مَعَكَ أَحَدٌ فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيْهَا السُّدُسَ۔[1]"

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ بات تمہارے ساتھ کسی اور نے بھی سنی ہے؟ اس سوال پر حضرت محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے بیان کیا کہ میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ دادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے۔ (معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۴)

اللہ اکبر! جانتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ سوال "أَسَمِعَ ذٰلِكَ مَعَكَ أَحَدٌ" (یہ بات تمہارے ساتھ کسی اور نے بھی سنی ہے؟) کس سے ہے؟ یہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کا شمار اجلۂ صحابہ میں ہے اور جن کی دیانت وتقویٰ اور امانت و راستی کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔ لیکن یہیں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حدیثِ رسول دین کے لیے حجت اور وجوبِ احکام میں موثر نہ ہوتی تو حدیث کی توثیق وتصدیق کے لیے اتنا اہتمام کیوں کیا جاتا۔ اور یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ بیان کرنے والے ایک سے دو ہو

---

[1] "معرفۃ علوم الحدیث"، ص ۱۴۔

جائیں تو بات کا ثبوت نقطۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

کسی واقعہ کی خبر ایک ہی آدمی کی زبان سنی جائے اور وہی خبر متعدد آدمیوں کے ذریعہ موصول ہو تو دونوں میں یقین و اعتماد کی کیفیت کا جو فرق ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ حضور سرور عالم ﷺ کی حدیث شریف کے متعلق اپنے علم و یقین اور نقل و روایت کے اعتماد کو نقطۂ کمال پر پہنچانے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے یہاں اس طرح کا اہتمام ہمیں قدم قدم پر ملتا ہے۔

ایک ایمان افروز واقعہ

حاکم الحدیث حضرت حافظ نیشاپوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشہور صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ایک نہایت رقت انگیز واقعہ بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ سے ایک حدیث انہوں نے سنی تھی اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس حدیث کے سننے والوں میں مشہور صحابی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ حضور پاک ﷺ کے وصال شریف کے بعد جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور مصر و شام اور روم و ایران پر اسلامی اقتدار کا پرچم لہرانے لگا تو بہت سے صحابہ حجاز مقدس سے مفتوحہ ممالک میں منتقل ہو گئے۔ انہی لوگوں میں حضرت عقبہ بن عامر بھی تھے جو مصر گئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

حضرت ابوایوب انصاری کو شدہ شدہ کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ یہ جو حدیث میں نے حضور پاک ﷺ سے سنی ہے اس کے سننے والوں میں حضرت عقبہ بن عامر بھی ہیں۔ تو صرف اس بات کا جذبۂ اشتیاق کشاں کشاں انھیں مدینے سے مصر لے گیا کہ حضرت عقبہ بن عامر سے اس بات کی توثیق کر کے وہ یہ کہہ سکیں کہ اس حدیث کے دو راوی ہیں ایک میں ہوں اور دوسرے عقبہ بن عامر ہیں۔

ان کے اس والہانہ سفر کا حال بھی بڑا ہی رقت انگیز اور روح پرور ہے۔ فرماتے ہیں کہ جذبۂ شوق کی ترنگ میں کہساروں، وادیوں اور دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے وہ مصر پہنچے۔ کبرسنی کا عالم، دشوار گزار سفر لیکن وارفتگی شوق کی بے خودی میں نہ بڑھاپے کا اضمحلال محسوس ہوا، نہ راستے کی دشواریاں حائل ہوئیں۔ شب و روز چلتے رہے مہینوں کی مسافت طے کرکے جب مصر پہنچے تو سیدھے مصر کے گرنر حضرت مسلمہ بن مخلد انصاری کی رہائش گاہ پر نزولِ اجلال فرمایا۔ امیرِ مصر نے مراسمِ ملاقات کے بعد دریافت کیا:

"مَاجَاءَبِکَ یَاأَبَاأَیُوْبَ؟

کس غرض سے تعریف لانا ہوا ابوایوب؟

جواب میں ارشاد فرمایا:

"حَدِیْثٌ سَمِعْتُہُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالَی عَلَیْہِ وَسَلَّم لَمْ أَحَدٌ سَمِعَہُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالَی عَلَیْہِ وَسَلَّم غَیْرِیْ وَ غَیْرُ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ فَابْعَثْ مَنْ یَدُلُّنِیْ عَلَی مَنْزِلِہٖ۔[1]"
(معرفۃ علوم الحدیث)

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے ایک حدیث سنی ہے اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس حدیث کے سننے والوں میں میرے اور عقبہ بن عامر کے سوا اب کوئی اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ پس میرے ساتھ ایک ایسا آدمی لگا دو جو مجھے ان کے گھر تک پہنچا دے۔

یعنی مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس میں اس لیے نہیں آیا ہوں کہ تم سے ملنا مقصود تھا بلکہ صرف اس لیے آیا ہوں کہ تم حضرت عقبہ بن عامر کے گھر تک میرے پہنچا دینے کا انتظام کردو۔

ایک گدائے عشق کی ذرا شانِ استغنا ملاحظہ فرمایئے کہ گورنر کے دروازے پر گئے ہیں لیکن ایک لفظ بھی اس کے حق میں نہیں فرماتے۔ روای کا بیان ہے کہ والئی مصر نے ایک جانکار آدمی ساتھ کر دیا جو انہیں حضرت عقبہ بن عامر کے دولت کدے تک لے گیا۔ معانقہ کے بعد

---

[1] "معرفۃ علوم الحدیث"، ص۸۔

انھوں نے بھی پہلا سوال یہی کیا:

"مَاجَاءَبِکَ یَاأَبَاأَیُوْب؟

کس غرض سے تعریف لانا ہوا ابوایوب؟

جواب میں فرمایا:

"حَدِیْثٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالَی عَلَیْهِ وَسَلَّم لَمْ أَحَدٌ سَمِعَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالَی عَلَیْهِ وَسَلَّم غَیْرِیْ وَغَیْرُکَ فِیْ سَتْرِ الْمُؤْمِنِ قَالَ عُقْبَةُ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالَی عَلَیْهِ وَسَلَّم یَقُوْلُ مَنْ سَتَرَ مُؤْمِناً عَلَی خِزْیِهٖ سَتَرَهُ اللهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَقَالَ أَبُوْأَیُوْبَ صَدَقْتَ۔"

ایک حدیث میں نے رسولِ پاک ﷺ سے سنی ہے اور اس کا سننے والا میرے اور آپ کے سوا اب کوئی دنیا میں موجود نہیں ہے اور وہ حدیث مومن کی پردہ پوشی کے بارے میں ہے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں حضورِ اکرم ﷺ سے میں نے یہ حدیث سنی ہے کہ جو کسی رسوائی کی بات پر مومن کی پردہ پوشی کرتا ہے کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ حضرت ابوایوب نے فرمایا آپ نے سچ کہا یہی میں نے بھی سنا ہے۔

اس کے بعد بیان کرتے ہیں:

"ثُمَّ انْصَرَفَ أَبُوْ أَیُوْبَ إِلَی رَاحِلَتِهٖ فَرَکِبَهَا رَاجِعاً إِلَی الْمَدِیْنَةِ۔"

اتنا سن کر حضرت ابوایوب اپنی سواری کے پاس آئے سوار ہوئے اور مدینہ کی طرف واپس لوٹ گئے۔

گویا مصر کے دور دراز سفر کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ اپنے کان سے سنی ہوئی بات دوسرے کی زبان سے سن لیں۔ حدیث دوست کی لذت شناسی کا یہی وہ جذبۂ شوق تھا جس نے مذہب اسلام کو مذہب عشق بنا دیا۔

حضرت امام حافظ نیشاپوری نے واقعہ کے خاتمہ پر رقت وگراز میں ڈوبا ہوا اپنا یہ تاثر

سپردِ قلم کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"فَهٰذَا أَبُو أَيُّوبَ الْاَنْصَارِی عَلٰی تَقَدُّمِ صُحْبَتِهٖ وَ كَثْرَةِ سَمَاعِهٖ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحَلَ إِلٰی صَحَابِیٍّ مِنْ أَقْرَانِهٖ فِیْ حَدِیْثٍ وَاحِدٍ۔[۱]"

یہ ابوایوب انصاری ہیں جو صحابیت میں اقدم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کثیر الروایۃ ہونے کے باوجود صرف ایک حدیث کے لیے اپنے معاصر سے ملنے گئے اور دو دراز کا سفر کیا۔ (معرفۃ علوم الحدیث)

ایک اور دیوانۂ شوق

اسی طرح ایک اور واقعہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں امام نیشاپوری نے نقل کیا ہے۔ بات یہاں سے چلی ہے کہ اپنے وقت کے ایک عظیم محدث حضرت عمرو بن ابی سلمہ، امام الحدیث حضرت امام اوزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں چار سال رہے اور طویل عرصے میں انہوں نے صرف تیس حدیثیں ان سے سماعت فرمائیں ایک دن وہ حضرت امام اوزاعی سے بڑی حسرت کے ساتھ کہنے لگے:

"أَنَا اَلْزَمُکَ مُنْذُ أَرْبَعَةِ سَنَوَاتٍ وَلَمْ أَسْمَعْ مِنْکَ إِلَّا ثَلَاثِیْنَ حَدِیْثاً۔"

آپ کی خدمت میں رہتے ہوئے مجھے چار سال ہوگئے لیکن اس طریل عرصے میں صرف تیس حدیثیں میں آپ سے حاصل کرسکا۔

امام اوزاعی نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"وَتَسْتَقِلُّ ثَلَاثِیْنَ حَدِیْثاً فِیْ أَرْبَعَةِ سَنَوَاتٍ وَلَقَدْ سَارَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ إِلٰی مِصْرَ وَاشْتَرٰی رَاحِلَةً فَرَكِبَهَا حَتّٰی سَأَلَ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ عَنْ حَدِیْثٍ وَاحِدٍ وَانْصَرَفَ إِلَی الْمَدِیْنَةِ۔[۲]" (معرفۃ علوم الحدیث ص ۹)

---

۱ "معرفۃ علوم الحدیث"، ص ۸۔

۲ "معرفۃ علوم الحدیث"، ص ۹۔

چار سال کی مدت میں تیس حدیثوں کا ذخیرہ تم کم سمجھ رہے ہو، حالانکہ حضرت جابر بن عبداللہ نے صرف ایک حدیث کے لیے مصر کا سفر کیا، سواری خریدی اور اس پر سوار ہو کر مصر گئے اور حضرت عقبہ بن عامر سے ملاقات کر کے مدینہ واپس لوٹ گئے۔

مطلب یہ ہے کہ چار سال کی مدت میں تیس احادیث کی سماعت کو بھی غنیمت جانو کہ ایک عظیم نعمت تمہیں کم سے کم مدت میں حاصل ہوگئی ورنہ عہدِ صحابہ میں تو صرف ایک حدیث کے لیے لوگ دور دراز ملکوں کا سفر کرتے تھے پس ایک حدیث پر دو مہینے کی مدت بھی اگر صرف ہوتی تو آپ حساب لگا لو کہ تیس حدیث کے لیے کتنی مدت چاہیے تھی۔ بلکہ حفاظ نیشاپوری کی تصریح کے مطابق عہدِ صحابہ میں طلبِ حدیث کے لیے سفر اتنا لازم تھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے:

"لِطَالِبِ الْعِلْمِ يَتَّخِذُ نَعْلَيْنِ مِنْ حَدِيْدٍ"[1] (معرفۃ علوم الحدیث ص ۹)

طالبِ علم کو چاہیے کہ وہ اپنے لیے لوہے کے جوتے تیار کرائے۔

تاکہ بغیر کسی زیرباری کے ساری عمر وہ طلبِ حدیث میں سفر کرتا رہے۔

سلسلۂ روایت کی تقویت کے اسباب

عہدِ صحابہ میں سلسلۂ روایت کی تقویت کے لیے جہاں راویوں کی کثرتِ تعداد کو اہمیت دی جاتی تھی وہاں نقل و روایت کی صحت جانچنے اور اسے یقین کی حد تک پہنچانے کے لیے اور بھی طریقے رائج تھے۔ مثال کے طور پر حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے:

"إِذَا فَاتَهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثٌ ثُمَّ سَمِعَهُ مِنْ غَيْرِهِ يَحْلِفُ الْمُحَدِّثَ الَّذِي يُحَدِّثُ بِهِ۔"[2] (معرفۃ علوم الحدیث ص ۹)

---

[1] "معرفۃ علوم الحدیث"، ص ۹۔

[2] "معرفۃ علوم الحدیث"، ص ۹۔

جب ان کو کسی حدیث کی سماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فوت ہو جاتی تو دوسرے راوی سے حدیث کی سماعت فرماتے لیکن اس سے قسم لیا کرتے تھے۔

یہ بیان کرنے کے بعد حضرت حافظ نیشاپوری تحریر فرماتے ہیں:

"وَ كَذٰلِكَ جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَ التَّابِعِيْنَ وَ اتْبَاعِ التَّابِعِيْنَ ثُمَّ عَنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ كَانُوْا يَبْحَثُوْنَ وَيَنْقُرُوْنَ عَنِ الْحَدِيْثِ إِلَى أَنْ يَصِحَّ لَهُمْ۔"[۱]

یہی حال صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مسلمین کا تھا کہ وہ حدیث کے بارے میں بحث و کرید کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ان کو حدیث کی صحت کا یقین ہو جاتا۔ (معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۵)

روایتِ حدیث کا فن اپنی جس عظیم خصوصیت کے باعث سارے جہان میں منفرد ہے وہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کے نقل و روایت کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ نفسِ واقعہ بیان کر دیا جائے بلکہ بیان واقعہ سے پہلے ناقل کے لیے یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ اس واقعہ کا علم اسے کیونکر ہوا۔ کتنے واسطوں سے وہ بات اس تک پہنچی ہے اور وہ کون لوگ ہیں، ان کے نام ونشان کیا ہیں، ان کی عمر کیا ہے، وہ کہاں کے رہنے والے ہیں، دیانت، تقویٰ، راست گفتاری، حسنِ اعتقاد، قوتِ حافظہ، عقل وفہم اور فکر وبصیرت کے اعتبار سے ان کے حالات کیا ہیں۔ اسی کو اصطلاحِ حدیث میں اسناد کہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اصحابِ حدیث کے یہاں اسناد اتنی ضروری چیز ہے کہ اس کے بغیر ان کے یہاں کوئی بات قابلِ اعتماد نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ حضرت حافظ نیشاپوری نے حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"اَلْإِسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ وَ لَوْ لَا الْإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ۔"

اسناد دین کا حصہ ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو جس کے دل میں جو آتا کہتا۔

اسی ضمن میں حضرت حافظ نیشاپوری نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ اس مرتبہ ابنِ ابوفروہ نامی

---

[۱] "معرفۃ علوم الحدیث"، ص ۱۰۔

کسی شخص نے حضرت امام زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغیر کسی اسناد کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی اس پر امام زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آزردہ ہو کر فرمایا:

"قَاتَلَکَ اللہُ یَا ابنَ أَبِی فَرْوَۃَ مَا أَجْرَأَکَ عَلَی اللہِ أَنْ لَا تُسْنِدَ حَدِیْثَکَ تُحَدِّثُنَا بِأَحَادِیْثَ لَیْسَ لَهَا خُطُمٌ وَلَا أَزِمَّۃٌ۔"[1] (معرفۃ علوم الحدیث ص ٦)

اے ابوفروہ! تجھ کو اللہ تباہ کرے تجھ کو کس چیز نے اللہ پر جری کر دیا ہے کہ تیری حدیث کی کوئی سند نہیں ہے تو ہم سے ایسی حدیثیں بیان کرتا ہے کہ جن کے لیے نہ نکیل ہیں نہ لگام۔

اصول نقد حدیث

اس سلسلے میں حاکم الحدیث حضرت امام نیشاپوری نے احادیث کی صحت کو پرکھنے کے لیے جو ضابطہ نقل فرمایا ہے وہ قابلِ مطالعہ ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ احادیث کو اغلاط کی آمیزش سے محفوظ رکھنے کے لیے کیسی کیسی منصوبہ بند تدبیریں عمل میں لائی گئی ہیں۔ فرماتے ہیں:

"وَمَا یَحْتَاجُ طَالِبُ الْحَدِیْثِ فِی زَمَانِنَا هٰذَا أَنْ یَبْحَثَ عَنْ أَحْوَالِ الْمُحَدِّثِ أَوَّلًا هَلْ یَعْتَقِدُ الشَّرِیْعَةَ فِی التَّوْحِیْدِ وَهَلْ یُلْزِمُ نَفْسَهُ طَاعَةَ الْأَنْبِیَاءِ وَالرُّسُلِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِمْ ثُمَّ یَتَأَمَّلُ حَالَهُ هَلْ صَاحِبُ هَوًی یَدْعُو النَّاسَ إِلَی هَوَاهُ فَإِنَّ الدَّاعِیَ إِلَی الْبِدْعَةِ لَا یُکْتَبُ عَنْهُ ثُمَّ یَتَعرف سنه هَلْ یَحْتَمِلُ سَمَاعَهُ مِنْ شُیُوخِهِ الَّذِینَ یُحَدِّثُ عَنْهُمْ ثُمَّ یَتَأَمَّلُ أُصُولَهُ۔"[2] (معرفۃ علوم الحدیث ص ١٦)

ہمارے زمانے میں ایک طالبِ حدیث کے لیے ضروری ہے کہ پہلے وہ محدث کے حالات کی تفتیش کرے کہ آیا وہ توحید کے بارے میں شریعت کا معتقد ہے؟ اور کیا انبیائے کرام

---

[1] "معرفۃ علوم الحدیث"، ص ٦۔

[2] "معرفۃ علوم الحدیث"، ص ١٦۔

علیہم السلام کی اطاعت اپنے اوپر لازم سمجھتا ہے۔ پھر اس کی حالت پر غور کرے کہ وہ بدمذہب تو نہیں ہے کہ لوگوں کو اپنی بدمذہبی کی طرف دعوت دے رہا ہو۔ کیونکہ بدعت کی طرف بلانے والے سے کوئی حدیث نہیں لی جائے گی۔ پھر اس محدث کی عمر معلوم کرے کہ اس کی سماع ان مشائخ سے ممکن ہے کہ جن سے وہ حدیث بیان کر رہا ہے پھر اس کے اصول پر غور کرے۔

تاریخ و تدوین حدیث

فنِ حدیث کے محاسن و فضائل اور اس کے متعلقات اور موجبات پر قلم اٹھانے سے پہلے یہ بتا دینا نہایت ضروری ہے کہ عہدِ صحابہ سے لے کر آج تک حدیثوں کی تدوین اور جمع و ترتیب کا کام کیونکر عمل میں آیا؟

اس اجمال کی شرح یہ ہے کہ سرکارِ رسالت مآب ﷺ کا عہد پر نور جو نزولِ قرآن کا زمانہ ہے۔ اس عہد پاک میں چونکہ آیاتِ قرآنی کے تحفظ کا کام سب سے اہم تھا اس لیے حضور پاک ﷺ نے صحابۂ کرام کو تاکید فرمائی کہ وہ صرف آیاتِ قرآنی کو قلمبند کیا کریں۔ احادیث کو قیدِ تحریر میں نہ لائیں تاکہ آیاتِ قرآنی کے ساتھ کسی طرح کا التباس نہ ہو۔ البتہ اس امر کی اجازت تھی کہ زبانی طور پر احادیث کی روایت و نقل میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناقابل ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِن الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ أَنَّہٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَکْتُبُوْا عَنِّیْ وَمَنْ کَتَبَ غَیْرَ الْقُرْاٰنِ فَلْیَمْحُہٗ وَحَدِّثُوْا عَنِّیْ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔"[1] (مسلم شریف)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے

---

[1] "صحیح مسلم"، کتاب الزھد والرقائق، الحدیث: ۷۲۔ (۳۰۰۴) ص ۱۶۰۰۔

فرمایا کہ کوئی شخص میری حدیث نہ لکھے اور جس نے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہو تو اس کو مٹا دے۔ اور میری حدیثیں زبانی بیان کرے۔ کوئی حرج نہیں اور جس نے میری طرف کوئی جھوٹ بات منسوب کی تو اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم بنائے۔

لیکن اسی کے ساتھ بعض وہ صحابہ جنہیں اپنے اور اعتماد تھا کہ وہ قرآنی آیات کے ساتھ احادیث کو مخلوط نہیں ہونے دیں گے وہ اپنے طور پر حدیثوں کو بھی قلمبند کر لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

عَنْ أَبِی هُرَیْرَۃَ قَالَ مَامِنْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ تَعَالَی عَلَیْهِ وَسَلَّم أَکْثَر حَدِیْثًا عَنْهُ مِنِّی اِلَّا مَا کَانَ مِنْ عَبْدِاللہِ بْنِ عَمْرٍو فَإِنَّهُ کَانَ یَکْتُبُ وَ أَنَا لَا أَکْتُبُ۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں کوئی مجھ سے زیادہ حدیث بیان کرنے والا نہیں تھا مگر عبداللہ بن عمرو۔ کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ (بخاری)

جب کاغذ کے ٹکڑوں، ہرن کی جھلیوں، کھجور کے پتوں اور الواحِ قلوب میں بکھری ہوئی قرآن مجید کی آیتیں عہدِ فاروقی سے لے کر عہدِ عثمان تک کتابی شکل میں ایک جگہ جمع کر دی گئیں اور ساری دنیا میں اس کے نسخے پھیلا دیے گئے اور احادیث کے ساتھ آیاتِ قرآنی کے التباس و اختلاط کا کوئی اندیشہ نہیں رہ گیا۔ تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان کے ایما پر احادیث کی تدوین اور تصنیف و کتابت کا کام باضابطہ شروع ہوا۔

جیسا کہ حضرت امام سیوطی علیہ الرحمۃ کی "الفیہ" کی شرح میں مقدمہ نویس نے لکھا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"فَلَمَّا أَفْضَتِ الْخِلَافَةُ إِلَی عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ رَضِیَ اللہُ تَعَالَی عَنْهُ فِی عَام ۹۹ تِسْعٍ وَ تِسْعِیْنَ مِنَ الْهِجْرَۃِ کَتَبَ إِلَی أَبِی بَکْرِ بْنِ حَزْم وَهُوَ شَیْخُ مَعْمَرٍ وَ اللَّیْثِ وَالْأَوْزَاعِی وَ مَالِک وَ ابْنِ اِسْحٰق وَ ابْنِ أَبِی ذئب وَهُوَ نَائِبُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ فِی الْقَضَاءِ عَلَی الْمَدِیْنَةِ

---

[1] "صحیح البخاری"، کتاب العلم، بات کتابۃ العلم، الحدیث: ۱۱۳، ج۱، ص ۵۸۔

يَقُوْلُ لَهُ أُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّم فَاكْتُبْهُ فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَ ذَهَابَ الْعُلَمَاءِ۔[1]"

۹۹ ہجری میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو آپ نے ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ معمر، لیث، اوزاعی، مالک، ابن اسحاق اور ابن ابوذئب کے شیخ تھے۔ اور مدینہ منورہ میں محکمہ قضا میں خلیفہ کے نائب تھے ان سے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ جو حدیث بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملے اسے لکھ لو اس لیے کہ مجھ کو علم کے مٹنے اور علماء کے چلے جانے کا خوف ہے۔ (مقدمہ شرح الفیہ ص ۵)

اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہاں تک نقل کیا گیا ہے:

"أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى أَهْلِ الْأَفَاقِ أُنْظُرُوا إِلَى حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّم فَاجْمَعُوْهُ۔[2]"

انہوں نے اطراف وجوانب میں لکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث پاؤ تو اسے جمع کر لو۔ (تاریخ اصفہان لابی النعیم)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریک پر فنِ حدیث میں سب سے پہلی کتاب حضرت ابن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصنیف فرمائی۔ اس کے بعد حدیث کی کتابوں کی تصنیف و تالیف اور جمع و ترتیب کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا، مختلف شہروں میں مختلف بزرگوں نے حدیث میں بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔

صاحبِ "شرح الفیہ" نے نہایت تفصیل کے ساتھ بقید مقام ان بزرگوں کے نام لکھے ہیں:

"مِنْهُمْ ابْنُ جُرَيْجٍ بِمَكَّةَ وَ ابْنُ إِسْحَاق وَ مَالِكٌ بِالْمَدِيْنَةِ وَ الرَّبِيْعُ بْنُ صَبِيْحٍ وَ سَعِيْدُ بْنُ عُرْوَةَ وَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ بِالْبَصْرَةِ وَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ بِالْكُوْفَةِ وَ الْأَوْزَاعِي بِالشَّامِ وَ هِشَامُ

---

[1] "مقدمہ شرح الفیہ"، ص ۵۔

[2] "تدریب الراوی"، ص ۵۰۔

بِوَاسِطَ وَمَعمَر بِالْيَمَن وَجَرِيْرُ بنُ عَبْدِاللهِ بِالرِی وَابْنُ الْمُبَارَک بِخُرَاسَان۔[1]

ان میں ابن جریج مکہ میں ابن اسحاق اور مالک مدینہ میں، ربیع بن صبیح، سعید بن عروہ اور حماد بن سلمہ بصرہ میں، سفیان ثوری کوفہ میں، اوزاعی شام میں، ہشام واسط میں معمر یمن میں، جریر بن عبداللہ رے میں اور ابن المبارک خراسان میں تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (مقدمہ شرح الفیہ ص ۵)

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"کُلُّهُم فِی عَصْرٍ وَاحِدٍ وَمِنْ طَبقَةٍ وَاحِدَةٍ وَأَكْثَرُهُمْ مِنْ تَلامِذَةِ أَبِی بَكر بن حَزم وَابن شِهَاب الزّهری۔[2]" (مقدمہ شرح الفیہ ص ۹)

یہ سب کے سب ایک ہی زمانے میں ایک ہی طبقہ کے تھے اور ان میں کے اکثر حضرت ابوبکر بن جزم اور ابن شہاب زہری کے شاگرد تھے۔

اس کے بعد تصنیف و تالیف اور مختلف حلقہائے درس کے ذریعہ احادیث کی نشرواشاعت کا سلسلہ آگے بڑھتا گیا، روایتوں کے قبول ورد کے اصول، راویوں کے اوصاف و شرائط اور اس فن کے آداب ولوازم پر ضوابط ودساتیر کی تشکیل عمل میں آئی اور اصولِ حدیث کے نام سے علم وفکر کی دنیا میں ایک نئے فن کا آغاز ہوا۔ اصول وشرائط کے سخت سے سخت معیار پر احادیث کی نئی نئی کتابیں لکھی گئی یہاں تک کہ آج اس فن کی جملہ تصنیفات میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤ، سنن ابن ماجہ اور سنن نسائی بہت مشہور اور متداول بین الناس ہیں۔

سطورِ بالا میں حدیث کی دینی ضرورت، اس کی علمی اور فنی ثقاہت اور اس کی تاریخی عظمت و انفرادیت پر کافی روشنی پڑ چکی ہے۔ جن پاک طینت مسلمانوں کو اسلام وقرآن عزیز ہے اور جو اپنے آپ کو اسی امت مسلمہ کا ایک فرد سمجھتے ہیں جو چودہ سو برس سے اپنی متوارث

---

[1] "مقدمہ شرح الفیہ"، ص ۵۔

[2] "مقدمہ شرح الفیہ"، ص ۹۔

روایات اور مربوط دینی وفکری تہذیب کے ساتھ زندہ وتابندہ ہے تو انہیں حدیث پر اعتماد کرنے کے لیے کسی دلیل کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

البتہ جو لوگ کہ ازراہِ نفاق حدیث کا انکار کرتے ہیں اور اپنی اس شقاوت کو چھپانے کے لیے قرآن کا نام لیتے ہیں۔ اگر مجھے وقت کی تنگی کا عذر نہ پیش آجاتا تو میں قابلِ وثوق شہادتوں کے ساتھ آفتابِ نیم روز کی طرح یہ ثابت کر دکھاتا کہ ان کے یہاں حدیث کا انکار قرآن کی پیروی کے جذبے میں نہیں بلکہ قرآن کی پیروی سے بچنے کے لیے ہے۔

حدیث کے انکار سے ان کا اصل مدعا یہ ہے کہ کلام خداوندی کے مفہوم کا یقین ان کی ذاتی صواب دید پر چھوڑ دیا جائے تا کہ آیاتِ الٰہی کا مفہوم مسخ کر کے بھی وہ قرآن کی پیروی کا دعویٰ کرسکیں۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ منکرینِ حدیث کے فتنے سے اہلِ ایمان کو محفوظ رکھے اور انہیں توفیق دے کہ وہ حدیث کی روشنی پھیلا کر عالم کا اندھیرا دور کریں۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَحِزْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ

أزْشَدالقَادِرِیْ (علیہ رحمۃ اللہ القوی)

مہتمم مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور (بہار) ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ

امام بخاری

ولادت: امام بخاری کی ولادت ماورالنہر کے مشہور شہر بخارا میں ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو بروز جمعہ مبارکہ بعد عصر ہوئی۔ اس وقت سلاطین عباسیہ کی سطوت وشوکت کا سکہ چار دانگ عالم میں بیٹھا ہوا تھا۔ پورا ماورالنہر[1] بشمول بخارا انہیں کے زیر نگیں تھا بخار میں ان کی طرف سے والی رہتا تھا۔ یہ عہد ہارون الرشید کے بیٹے امین کا تھا۔

نام و نسب: امام بخاری کا نام محمد تھا اور کنیت ابو عبداللہ، امیر المومنین فی الحدیث، ناصر الاحادیث النبویہ، ناشر المواریث المحمدیہ القاب ہیں۔ مگر ان سب پر بخاری ایسا غالب آیا کہ سب القاب پیچھے رہ گئے۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ ہے۔ بَردزبہ کے معنی کاشکار کے ہیں یہ مجوسی تھا اور مجوسیت ہی پر مرا۔ امام بخاری کے پردادا مغیرہ اس وقت کے والیِ بخارا ایمان جُعفی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے اور ان کے ساتھ عقد موالات کرلیا جو احناف کے مذہب میں موجِب توریت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے "الولاء لحمة کلمة النسب"[2] حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے پوچھا اگر کوئی مشرک کسی مسلمان کے ہاتھ پر ایمان لائے تو سنت کیا ہے فرمایا۔ وھوا ولی الناس بحیاہ و مماتہ۔[3] وہ اس کی موت اور زندگی کا سب سے زیادہ حقدار ہے اسی وجہ سے امام بخاری کو بھی جُعفی کہا جاتا ہے۔ یہ ایمان امام بخاری کے شیخ مسندی کے پردادا ہیں۔

بَر دِزبَہ کے والد کے نام میں اختلاف ہے کسی نے بذذبہ، کسی نے احنف کہا۔ کسی نے کچھ اور نام بتایا۔[4]

والد ماجد: امام بخاری کے والد ماجد بڑے ممتاز بزرگ اور متبحر عالم تھے۔ امام بخاری کے شیخ الشیخ امام عبداللہ بن مبارک تلمیذ امام اعظم ابوحنیفہ کی صحبت میں رہتے تھے صاحب روایت محدث

تھے۔ عبداللہ بن مبارک امام مالک اور ان کے اصحاب و معاصرین سے روایت کرتے تھے۔ بڑے ہی مستجاب الدعوت بزرگ تھے۔ ایسے کہ بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے کہ میری سب دعائیں دنیا ہی میں نہ قبول کرلے کچھ آخرت کے لیے رہنے دے۔ اکل حلال کے ایسے پابند تھے کہ حرام تو حرام مشتبہات سے بھی بچتے تھے۔ وصال کے وقت فرمایا! میرا مال حرام تو حرام شبہات سے بھی پاک ہے۔ اکل حلال استجابت دعاء کے لیے اکسیر اعظم ہے۔

یتیمی و تربیت: امام بخاری ابھی صغیر السن ہی تھے کہ ان کے والد ماجد انہیں داغ یتیمی دے گئے ان کی پرورش والدہ ماجدہ نے کی۔ عہد طفلی ہی میں امام بخاری کی بینائی جاتی رہی۔ بہت علاج کیا مگر فائدہ نہ ہوا۔ ان کی والدہ ماجدہ ان کی بینائی کے لیے ہمیشہ گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں کرتی رہتیں۔ ایک رات خواب دیکھا کہ ابو الانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے تیری دعاء قبول فرمائی تیرے بچے کی بینائی واپس فرما دی۔ صبح کو امام بخاری بینا ہوکر اٹھے۔ پھر آنکھوں میں وہ روشنی آئی کہ چاندنی میں لکھا پڑھا کرتے تھے۔ خراسان میں بھی ایک دفعہ یہی حادثہ پیش آیا تو کسی نے بتایا کہ سر مونڈا کر خطمی کا لیپ سر پر کریں۔ بینائی واپس آجائے گی۔ امام بخاری نے یہی کیا اور پوری بینائی واپس آگئی اور ایسی کہ پھر کبھی نہ گئی۔[۵]

حفظ حدیث کی ابتداء: حسب دستور امام بخاری مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کررہے تھے جب قریب قریب دس سال کے ہوئے تو بالہام ربانی تحصیل حدیث کا شوق پیدا ہوا۔ اور امام بخاری وہاں کے مشہور محدثین کی خدمت میں اخذ حدیث کے لیے حاضر ہونے لگے۔ مثلاً سلام بن محمد بیکندی، محمد بن یوسف بیکندی، عبداللہ بن محمد مسندی اور ابراہیم بن اشعث وغیرہ۔[۶] چند مہینوں میں اتنا عبور ہوگیا کہ محدثین کو ٹوکنے لگے۔ بخارا میں ایک مشہور محدث داخلی تھے۔ امام بخاری ان کے یہاں بھی حدیث حاصل کرنے جاتے تھے۔ ایک دن انہوں نے ایک حدیث کی سند کتاب میں دیکھ کر اس طرح پڑھی۔ سفیان من ابی الزبیر عن ابراھیم۔ امام بخاری نے بلا تاخیر ان سے کہا۔ ابوالزبیر۔ ابراہیم کے راوی نہیں۔ پھر آپ نے عن الزبیر عن ابراھیم

کیسے پڑھا۔ داخلی نے نوعمر بچہ دیکھ کر جھڑک دیا۔ امام بخاری نے پھر کہا۔ کہ اصل میں دیکھ لیں کیا ہے۔ اس پر داخلی مکان میں تشریف لے گئے اور کتاب کا اصل نسخہ لے کر آئے اور امام بخاری سے دریافت کیا۔ تم یہ بتاؤ صحیح نام کیا ہے؟ امام بخاری نے فرمایا کہ یہ ابوالزبیر نہیں بلکہ زبیر بن عدی ہیں۔ یہی ابراہیم کے تلمیذ ہیں۔ داخلی نے اس کے مطابق اپنی کتاب درست کرلی۔ اس وقت امام بخاری کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ اسی قوت حفظ کا نتیجہ تھا کہ سولہ سال کی عمر میں امام عبداللہ بن مبارک اور امام وکیع کی کتابیں اور اصحاب امام اعظم کی کتابیں حفظ کرلیں۔[ے]

تحصیل علم: ۲۱۰ھ میں امام بخاری کی عمر جب سولہ سال کی تھی۔ اپنے بڑے بھائی احمد بن اسمٰعیل اور والدہ کے ہمراہ حج کو گئے۔ والدہ اور بھائی تو حج سے فارغ ہوکر وطن واپس ہوگئے مگر امام بخاری مکہ معظمہ میں گئے۔ وہاں تحصیل علم وتصنیف و تالیف وعلم دین کی نشرو اشاعت میں مصروف رہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں قضایا الصحابہ والتابعین لکھی اور اسی عمر میں اپنی مشہور کتاب، کتاب والتاریخ مزار اقدس حضور سید عالم ﷺ کے پاس بیٹھ کر چاندنی میں لکھی اور ابھی ڈاڑھی مونچھ بھی نہیں نکلی تھی کہ محدثین نے ان سے احادیث اخذ کرنا شروع کردیا تھا۔[۸]

علامہ ابن حجر نے فرمایا۔ کہ اگر امام بخاری نے جب تحصیل حدیث شروع کی تھی اسی وقت مکہ آجاتے تو ان اونچے طبقے کے محدثین سے انہیں بھی بلاواسطہ تلمذ حاصل ہوجاتا جن سے ان کے معاصرین کو ہے مگر تاخیر سے مکہ حاضری کی وجہ سے ان اونچے طبقے والوں سے تلمذ نہ ہوسکا مگر ان کے قریب العہد بزرگوں سے حاصل ہوا۔ مثلاً یزید بن ہارون ابوداؤد طیالسی۔ علامہ ابن حجر کا بیان ہدیۃ الساری مقدمہ فتح الباری میں مختلف ہے۔ صفحہ ۴۷۹ پر مبدء طلب حدیث کے باب میں یہی ہے کہ ۲۱۰ھ میں حج کیا اس حساب سے امام بخاری کی عمر اس وقت سولہ سال ہوئی۔ لیکن ثناء الناس کے عنوان کے تحت صفحہ ۴۸۴ پر خود امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے اٹھارہ سال کی عمر میں پہلا حج کیا۔ اس حساب سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاری نے پہلا حج ۲۱۲ھ میں کیا تھا۔ لیکن میں نے پہلا قول اختیار کیا اس لیے کہ اس میں علامہ ابن حجر کے الفاظ

یہ ہیں کہ میں حمیدی کے یہاں گیا جب کہ میری عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ یعنی اول حج کے سال اول سنة حج۔ تو دیکھا کہ ان میں اور ایک صاحب کے درمیان ایک حدیث کے بارے میں بحث ہورہی تھی۔ حمیدی نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ لو وہ آگئے جو ہمارا فیصلہ کردیں گے۔ میں نے حمیدی کے حق میں فیصلہ دیا کیونکہ حق ان کے ساتھ تھا۔ چونکہ حج کے بعد امام بخاری مکہ ہی میں رہ گئے تھے تو ہوسکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ جب پہلا حج کر کے مکے میں مقیم تھا تو یہ واقعہ پیش آیا۔ رُواۃ سے تعبیر میں کچھ ردوبدل ہوگیا۔ علامہ قسطلانی نے بھی اپنی شرح کے مقدمہ میں یہی لکھا ہے کہ ۲۱۰ھ سولہ سال کی عمر میں حج کے لیے گئے۔ طبقات کبریٰ میں بھی علامہ سبکی نے یہی لکھا ہے۔

۲۱۰ھ میں امام عبدالرزاق یمن میں باحیات تھے۔ امام بخاری نے ان کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا مگر کسی نے بتایا کہ وصال ہوگیا ہے تو یمن نہیں گئے۔ ان کے تلمیذ سے اخذ حدیث فرمائی۔

امام بخاری خود فرماتے ہیں کہ میں علم حدیث کی طلب کے لیے دوبار مصر دو بار شام دو بار جزیرہ گیا۔ چار بار بصرہ، چھ سال حجاز میں رہا۔ کوفہ و بغداد کتنی بار گیا اس کا شمار نہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اس عہد میں بغداد کی طرح کوفہ بھی علم دین خصوصاً علم حدیث کا مرکز اعظم تھا۔ آج رُفاض اور غیر مقلدین کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر لوگ کوفہ کو جو چاہیں کہیں —— مگر واقعہ یہ ہے کہ اس عہد میں کوفے کی علمی مرکزیت دنیاء اسلام میں مسلم تھی اس کے علاوہ امام بخاری اور بھی دور دراز شہروں کے سفر کیے ہیں۔ مثلاً بلخ گئے اور حضرت امام اعظم کے تلمیذ مکی بن ابراہیم سے اخذ حدیث کیا۔ ان سے اپنی صحیح میں گیارہ ثلاثیات روایت کی ہیں۔ ان جگہوں کے علاوہ نیشاپور، مَرو، رَی، واسط، قیساریہ، عسقلان وغیرہ بھی گئے۔[9]

قوت حافظہ وجودت ذہن: تعلیم وتعلم کے لیے سب سے اہم جو چیز ہے وہ حافظہ اور جودت ذہن ہے۔ اللہ عزوجل نے امام بخاری کو یہ تمام باتیں بدرجہ اتم عطا فرمائی تھیں جس کے چند واقعات گزر چکے ہیں۔ ان کے حافظے کا یہ حال تھا کہ جس بات کو ایک مرتبہ سن لیتے یا پڑھ

لیتے یاد ہوجاتی پھر کبھی نہ بھولتے۔ اسماعیل بن حاشد کہتے ہیں کہ میں اور چند ساتھی امام بخاری کے ہم سبق تھے۔ ہم لوگ حدیث سننے کے لیے بصرہ کے محدثین کے پاس جایا کرتے تھے۔ ہم لوگ جو سنتے لکھ لیا کرتے۔ امام بخاری کچھ نہیں لکھتے سن کر چلے آتے۔ ہم نے ان سے بارہا کہا کہ وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ تم بھی جو سنو لکھ لیا کرو۔ امام بخاری پر کچھ اثر نہ ہوا۔ سولہ دن کے بعد انہوں نے کہا کہ تم لوگوں نے مجھے بہت ملامت کی اور ملامت کر کے تنگ کر دیا اب تک جتنی حدیثیں لکھ چکے ہو مجھے سناؤ۔ اس اثناء میں پندرہ ہزار احادیث ہم لوگوں نے لکھی تھیں ہم نے اپنے نوشتوں سے دیکھ کر پڑھنا شروع کیا تو یہ حال ہوا کہ ہمارے نوشتوں میں غلطی تھی ان کی یادداشت میں کوئی غلطی نہ تھی ہم نے اپنے مکتوبات کی ان کی یادداشت سے تصحیح کی۔ پورے مقابلے کے بعد فرمایا تم لوگ سمجھتے ہو کہ میری سرگردانی بے کار ہے۔ میں وقت ضائع کر رہا ہوں؟[۱۰] محمد بن ازہر کہتے ہیں کہ میں محمد بن حرب کے یہاں حدیث سننے کے لیے جاتا تھا۔ امام بخاری بھی جاتے تھے۔ میں لکھتا تھا وہ نہیں لکھتے تھے۔ کسی نے کہا کہ محمد بن اسماعیل لکھتے نہیں تو میں نے کہا۔ اگر تم سے کوئی حدیث لکھنے سے رہ جائے تو ان سے پوچھ کے لکھ لینا۔ محمد بن حاتم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ فریابی کے حلقہ درس میں حاضر تھے امام بخاری بھی تھے۔ فریابی نے ایک حدیث کی سندیوں بیان کی **حدثنا سفیان عن ابی عروبة عن ابی الخطاب عن ابی حمزة** اس سند میں حضرت فریابی نے راویوں کی کنیتیں ذکر کیں نام نہیں لیا۔ پھر پوچھا بتاؤ کہ ان تینوں کے کیا نام ہیں۔ حاضرین مجلس نہ بتا سکے۔ امام بخاری نے بتایا کہ عروبۃ معمر بن راشد ہیں اور ابو الخطاب قتادہ بن دعامہ اور ابوحمزہ حضرت انس ہیں۔ امام بخاری کے منہ سے یہ سنتے ہی حاضرین پر سکتہ طاری ہوگیا۔[۱۱] ایک دفعہ سمرقند میں چار سو محدثین نے متفقہ طور پر طے کیا کہ امام بخاری کو مغالطہ میں ڈال دیں اس کے لیے انہوں نے عراق کی اسناد میں شام کی اور شام کی اسناد میں عراق کی، حرم کی اسناد میں یمن کی اور یمن کی اسناد میں حرم کی غلط ملط کر کے سات دن تک یہ لوگ امام بخاری کو پریشان کرتے رہے مگر ان کا حربہ کارگر نہ ہوا۔ یہ لوگ ایک بار بھی امام بخاری کو مغالطہ نہ دے سکے نہ سند میں نہ متن میں۔

بغداد میں امتحان: جب امام بخاری بغداد تشریف لے گئے تو وہاں کے محدثین نے ان کے حافظ و وسعت علم کا امتحان لینا چاہا۔ اس کے لیے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ ایک سو احادیث کے متون اور اسناد میں ردوبدل کر کے انہیں جانچا جائے چنانچہ سو احادیث میں سے ہر ایک کے متن کو دوسری سند کے ساتھ اور دوسرے کی سند کو اس کے متن کے ساتھ ملا دیا گیا۔ دس آدمی سوال کرنے کے لیے منتخب ہوئے۔ ایک ایک شخص کو دس دس حدیثیں دی گئیں۔ ایک تاریخ مقرر ہوئی۔ اس میں امام بخاری مجلس عام میں تشریف لائے اور ہزار ہا ہزار محدثین، فقہا، عوام و خواص شریک ہوئے۔ جب مجمع پُرسکون ہو گیا تو حسب قرارداد ایک شخص کھڑا ہوا اس نے ایک ایک کر کے اپنی دسوں حدیثوں کو پڑھا۔ ہر حدیث کے سننے کے بعد امام بخاری یہ فرماتے تھے۔ ''میں اسے نہیں پہچانتا'' اسی طرح دسوں آدمیوں نے باری باری کھڑے ہو کر اپنے اپنے سوال کو دہرایا۔ سب کا جواب یہ تھا کہ میں اسے نہیں جانتا۔ اس پر بے علم خوش ہوئے کہ امام بخاری واقعی ان احادیث کو نہیں جانتے مگر اہل علم جان گئے کہ معاملہ کیا ہے۔ جب دسوں آدمی بیٹھ گئے تو امام بخاری نے پہلے شخص سے فرمایا آپ نے جو پہلی حدیث پڑھی تھی وہ اس طرح نہیں صحیح یوں ہے۔ اس متن کی سند یہ ہے جس ترتیب سے اس نے پیش کی تھی اسی ترتیب سے ہر ایک کی تصحیح کرتے گئے۔ یہاں تک کہ دسوں آدمیوں کی بیان کردہ سو احادیث پر اسی ترتیب سے کلام فرمایا۔ جس ترتیب سے ان لوگوں نے سوال کیا تھا۔ جب امام بخاری فارغ ہوئے تو تمام مجلس سے تحسین و آفریں کا شور اٹھا اور حاضرین نے امام بخاری کے خداداد فضل و کمال کا لوہا مان لیا۔ اسی موقع پر کسی زندہ دل نے کہا ھذا اکبش نطاح [۱۲] یہ زبردست سینگ مارنے والا مینڈھا ہے۔

سلیم بن مجاہد کا بیان ہے کہ میں ایک دن محمد بن سلام بیکندی کے حلقہ درس میں پہنچا تو انہوں نے فرمایا۔ تھوڑی دیر پہلے اگر آئے ہوتے تو میں تم کو وہ بچہ دکھاتا جسے ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ سلیم کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر وہاں سے اٹھا اور امام بخاری کی تلاش شروع کر دی۔ آخر کار ان کو ڈھونڈ نکالا۔۔ ان سے پوچھا کہ کیا تمہیں وہ صاحبزادے ہو جنہیں ستر ہزار حدیثیں یاد

ہیں۔ امام بخاری نے فرمایا۔ مجھے اس سے بھی زیادہ حدیثیں یاد ہیں اور میں جن جن صحابہ سے روایت کرتا ہوں ان میں سے اکثر کے مفصل حالات جانتا ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کہاں پیدا ہوئے کہاں ان کا وصال ہوا کہاں رہتے تھے میں صرف اسی حدیث کی روایت کرتا ہوں جس کی اصل کتاب وسنت میں پاتا ہوں۔ یہ واقعہ سولہ سال سے کم عمر کا ہے۔[۱۳]

تعدد طرق پر احاطہ: اس عہد میں احادیث کا ایسا چرچا تھا کہ جسے بھی دین سے شغف ہوتا وہ کچھ نہ کچھ احادیث ضرور مع سند ومتن کے یاد رکھتا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ ایک حدیث بیسوں سندوں کے ساتھ منتشر تھی۔ محدثین اپنی اپنی صواب دید پر ایک یا چند طریقہ پسند فرما لیتے۔ امام بخاری کا اس خصوص میں بھی یہ امتیاز ہے کہ اس عہد میں احادیث کے جو طرق موجود تھے ان سب پر انہیں احاطہ تھا۔ وہ بھی پوری ردوقدح، جرح وتعدیل کے ساتھ۔ اس سلسلے میں متعدد واقعات ہیں۔

یوسف بن موسیٰ مروزی کا بیان ہے کہ میں بصرے کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ منادی کی آواز سنائی دی۔ اے علم کے طلب گارو! محمد بن اسماعیل یہاں آئے ہوئے ہیں جن کو ان سے حدیث سننی ہو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ یوسف نے بتایا کہ میں نے دیکھا ایک دُبلا پتلا نوجوان ستون کے پاس حددرجہ سادگی پورے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے۔ یہی امام بخاری تھے۔ منادی کی ندا سن کر لوگ چاروں طرف سے ان کے گرد اکٹھے ہوگئے۔ لوگوں نے ان سے درخواست کی ہمیں احادیث لکھانے کے لیے کوئی مجلس منعقد کیجئے۔ امام بخاری نے دوسرے دن کے لیے وعدہ کرلیا۔ دوسرے دن صبح کو مجلس درس منعقد ہوئی۔ امام بخاری نے فرمایا اے اہل بصرہ! میں وہی احادیث لکھواؤں گا جو تمہارے شہر کے محدثین کے پاس ہے مگر ایسی سند کے ساتھ جو ان کے پاس نہیں۔

اس کے بعد امام بخاری نے منصور کی سند سے ایک حدیث لکھوائی اور بصرہ میں یہ حدیث دوسری سندوں کے ساتھ مشہور تھی۔ اسی طرح امام بخاری نے کثیر احادیث لکھوائیں۔ اور سب کے بارے میں فرمایا۔ تمہارے یہاں کے لوگ اس سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں

اور میں فلاں سند کے ساتھ روایت کرتا ہوں۔

علل قادحہ میں مہارت: کبھی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث ہر عیب سے پاک ہے [۱۴] صحیح ہے جرح کی کوئی گنجائش نہیں مگر حقیقت میں کوئی ایسا سُقم ہوتا ہے کہ وہ حدیث ساقط الاعتبار ہوتی ہے۔ مثلاً بظاہر متصل ہے مگر حقیقت میں متصل نہیں۔ بظاہر مرفوع ہے مگر حقیقت میں موقوف ہے یا متن میں ردوبدل ہوگیا ہے۔ یا سند میں یا کسی راوی سے وہم ہوگیا ہے۔ اس کی شناخت حدیث کا بہت اہم فن ہے۔ [۱۵] حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا کہ ان علل کی معرفت بغیر الہام کے نہیں ہوسکتی۔ محدثین نے فرمایا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ محدث یہ پہچان جاتا ہے کہ یہ حدیث معلول ہے مگر علت کسی کو نہیں بنا سکتا۔ جیسے ماہر سُنار سونے کو پرکھ کر جان جاتا ہے کہ کیسا ہے مگر دوسرے شخص کو سمجھا نہیں سکتا۔ اس فن میں بھی امام بخاری یکتا تھے۔

ایک دفعہ نیشاپور میں جو امام مسلم کا وطن تھا۔ امام بخاری تشریف فرما تھے امام مسلم امام بخاری سے ملاقات کے لیے آئے۔ اسی اثناء میں کسی نے یہ حدیث پڑھی۔

عن ابن جریج عنموسی بن عقبة عن سهیل بن ابی صالح عن ابیه عن ابی هریرة عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال کفارة المجلس اذا قام العبد ان یقول سبحٰنک اللّٰهم وبحمدک اشهدان لااله الا انت استغفرک و اتوب الیک

ابن جریج موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں وہ سہل بن ابی صالح سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت ابوہریرہ سے کی نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجلس کا کفارہ یہ ہے کہ جب کھڑے ہو تو یہ پڑھ لیا کرو اے اللہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں اور تیری بخشش کا طالب ہوں

اس حدیث کو سن کر امام مسلم نے کہا۔ سبحان اللہ کتنی عمدہ حدیث ہے۔ کیا اس حدیث کی سند اس سے بڑھ کر دنیا بھر میں ہے؟ امام بخاری نے فرمایا نعم لکنه معلولٌ۔ ہاں سند تو

اچھی ہے لیکن معلول ہے۔ امام مسلم اس کو سنتے ہی کانپ اٹھے اور کہا ''لا الہ الا اللہ '' آپ مجھے اس کی علت بتا دیجئے۔ امام بخاری نے فرمایا۔ اللہ عزوجل نے جس چیز کو پوشیدہ رکھا ہے۔ اسے پوشیدہ ہی رہنے دو۔ امام مسلم نے اٹھ کر امام بخاری کے سر کو بوسہ دیا اور عاجزی کے ساتھ درخواست کرتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رو دیں گے۔ آخر کار امام بخاری نے فرمایا اتنا بضد ہو تو اس کی غیر معلول سند سنو حدثنا موسی بن اسماعیل حدثنا وھیب حدثنا موسی بن عقبة عن عون بن عبداللّٰہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم کفارة المجلس۔ الحدیث۔ اس کو سننے کے بعد امام مسلم باغ باغ ہوگئے اور امام بخاری سے کہا۔ اے امام میں شہادت دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ کی نظیر نہیں۔ جو آپ سے بغض رکھے وہ حاسد ہے۔ [۱۶] اس قصے کو بیہقی نے مدخل میں اس طرح لکھا ہے۔ امام مسلم امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور عرض کیا کہ اجازت دیجئے کہ آپ کے پاؤں کو بوسہ دوں اے استاذ الاستاذین وسید المحدثین وطیب الحدیث فی علله۔ آپ سے محمد بن سلام نے یہ حدیث بیان کی ہے:

حدثنا محمد بن مخلد بن یزید قال اخبرنا ابن جریج حدثنی موسیٰ بن عقبة عن سھیل بن ابی صالح عن ابیه عن ای ھیریرة عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فی کفارة المجلس۔ الحدیث۔ یہ سن کر امام بخاری نے فرمایا یہ حدیث مجھ سے اور ایک طریقہ سے بیان کی گئی ہے۔ حدثنا احمد بن حنبل ویحی بن معین قالا حدثنا حجاج بن محمد عن بن جریج قال حدثنی موسی بن عقبة عن سھیل عن ابیه عن ابی ھریرھة النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قال کفارة المجلس۔ الحدیث۔ یہ حدیث سنا کر امام بخاری نے فرمایا کہ یہ حدیث اچھی ہے۔ اس سند کے ساتھ دنیا میں سوائے اس کے اور کوئی حدیث نہیں۔ مگر یہ معلول ہے۔ اس لیے کہ موسیٰ بن عقبہ کا سماع سہیل سے ثابت نہیں۔ پھر سابقہ مذکورہ طریقے سے حدیث بیان فرمائی اور فرمایا یہ اس سے بھی بہتر ہے۔ [۱۷]

نیشا پور ہی کا واقعہ ہے کہ ایک بار محمد بن یحیی ذہلی اور امام بخاری ایک جنازے میں جارہے تھے ذہلی امام بخاری سے رواۃ اور علل کے بارے میں سوالات کرتے جاتے تھے اور وہ فرفر تیر کی طرح یوں بتاتے جاتے تھے جیسے قل ھو اللہ پڑھ رہے ہوں۔[۱۸]

عادات و اطوار: امام بخاری کے والد نے ترکے میں بہت زیادہ مال چھوڑا تھا اور وہ اس مال کو مضاربت پر دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص کے ذمے پچیس ہزار درہم امام بخاری کے باقی پڑ گئے۔ امام بخاری نے دس درہم ماہانہ کی قسط مقرر فرما دیا۔ مگر کچھ وصول نہ ہوا۔

ایک بار ابوحفص نے امام بخاری کے پاس کچھ سامان تجارت بھیجا کہ اسے بیچ دیں۔ تاجروں کو پتہ چلا تو امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور پانچ ہزار درہم نفع دینے کو کہا۔ یہ رات کا وقت تھا۔ امام بخاری نے فرمایا، اس وقت آپ لوگ جائیں اور صبح کو آیئے گا۔ دوسرے دن صبح کو تاجروں کا دوسرا گروہ آیا اس نے دس ہزار نفع دینے کو کہا۔ امام بخاری نے فرمایا میں نے رات ہی کو نیت کرلی تھی کہ پہلے گروہ کو دوں گا۔ نیت بدلنا پسند نہیں کرتا۔

ایک بار امام بخاری لکھ رہے تھے آپ کی باندی گزری اس کے پاؤں سے دوات کو ٹھوکر لگی اور دوات گر گئی امام بخاری نے اس سے فرمایا۔ دیکھ کر چلا کرو۔ باندی نے شوخی سے جواب دیا جب راستہ نہ ہو تو کیا کروں؟ آپ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور کہا! جاؤ تم آزاد ہو۔

امام بخاری نے کبھی اپنی ذات کا کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ان کے اساتذہ میں محمد بن یحیی ذہلی تھے۔ یہی بزرگ اس کا سبب بنے کہ امام بخاری کو نیشا پور چھوڑنا پڑا۔ مگر امام بخاری نے ان کی مرویات کو صحیح بخاری میں بھی درج فرمایا۔ البتہ بجائے محمد بن یحیی کے یا تو صرف محمد ذکر کرتے ہیں یا بجائے باپ کے پردادا کی طرف نسبت کر کے محمد بن خالد لکھتے ہیں۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو بتایا کہ ذہلی مجھ پر جرح کرتا ہے۔ اگر میں اس کا نام بطرز مشہور لکھوں تو وہ متعین ہوجائے گا۔ لوگ کہیں گے کہ جو شخص ان پر جرح کرتا ہے اس کو یہ عادل جانتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی جرح درست ہے۔ اور میں مجروح ہوں یعنی عادل وہ ہے جو جھوٹ نہ بولے اور جب ذہلی نے امام بخاری پر جرح کیا تو اگر جرح صحیح تو امام بخاری مجروح

اور جرح غلط تو ذہلی کاذب اور غیر عادل۔

مگر خلجان اب بھی باقی رہتا ہے کہ جب ذہلی نے امام بخاری پر جرح کی تو صرف روایت میں ان کا نام بدلنے سے یہ احتمال کیسے ختم ہوگیا۔ وہ تو اب بھی اپنی جگہ باقی رہا۔ اگر ذہلی صادق تو امام بخاری مجروح اور امام بخاری بے داغ تو ذہلی غیر عادل۔

بات یہ ہے کہ معاصرین کی جرحیں قابلِ اعتنا نہیں جب کہ یہ معلوم ہو کہ یہ کسی اختلاف کی وجہ سے کررہا ہے۔ امام بخاری اور ذہلی میں مسئلہ خلقِ قرآن پر شدید اختلاف ہوا جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے ذہلی امام بخاری پر معاصرانہ چشمک کی وجہ سے جرح کرتے تھے۔ اس لیے وہ جرح ناقابلِ اعتبار ہے۔

اس کے باوجود کہ میراث میں کثیر دولت پائی تھی۔ چاہتے تو رئیسانہ ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی گزارتے۔ مگر امام بخاری بہت سادہ زاہدانہ طور پر گزر بسر کرتے تھے۔ چوبیں گھنٹے میں دو تین بادام پر گزارہ کرتے کبھی صرف سوکھی گھاس پر۔ چالیس سال تک بے شوربے کے سوکھی روٹی کھائی۔ بیمار پڑے اور اطباء نے قارورہ دیکھا تو انہوں نے بتایا کہ ان کا قارورہ راہبوں کے قارورے کے مثل ہے۔ یہ صرف سوکھی روٹی کھاتے ہیں جس سے آنتیں سوکھ گئی ہیں۔ لوگوں کے بہت اصرار کرنے پر بمشکل تمام شیرۂ انگور سے روٹی کھانا قبول کیا۔

محمد بن حاتم وراق کہتے ہیں کہ امام بخاری جب سفر میں رہتے تو ہم تمام خدام کو ایک کمرے میں رکھتے اور خود سب سے علیحدہ ایک کمرے میں۔ ایک بار میں نے دیکھا کہ وہ رات میں پندرہ بیس مرتبہ اٹھے اور چقماق سے آگ جلا کر چراغ جلاتے اور احادیث کے دفاتر پڑھتے کہیں کہیں نشان لگاتے اور پھر تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ جاتے۔ میں نے عرض کیا کہ رات کو آپ نے بار بار خود زحمت اٹھائی مجھے جگا دیتے۔ فرمایا تم! جوان ہو اور گہری نیند سوتے ہو تمہاری نیند خراب ہوتی۔

امام بخاری بہت ماہر تیر انداز تھے۔ شاید باید ہی کوئی تیر خطا کرتا۔ ابو جعفر کہتے ہیں کہ اپنی طویل صحبت میں صرف دو بار میں نے ان کے تیر کو خطا ہوتے دیکھا۔ ایک مرتبہ فِربُر میں

تھے۔ امام بخاری سوار ہوکر تیر اندازی کے لیے نکلے۔ خدام ساتھ تھے۔ شہر پناہ کے اس دروازے پر جس سے نہر کے دہانے تک راستہ جاتا ہے۔ ہم لوگ تیر اندازی کرنے لگے۔ امام بخاری کا ایک تیر پل کی میخ میں جا لگا جس سے میخ پھٹ گئے۔ امام بخاری نے فوراً تیر اندازی موقوف کردی اور ہم لوگوں کو واپسی کا حکم دیا۔ اور ایک گہرا سانس لیا۔ اور ابوجعفر سے فرمایا ''تم سے ایک کام ہے اس پل کے مالک کے پاس جاؤ اور کہو کہ بخاری کے تیر سے میخ پھٹ گئی ہے۔'' دو باتوں میں سے ایک کرو یا تو اجازت دو ہم اس کی میخ بدل دیں یا اس کی قیمت لے لو اور غلطی معاف کرو۔ اس پل کے مالک حمید بن اخضر تھے میں نے جا کر امام بخاری کا پیغام انہیں پہنچایا تو حمید نے کہا کہ امام بخاری سے جا کر میرا سلام کہو اور عرض کرو۔ آپ سے مواخذہ نہیں۔ میرا تمام مال آپ پر قربان۔ میں نے واپس آ کر امام بخاری کو جب ان کا جواب سنایا تو ان کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور فرط مسرت میں اس دن ہم لوگوں کو پانچ سو احادیث سنائیں اور تین سو درہم صدقہ کیے۔

ایک دن امام بخاری حدیث بیان کر رہے تھے ان کے ایک تلمیذ ابومعشر ضریر کو وہ حدیث بہت پسند آئی۔ وہ عالمِ کیف میں ہاتھ اور سر ہلانے لگے۔ ان کی اس حرکت پر امام بخاری مسکرا دیئے پھر بعد میں امام بخاری کو احساس ہوا اور ابومعشر ضریر سے معافی مانگی۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل مجھ سے غیبت پر مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ اس میں اتنے محتاط تھے کہ نقد و جرح میں راویوں کے حالات بیان کرنا ضروری ہے۔ مگر آپ نے اس موقع پر بھی انتہائی احتیاط کی یہاں تک بدرجۂ مجبوری اگر کسی کے کاذب ہونے کو ظاہر کیا ہے تو بطور حکایت مثلاً کذبه فلاں رماه بالكذب فلاں۔

ایک بار جب کہ فربر میں قیام تھا۔ بخارا کے قریب ایک مسافر خانہ کی امام بخاری نے تعمیر شروع کی۔ خدام و معتقدین کو ساتھ لے کر کام شروع کیا کام شروع ہوا تو بہت سے لوگ رضا کارانہ طور پر کام کرنے کے لیے آ گئے۔ انبوہ کثیر جمع ہوگیا۔ امام بخاری خود کام کرتے،

اینٹیں اٹھاتے، دیوار میں لگاتے، ایک خادم نے عرض کیا، آپ رہنے دیں ہم لوگ کافی ہیں، فرمایا یہ تکلیف آخرت میں نفع بخش ہوگی۔ کام کرنے والوں کے لیے امام بخاری نے ایک گائے ذبح کی۔ ہم فربر سے تین روپے کی روٹیاں لائے تھے۔ ایک عوپے کی پانچ من کے حساب سے۔ پندرہ من روٹیاں تھیں۔ آج کل کے حساب سے یہ کل روٹیاں چونتیس کلوگرام سے کچھ تھوڑی سی زائد تھیں۔ ابتداء میں امام بخاری کے ساتھ صرف سو آدمی تھے۔ مگر اب تعداد بہت بڑھ گئی تھی، مگر امام بخاری کی کرامت کہ سب نے آسودہ ہوکر کھایا اور روٹیاں کافی بچ گئیں۔

امام بخاری کی فیاضی کا عالم یہ تھا کہ کبھی کبھی ایک دن میں تین تین سو درہم صدقہ کردیا کرتے۔ مضاربت سے ان کی آمدنی پانسو ماہانہ تھی۔ یہ ساری رقم طلبہ پر صرف کردیتے تھے۔ ایام تحصیل میں اپنے شیخ آدم بن ایاس کے یہاں تھے۔ کھانے پینے کا سامان و نقد سب خرچ ہوگیا گھر سے خرچ آنے میں دیر ہوگئی۔ ان دنوں انہوں نے گھاس کھا کھا کر گزارا کیا کسی سے سوال کیا کرتے قرض بھی نہیں مانگا۔ تین دن یہی حال رہا تیسرے دن ایک اجنبی صاحب آئے جنہیں امام بخاری بھی پہچانتے نہ تھے اور اشرفیوں کی تھیلی نذر کی۔

عبادت و ریاضت: ان سب خوبیوں پر مستزاد یہ کہ بہت ہی زبردست عبادت گزار تھے۔ کثرت سے نوافل پڑھتے۔ شب بیداری کرتے، قرآن مجید کی تلاوت کا اتنا شوق تھا کہ گویا وہ روحانی غذا تھی، رمضان المبارک آجاتا تو تلاوت قرآن تقریباً چوبیس گھنٹے جاری رہتی۔ بعد عشاء تراویح پڑھتے اس میں ہر رکعت میں بیس آیات کی تلاوت کرتے۔ اس طرح پورا قرآن مجید پورا کرتے۔ پھر آدھی رات سے سحر تک دس پارے روز پڑھتے۔ دن میں روزانہ پورا قرآن مجید ختم کرتے۔ افطار کے وقت ختم فرماتے۔ ان کا ارشاد ہے کہ ہر قرآن مجید کے ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔[۱۹]

اس سے ان غیر مقلدین کو ہدایت حاصل کرنی چاہیے جو اپنے آپ کو امام بخاری کا کٹر مقلد ظاہر کرتے ہیں۔ مگر سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ روزانہ ایک ختم قرآن مجید پڑھتے تھے یہ ناجائز و بدعت ہے۔[۲۰] امام اعظم کے اس ختم کو تو

بدعت کہہ دیا۔ امام بخاری کے اس عمل کو کیا کہیں گے کہ وہ روزانہ ایک ختم دس پارے، چار سو آیات کی تلاوت کرتے تھے۔

نیز غیر مقلدین نے آرام پسند کاہل افراد کو اپنے دام میں پھنسانے کے لیے تراویح بجائے بیس کے آٹھ رکعت کردی ہے۔ وہ آئیں اور دیکھیں امام بخاری بھی بیس ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے اس لیے کہ قرآن میں کم از کم چھ ہزار آیتیں ہیں۔ اور آٹھ رکعت میں کل ایک سو ساٹھ آیتیں ہوتی ہیں اس طرح تیس رات میں کل چار ہزار ساٹھ آیتیں ہوئیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ امام بخاری آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے تو لازم آئے گا کہ تراویح میں پورا قرآن ختم نہ کرتے۔ یہ روایت کے خلاف ہونے کے ساتھ خلاف سنت بھی ہے — سنت یہ ہے کہ کم از کم ایک ختم قرآن مجید پڑھا جائے اور احناف کے مسلک پر بلا کسی دغدغے کے درست ہے۔ بیس رکعت میں بحساب فی رکعت بیس آیات چار سو آیتیں ہوئیں اور پندرہ دن میں چھ ہزار۔ اس طرح فی رکعت بیس آیات کے حساب سے قرآن مجید رمضان میں ضرور ختم ہوجاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ امام بخاری پندرہ ہی دن میں تراویح کے اندر ختم قرآن کرلیتے تھے۔ اس لزوم میں کوئی حرج نہیں۔

اس کا امکان ہے کہ پندرہ دن قرآن مجید اور پندرہ دن سورۂ تراویح پڑھتے ہوں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے ھدی الساری مقدمہ فتح الباری میں لکھا۔

اذا کان اول لیلة من رمضان یجتمع الیه اصحابه فیصلی بھم ویقرأنی کل رکعة عشرین آیة و کذالک الی ان یختم القرآن[۲۱]	جب رمضان کی پہلی رات آتی تو ان کے اصحاب ان کے پاس جمع ہوتے یا انہیں پڑھاتے، ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے یہاں تک کہ قرآن ختم کرتے۔

یہ بھی ضروری نہیں کہ صرف ایک ہی قرآن ختم کرتے ہوں ہوسکتا ہے دو قرآن ختم کرتے ہوں۔ اس دوسرے احتمال پر یہ شبہہ وارد ہوتا ہے کہ اگر رمضان انتیس دن کا ہو تو لازم آئے گا کہ کسی دن بیس کے بجائے چالیس آیتیں پڑھی جائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ

باعتبار اغلب اکثر کے بیس آیتوں کو ذکر کیا گیا اور یہ تو اتنا اغلب و اکثر ہے کہ انتیس دن میں صرف ایک دن کا تخلّف ہے۔

عبادت میں استغراق: ایک دفعہ کسی باغ میں امام بخاری کی دعوت تھی۔ ظہر کی نماز کے بعد نفل پڑھنی شروع کی جب نماز سے فارغ ہوئے تو اپنے کرتے کا دامن اٹھایا اور اپنے ایک ساتھی سے کہا! دیکھو تو میرے کرتے کے اندر کچھ ہے؟ انہوں نے دیکھا کہ ایک بھڑ ہے جس نے سولہ سترہ جگہ ڈنک مارا ہے اور یہ سب جگہیں سوج گئی ہیں۔ کسی نے کہا کہ پہلی بار جب اس نے ڈنک مارا تھا تو نماز کیوں نہیں توڑ دی؟ فرمایا میں ایک سورہ پڑھ رہا تھا اسے پوری کیے بغیر نماز توڑنے کو جی نہیں چاہا۔[۳۲]

ادب: ایک دفعہ امام بخاری مسجد میں حدیثیں بیان فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے اپنی ڈاڑھی میں لگے ہوئے تنکے کو نکال کر مسجد کے فرش پر ڈال دیا۔ امام بخاری نے لوگوں کی نظریں بچا کر اس تنکے کو اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لیا۔ لوگوں کے چلے جانے کے بعد اس تنکے کو مسجد کے باہر پھینکا۔ ان لوگوں کے اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے جو اپنے کپڑوں کو گرد سے بچانے کے لیے مسجد کی چٹائیاں جھاڑ کر مسجد کے فرش پر گرا دیتے ہیں۔ عالمگیری میں ہے کہ چٹائی کے گرد و غبار کو جھاڑ کر مسجد کے فرش پر کرنا منع ہے۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسے کوئی اپنے پہنے ہوئے کپڑے سے گندگی پونچھ کر اپنے بند میں مل لے۔ اسے کون پسند کرے گا؟ اصل مسجد فرش ہے اور چٹائی وغیرہ اس کا لباس۔

اعتراف فضل: امام بخاری کے کمال کی معراج یہ ہے کہ ان کے فضائل و مناقب کا اعتراف خود ان کے عہد کے تمام اساطین ملت و ائمہ حدیث و ارباب فضل و کمال نے کیا۔ اور ان کے بارے میں ایسے ایسے عظیم الشان کلمات مدح و ثناء کہتے ہیں جو امام بخاری کی جلالت شان کی دستاویز ہیں اور ان میں صرف تلامذہ اصاغر ہی نہیں بلکہ اساتذہ بھی ہیں اور معاصرین بھی۔ اگر ان تمام کلمات کو جمع کیا جائے تو ہزاروں صفحات ناکافی ہیں۔ علامہ ابن حجر جیسے علم کے بحر ناپید کنار نے یہاں تک لکھ دیا کہ امام بخاری کی عظمت شان میں اتنے کلمات کہے گئے ہیں کہ اگر

ان سب کو جمع کیا جائے تو کاغذ و قلم ختم ہو جائیں گے مگر کلمات ختم نہ ہوں گے اس لیے کہ وہ ایسے بحر تھے جس کا کوئی ساحل نہیں۔

کلمات اساتذہ: ابومصعب احمد بن ابوبکر زہری نے کہا کہ ''محمد بن اسماعیل حدیث کی بصیرت اور حدیث کی سمجھ امام احمد بن حنبل سے زیادہ رکھتے ہیں۔ کسی نے اس پر تعجب کرتے ہوئے کہا آپ حد سے آگے بڑھ گئے تو ابومعصب نے کہا اگر تم مالک کا زمانہ پاتے انہیں اور امام بخاری کو دیکھتے اور پہچانتے تو کہتے دونوں ایک ہی ہیں۔

قتیبہ بن سعید نے کہا! میں فقہاء، زہاد، عباد کے پاس بیٹھا میں نے ان جیسا کسی کو نہیں دیکھا وہ اپنے زمانے مین ایسے تھے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ صہابہ میں۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ''سرزمین خراسان نے بخاری جیسا آج تک پیدا نہیں کیا۔ قتیبہ سے، شراب کے نشہ سے مست کی طلاق کے بارے میں سوال ہوا اتنے میں امام بخاری آ گئے قتیبہ نے امام بخاری کی طرف اشارہ کر کے کہا ''لو یہ احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، علی بن مدینی کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے یہاں بھیج دیا۔ یعنی یہ تنہا ان تینوں ائمہ کے مجموعہ ہیں۔ اسحٰق بن راہویہ ایک مرتبہ مسجد میں منبر پر بیٹھے ہوئے حدیث بیان کرر ہے تھے امام بخاری بھی موجود تھے۔ ایک حدیث پر انہیں امام بخاری نے ٹوک دیا۔ اسحٰق بن راہویہ نے امام بخاری کے قول کو مان لیا اور حاضرین سے فرمایا اے محدثین! اس جوان کو دیکھو! ان سے حدیثیں سیکھو اگر یہ امام حسن بصری کے زمانے میں ہوتے تو وہ بھی حدیث و فقہ کی معرفت میں ان کے محتاج ہوتے۔

علی بن مدینی نے کہا! بخاری نے اپنے مثل کو نہیں دیکھا۔ بخاری جس کی تعریف کر دیں وہ ہمارے نزدیک پسندیدہ ہے۔ حالانکہ علی بن مدینی وہ جلیل محدث ہیں کہ خود امام بخاری نے فرمایا! میں نے علی بن مدینی کے علاوہ کسی کے سامنے اپنے کو چھوٹا نہیں جانا۔ رجاء بن رجاء نے کہا! بخاری کی فضیلت علماء پر ایسی ہی ہے جیسے مردوں کی عورتوں پر۔ وہ اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت ہیں جو زمین پر چلتے ہیں۔

کلمات معاصرین: یہ تو بہت ہوتا ہے کہ شفیق اساتذہ اپنے ہونہار تلامذہ کو نوازتے ہیں۔

مگر ایک معاصر دوسرے معاصر کے فضل و کمال کا بہت کم اعتراف کرتا ہے۔ اپنے اوپر تفوق تسلیم کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ معاصرانہ چشمک مشہور ہے مگر امام بخاری کے فضل و کمال کا یہ زریں ورق ہے کہ ان کے معاصرین نے بھی نہایت صفائی اور تصریح کے ساتھ ان کے فضل و کمال بلکہ اپنے اوپر ان کی برتری کو بھی تسلیم کیا ہے۔

عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی نے کہا! میں نے حرمین، حجاز، شام، عراق کے علماء کو دیکھا مگر امام بخاری جیسا جامع کسی کو نہیں پایا۔ وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ سمجھ والے ہیں۔

ابو الطیب حاتم بن منصور نے کہا! کہ امام بخاری علم کی بصیرت اور عبور میں اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت ہیں ـــ امام ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ نے کہا! آسمان کے نیچے بخاری سے زیادہ حدیث جاننے والا کوئی نہیں۔ امام ترمذی نے کہا! علل و اسانید کا بخاری سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔ امام مسلم نے ان سے مخاطب ہوکر کہا! آپ کے مثل دنیا میں کوئی نہیں۔ پہلے امام مسلم کا قول گزر چکا ۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے پاؤں کو بوسہ دوں۔ استاذ الاستاذین، سید المحدثین، طبیب الحدیث فی علله۔ ابوعمر وخفاف نے کہا! بخاری نے اپنا مثل نہیں دیکھا یہ امام احمد اور اسحٰق وغیرہ سے بیس درجے اعلم بالحدیث ہیں۔ جو ان کی گستاخی کرے اس پر میری طرف سے ہزار لعنت۔

عبداللہ بن حماد آملی نے کہا! میری آرزو ہے کہ میں امام بخاری کے جسم کا ایک بال ہوتا اور جو شرف اس بال کو حاصل ہے مجھے حاصل ہوتا۔ سلیم بن مجاہد نے کہا! میں نے ساٹھ سال سے بخاری سے زیادہ فقیہہ اور پرہیز گار کسی کو نہیں دیکھا۔ موسیٰ بن ہارون جمال بغدادی نے کہا! اگر تمام اہل اسلام اکٹھے ہوکر یہ چاہیں کہ محمد بن اسماعیل جیسا کوئی اور پالیں تو یہ ناممکن ہے۔ رہ گئے تلامذہ اور بعد کے علماء نے کیا کہا؟ اس کا سلسلہ اتنا دراز ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں۔

مشائخ اور ان کے طبقات: امام بخاری کا فضل و کمال یہ بھی کچھ کم نہیں کہ انہوں نے علم حدیث کی تحصیل میں اس کا لحاظ نہیں کیا کہ ہم جس سے حدیث حاصل کررہے ہیں یہ ہم سے بڑا ہے کہ برابر ہے کہ چھوٹا۔ انسان کے دماغ میں جب پندار کا غرور پیدا ہوجاتا ہے تو اپنے

چھوٹے تو چھوٹے ہیں برابر تو برابر ہیں اپنے بڑوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا ہے۔ جاہل رہنا پسند کرتا ہے۔ جہل مرکب میں گرفتار رہنا قبول کرتا ہے مگر دوسرے سے کچھ پوچھنا اپنی کسر شان سمجھتا ہے۔ یہ پندار انسان کو علم سے محروم رکھتا ہے۔ کبھی بے جا حیا آڑے آتی ہے مگر امام بخاری ان دونوں عیبوں سے پاک تھے۔ اس حدیث الکلمة الحکمة ضالة المومن حیث ماوجد ھا نھوا حق بھا۔[۲۳] علم مومن کی گمشدہ دولت ہے جہاں بھی پائے وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ کے سچے عامل تھے اسی لیے ان کے اساتذہ کی فہرست میں جہاں اس وقت کے مسلم الثبوت مشائخ محدثین ہیں وہیں ان کے معاصرین و تلامذہ بھی ہیں۔ ان کے اساتذہ پانچ طبقات کے ہیں جن کی تعداد ایک ہزار اسی ہے۔

طبقۂ اولیٰ: وہ مشائخ جو ثقات تابعین سے روایت کرتے ہیں جیسے محمد بن عبداللہ انصاری مکی بن ابراہیم ابوعاصم، انیس عبید الدین موسیٰ اسماعیل بن ابی خالد اور نُعیم صاحب حِلیہ وغیرہ۔

طبقۂ ثانیہ: وہ مشائخ جو طبقۂ اولیٰ کے معاصرین ہیں مگر وہ ثقات تابعین سے روایت نہیں کرتے جیسے آدم بن ابی ایاس، ابومسہر، سعید بن ابی ریم اور ایوب بن سلیمان وغیرہ۔

طبقۂ ثالثہ: وہ مشائخ جو کبار تبع تابعین سے روایت کرتے ہیں جیسے سلمان بن حرب، قتیبہ بن سعید، نعیم بن حماد، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل وغیرہ۔

طبقۂ رابعہ: امام بخاری کے درس کے رفقاء جنہوں نے امام بخاری سے پہلے علم حدیث کی تحصیل شروع کی تھی جیسے ابو حاتم مازی، محمد بن عبدالرحیم، حمید بن حمید، احمد بن نضر، محمد بن یحییٰ ذہلی وغیرہ۔ امام بخاری نے اس وقت ان لوگوں سے روایت کی جب ان کے مشائخ وصال پاگئے اور جو احادیث ان کے پاس تھیں وہ کسی اور کے پاس نہ تھیں۔

طبقۂ خامسہ: اس طبقے میں وہ محدثین ہیں جو امام بخاری کے تلامذہ تھے۔ جیسے عبداللہ بن حماد آملی، عبداللہ بن عباس خوارزمی اور حسین بن محمد قبانی۔

تلامذہ: اس زمانے میں حرمین طیبین کے سوا کوفہ، بصرہ، بغداد، نیشاپور، سمرقند، بخارا علومِ دینیہ کے اہم مراکز تھے۔ ان شہروں میں امام بخاری بار بار گئے۔ بے شمار لوگوں کو حدیث پڑھائیں

اور یہ سلسلہ ابتدائی ہی سے شروع ہوگیا تھا۔ جہاں جاتے لوگوں کو حدیث پڑھاتے اور ساتھ ہی ساتھ علمِ حدیث کی تحصیل بھی کرتے۔ کبھی کبھی ہزار ہا ہزار کے مجمع میں حدیث اِملا کراتے۔ محمد بن صالح نے کہا! میں نے بغداد میں ان کی حدیثیں لکھنے والوں کا مجمع بیس ہزار تک دیکھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے تلامذہ بخارا سے لے کر حجاز، شام، مصر تک پھیل گئے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا کہ جن لوگوں نے ان سے صحیح بخاری سنی ان کی تعداد نوے ہزار ہے۔[۲۴] یہ صحیح بخاری کا حال ہے۔ اس کے علاوہ امام بخاری سے حادیث اخذ کرنے والوں کی کیا تعداد ہے؟ یہ آج کون شمار کرسکتا ہے۔ جب کہ اس عہد میں گنتی نہ ہوسکی۔

نیشا پور کا فتنہ: جب ۲۵۰ھ میں بغداد سے امام بخاری نیشا پور آئے۔ اہلِ نیشا پور کو جب ان کی آمد کی خبر معلوم ہوئی تو انہوں نے دو تین منزل آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ عوام و خواص، علماء وصلحا رؤسا سبھی تھے۔ اور اس شان سے نیشا پور آئے کہ اس وقت تک اس شان و شوکت کا استقبال نیشا پور میں نہ کسی عالم کا ہوا تھا نہ کسی حاکم کا۔ یہ امام مسلم کا بیان ہے۔ اس وقت نیشا پور میں محمد بن یحیی ذہلی مشہور محدث عوام وخواص کے مرجع اعظم تھے یہ بھی استقبال کرنے والوں میں تھے۔ بلکہ لوگوں کو اس کی ترغیب بھی دی۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کل میں خود ان کے استقبال کو چلوں گا جس کا جی چاہے چلے۔ نیشا پور میں آکر امام بخاری نے دارالبخارین میں قیام کیا۔ امام ذہلی نے لوگوں کو تنبیہہ کردی تھی کہ امام بخاری سے علم کلام کا کوئی مسئلہ نہ پوچھنا۔ خدانخواستہ اگر وہ ہمارے مسلمات کی خلاف کوئی بات کہہ دیں گے تو ہمارے اور ان کے درمیان اختلاف ہوجائے گا۔ جس پر خراسان کے رافضی ناصبی، جہمی، مرجی ہنسیں گے۔

امام بخاری نے جب احادیث کا درس دینا شروع کیا تو لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ اتنی بھیڑ ہونے لگی کہ دار ہی نہیں بام و در بھر گئے۔ دوسری درسگاہیں خالی ہوگئیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ معتزلہ نے خلق قرآن کا مسئلہ پوری دنیائے اسلام میں پھیلا رکھا تھا۔ اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ عزوجل کا کلام ہے جس طرح اس کی ساری صفات قدیم غیر مخلوق ہیں اسی طرح قرآن بھی قدیم وغیر مخلوق ہے۔ اس کے برخلاف معتزلہ کا عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔

یہ اختلاف بغداد میں اٹھا اور پورے بلاد اسلامیہ میں پھیل گیا۔ اس سلسلے میں متشدد حنابلہ یہاں تک آگے بڑھ گئے کہ ہماری قرأت کو بھی غیر مخلوق کہنے لگے۔ یہ مسئلہ خواص سے بڑھ کر عوام میں بھی پھیل چکا تھا۔ معتزلی وغیر معتزلی کی علامت بن چکا تھا۔

ابھی نیشا پور میں امام بخاری کو درس حدیث دیتے ہوئے دو تین دن ہی گزرے تھے کہ کسی نے بھری مجلس میں ان سے سوال کردیا:

قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟

امام بخاری نے اس سے منہ پھیر لیا۔ کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے تین بار پوچھا۔ ہر بار امام بخاری نے منہ پھیر لیا اور کوئی جواب نہیں دیا۔ جب اس شخص نے بہت الحاح کی ساتھ اصرار کیا تو امام بخاری نے یہ جواب دیا۔ "قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے اور بندوں کے افعال مخلوق ہیں اور امتحان بدعت ہے۔"

اس پر اس شخص نے فساد مچا دیا اور یہ کہا کہ امام بخاری نے یہ کہا ہے کہ لفظی بالقرآن مخلوق — اس پر ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔ کچھ لوگ یہ کہنے لگے کہ انہوں نے یہ کہا ہے اور کچھ یہ کہتے کہ نہیں کہا ہے۔ یہاں تک کہ آپس میں مار پیٹ کی نوبت آ گئی گھر والوں نے بیچ بچاؤ کر کے مجموع کو ہٹایا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ نیشا پور کے بعض مشائخ نے جب دیکھا کہ امام بخاری کے آتے ہی ہماری مجلسیں اجڑ گئیں تو انہوں نے اس سائل کو سِکھا کر بھیجا تھا چونکہ ذہلی ان بزرگوں میں سے تھے جو ہماری تلاوت کو بھی غیر مخلوق مانتے تھے۔ اس لیے انہوں نے یہ اعلان کردیا "جو شخص لفظی بالقرآن غیر مخلوق کہتا ہے وہ بدعتی ہے۔ اس سے میل جول، سَلام، کلام بند کردیا جائے۔ اب جو محمد بن اسماعیل کے یہاں جائے اسے متہم جانو۔ کیونکہ ان کی مجلس میں وہی جائے گا جو ان کے مذہب پر ہوگا۔ امام بخاری لاکھ کہتے رہے کہ میں نے یہ نہیں کہا مگر اب ان کی یہ بات سننے والا کون تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امام مسلم اور احمد بن مسلمہ کے سوا تمام لوگوں نے امام بخاری کے یہاں جانا چھوڑ دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ذہلی نے یہ کہا کہ جو یہ کہے

کہ ہماری مجلس میں نہ آئے۔ امام مسلم موجود تھے فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے ان کے ساتھ احمد بن مسلمہ بھی چلے آئے۔ امام مسلم نے وہاں سے آتے ہی ذہلی سے جتنی احادیث لکھی تھی سب اونٹ پر لاد کر واپس کردی۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں، ذہلی کی کوئی روایت نہیں لی ہے۔ اس کی وجہ یہی ناراضگی بتائی جاتی ہے۔ مگر حیرت اس پر ہے کہ اس کے بالمقابل انہوں نے امام بخاری کی بھی کوئی روایت نہیں لی ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب امام مسلم اور احمد بن مسلمہ ذہلی کی مجلس سے چلے آئے تو ذہلی نے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ شخص (بخاری) میرے ساتھ شہر میں نہیں رہے گا۔ اس کے بعد "احمد بن مسلمہ" امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہا! یہ شخص یعنی ذہلی پورے خراسان خاص کر اس شہر میں مقبول ہے، ہم میں سے کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس سے اس معاملہ میں بات کرسکے آپ نے کیا سوچا ہے؟ یہ سن کر امام بخاری نے اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لی اور کہا:

وافوض امری الی اللّٰہ ان اللّٰہ بصیرٌ بالعباد اللّٰھم اِنک تعلم انی لماردالمقام بنیسا بوراً شراً ولا بطراً ولا طلباً للریاسة[۲۵]	میں اپنے معاملہ کو اللہ عزوجل کے سپرد کرتا ہوں جو بندوں کو دیکھتا ہے۔ اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے نیشاپور میں قیام کا ارادہ اپنی بڑائی و بزرگی ظاہر کرنے اور ریاست حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا۔

ذہلی نے حسد کی وجہ سے ایسا کیا ہے اب میں اپنے وطن چلا جاؤں گا۔ اے احمد! میں کل صبح ہی کو کوچ کردوں گا۔

بخارا کو واپسی: نیشاپور سے امام بخاری اپنے وطن کی طرف چلے۔ جب بخارا والوں کو معلوم ہوا تو مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ تین میل دور تک شامیانے، خیمے نصب کیے گئے۔ تمام شہر والے استقبال کو نکلے اور امام بخاری پر روپیوں، موتیوں کو نچھاور کرتے ہوئے بخارا لائے۔

اپنے وطن آکر امام پورے اطمینان وسکون کے ساتھ درس حدیث دینے لگے۔ تشنگانِ علم حدیث ہر چہار طرف سے ٹوٹ پڑے۔ چھ سال تک امام بخاری کا فیضان جاری رہا۔ مگر

حاسدین نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ اس وقت حکومت عباسیہ کی طرف سے بخارا کا والی خالد بن احمد ذہلی تھا۔ اس کو امام بخاری سے برگشتہ کرنے کے لیے حاسدین نے یہ کہا کہ آپ امام بخاری سے کہیے کہ وہ آپ کے صاحبزادوں کو آپ کے محل میں آ کر اپنی جامع اور تاریخ پڑھا دیں۔ خالد نے امام بخاری کے پاس یہ پیغام بھیجا۔ امام بخاری نے جواب دیا کہ یہ علم حدیث ہے۔ میں اسے ذلیل نہیں کروں گا۔ اگر آپ کو خواہش ہے کہ آپ کے بچے مجھ سے پڑھیں تو اپنے بچوں کو میری مجلس میں بھیج دیں۔ تا کہ دوسرے طلبہ کے ساتھ وہ بھی پڑھیں۔ خالد نے کہلایا کہ اگر آپ میرے محل میں نہیں آ سکتے تو میں اپنے بچوں کو آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا مگر جب یہ پڑھنے حاضر ہوں تو ان کے ساتھ کوئی دوسرا نہ ہو۔ ان کو تنہا پڑھائیں۔ میرے فرستادے چوبدار دروازے پر متعین رہیں گے کسی کو اس وقت اندر نہ جانے دیں گے۔ امام بخاری نے اسے بھی پسند نہ فرمایا۔ کہلا دیا کہ علم میراثِ رسول ہے۔ اس پر ہر امتی کا حق برابر ہے میں کسی کی تخصیص نہیں کروں گا۔ اس سے وہ امام بخاری پر غضبناک ہو گیا۔

دوسری روایت بکر بن شیبہ کی یہ ہے کہ والی بخارا خالد نے خود خواہش ظاہر کی تھی کہ میں آپ کی جامع اور تاریخ آپ سے سننا چاہتا ہوں۔ آپ میرے محل میں آ کر مجھے سنا دیا کریں۔ امام بخاری نے جواب میں کہلا دیا کہ میں علم کو ذلیل کر کے سلاطین کے دروازوں پر نہیں لے جا سکتا جس کو شوق ہے وہ میرے گھر یا میری مسجد میں حاضر ہو کر سن لے۔ اور اگر یہ پسند نہ ہو تو، تو سلطان ہے مجھے درس دینے سے روک دے تا کہ قیامت کے روز اللہ عزوجل کے حضور میرے لیے عذر ہو کہ میں نے اپنی خوشی سے علم کو نہیں چھپایا ہے۔ اس جواب پر وہ بوکھلا گیا۔

اس نے رائے عامہ سے امام بخاری کو پھیرنے کے لیے بخارا کے چند افراد کو جن میں حریث بن ابوالورقاء کا نام خاص طریقے سے مشہور ہے آمادہ کیا کہ وہ اختلافی مسائل پر امام بخاری سے گفتگو کریں۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور اسے عوام میں پھیلانا شروع کیا۔ جس سے شورش اٹھ کھڑی ہوئی۔ مشہور ہے کہ کسی نے امام بخاری سے پوچھا کہ اگر ایک لڑکا اور ایک لڑکی کسی بکری کا دودھ ایام رضاعت میں پی لیں تو حرمت رضاعت ثابت ہو گی یا نہیں؟ امام بخاری

نے فرمایا کہ ہاں ثابت ہو جائے گی۔ انہیں ایام میں نیشاپور کے محمد بن یحیی ذہلی کا بھی خالد کے پاس خط آ گیا کہ امام بخاری کا عقیدہ یہ ہے۔ لفظی بالقرآن مخلوق۔ اس نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ امام بخاری کے خلاف ایک محضر نامہ تیار ہوا جس پر بخارا کے علماء کے دستخط ہوئے۔ جب امام بخاری کے خلاف رائے عامہ ہوگئی اور محضر نامہ بھی تیار ہو گیا تو اس نے ان کو حکم دیا کہ بخارا سے نکل جائیں۔ جلاوطنی کا حکم سننے کے بعد امام بخاری اتنے کبیدہ خاطر ہوئے کہ شکستہ قلب وجگر سے اپنے ان مخالفین کے لیے یہ بددعاء کی۔

اللّٰھم أرھم ماقصدونی بہ فی انفسھم واولادھم واھالیھم۔[۲۶]

اے اللہ! جیسے انہوں نے مجھے بے عزت کیا ہے ویسے ہی ان لوگوں کو اپنی ذات اپنی اولاد اپنی اہل کی بے عزتی دکھا۔

درِحق سے اجابت نے امام بخاری کی دعاء کا استقبال کیا اور ایک مہینہ بھی نہیں گزرا کہ خالد اور اس شازش کے شرکاء اس اک نشانہ بنے۔ خالد کے بارے میں دارالسلطنت بغداد سے سلطانِ وقت کا حکم پہنچا کہ اسے معزول کیا گیا۔ اسے گدھی پر بٹھا کے شہر میں گھمایا جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ بدکار کی یہ سزا ہے۔ اس سزا کے بعد وہ پابجولاں بغداد بھیجا گیا وہیں جیل میں بند رہا اسی میں مرا۔ حریث بن درقاء کے اہل کے بارے میں وہ بات مشہور ہوئی جو نا قابل ذکر ہے۔ اور دوسرے لوگوں کی اولاد پر وہ بلائیں آئیں جنہیں سن کر روح کانپ جاتی ہے ۔

دیدی کہ خون نا حق پروانہ شمع را چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

وفات: امام بخاری جلاوطنی کا حکم سننے کے بعد بخارا سے نکلے۔ جب سمرقند والوں کو معلوم ہوا کہ امام بخاری وطن چھوڑ رہے ہیں تو انہوں نے خط لکھ کر درخواست کی کہ ہمارے یہاں تشریف لاکر ہمیں عزت بخشیں۔ امام بخاری نے سمرقند کا رخ کیا۔ جب سمرقند کے قریب ایک موضع خرتنگ پہنچے تو اطلاع ملی کہ سمرقند میں بھی ان کے بارے میں اختلاف ہو گیا ہے۔ خرتنگ میں امام بخاری کے کچھ رشتہ دار بھی تھے۔ آپ نے وہیں عارضی طور پر اس وقت کے لیے قیام فرمانے کا ارادہ کر لیا جب تک باشندگان سمرقند کوئی اخیر فیصلہ نہ کر لیں۔

پیہم حوادث وشورش نے امام بخاری کے صبر کا پیمانہ لبریز کردیا۔ دنیا سے اکتا گئے۔ ایک رات تہجد کی نماز کے بعد سوز قلب سے یہ دعاء کی:

اللّٰھم قد ضاقت علی الارض بما رحبت فاقبضنی الیک۔[۲۷]	اے اللہ! زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئی ہے۔ مجھے اپنی طرف اٹھالے۔

چند دن کے بعد بیمار پڑ گئے۔ اسی اثناء میں سمرقند سے قاصد آیا کہ آپ سمرقند تشریف لائیں۔ امام بخاری سمرقند جانے کے لیے آمادہ ہوگئے۔ مگر سمرقند کے قاصد کے ساتھ ساتھ پیک اجل بھی آرہا تھا۔ سمرقند جانے کے لیے اٹھے، موزے پہنے، عمامہ باندھا۔ آپ کے میزبان غالب بن جبریل بازو پکڑ کر سواری تک لے چلے بمشکل بیس قدم چلے ہوں گے کہ فرمایا مجھے چھوڑ دو مجھ پر ضعف طاری ہوگیا ہے۔ غالب کا بیان ہے ہم نے چھوڑ دیا۔ کچھ دعائیں پڑھیں اور لیٹ گئے۔ لیٹتے ہی روح جوار قدس میں پرواز کر گئی۔ وصال کے بعد جسم اقدس سے پسینہ نکلنا شروع ہوا اتنا نکلا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ کفن پہناتے وقت تک نکلتا رہا۔ وصیت فرمائی تھی کہ مجھے تین کپڑوں میں کفن دینا جن میں نہ کرتا ہو یعنی سلا ہوا نہ عمامہ۔ اسی کے مطابق عمل ہوا تیرہ دن کم باسٹھ سال کی عمر میں ہفتہ کے دن یکم شوال کی رات میں وصال ہوا۔ عید الفطر کے دن بعد نماز ظہر اس گنجینہ کرامت کو ہم نے دفن کیا۔

مزار پاک: دفن کے بعد قبر اطہر سے مشک کی خوشبو اٹھتی تھی۔ لوگ دور، دور سے آکر مزار پاک کی مٹی لے جانے لگے جس سے گڑھا ہوگیا۔[۲۸] عقیدت مندوں نے لکڑی کا احاطہ بنا دیا پھر لوگ احاطے کے باہر کی مٹی لے جانے لگے۔ اس ظاہر و باہر کرامت کے بعد بہت سے مخالفین مزار اقدس پر آئے اظہار ندامت اور توبہ کیا۔[۲۹]

امام بخاری کی وفات کے ایک سال بعد سمرقند میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے بار بار نماز استسقاء پڑھی، دعائیں مانگی، مگر بارش نہ ہوئی۔ بالآخر ایک مرد باخدا نے سمرقند کے قاضی سے جاکر کہا! تم شہر والوں کو لے کر امام بخاری کے مزار پر حاضر ہو۔ وہاں دعا مانگو امید ہے کہ اللہ عزوجل تمہاری دعا قبول فرمائے گا۔ قاضی شہر باشندگان سمرقند کو لے کر امام بخاری کے مزار

پاک پر حاضر ہوئے۔[۳۰] لوگوں نے نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ رو رو کر بارش کے لیے دعائیں کیں۔ امام بخاری سے درخواست کی کہ دعاء کے قبول کرنے کی سفارش کر دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ ابھی دعاء کر ہی رہے تھے کہ فضا پر بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ مسلسل لگاتار سات دن تک ایسی بارش ہوئی کہ ان لوگوں کو اپنے گھر سمرقند جانا ممکن نہ ہوا۔[۳۱]

اسی کو حدیث میں فرمایا:

لن تخلوا الارض من ثلثین مثل ابراھیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام سے خُو بُو بھم تغاثون وبھم ترزقون وبھم تمطرون۔[۳۲] میں مشابہت رکھنے والے تیس شخص زمین پر ضرور رہیں گے انہیں کی بدولت تمہاری فریادسنی جائے گی اور انہیں کے سبب رزق پاؤ گے اور انہیں کی برکت سے بارش دیئے جاؤ گے۔

لِلّٰہِ قوم اذا حَلّوا بمنزلۃٍ حل الرضا ویسیرالجودان ساروا

امام بخاری کی تاریخ ولادت (صدق) ۱۹۴ ہے اور تاریخ وفات (نور) ۲۵۶ اور مدت عمر کی تاریخ حمید ۶۲ ہے۔ کسی نے ان سب پر جامع ایک رباعی کہی ہے۔

کان البخاری حافظا ومحدثا جمع الصحیح مکمل التحریر
میلادہ صدق ومدہ عمرۃ فیھا حمید وانقضیٰ فی نور

اسی قسم کی جامع تاریخ کسی نے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی نکالی ہے۔

ان باز اللہ اشھب جاء فی عشق (۴۷۰) ومات فی کمال (۹۱)

عشق تاریخ ولادت، کمال مدت عمر، اور دونوں کا مجموعہ ''کمال عشق'' ۵۶۱ تاریخ وصال۔

بارگاہ رسالت میں مقبولیت: محبوب خدا کی محبت ایمان کی جان ہے۔ امام بخاری کو محبوب رب العالمین سے جو محبت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک لمحہ ان کے ارشادات ان کے افعال ان کے احوال ان کے حلیۂ جمال کے ایک ایک نقش ونگار کی تلاش

اور جمع اور پھر اسے پوری دنیا میں پھیلانے کی سعی پیہم میں گزرا۔ اس کے لیے انہوں نے وطن سے دوری و احباب سے مفارقت سفر کی صعوبتیں، حریفوں کے تلخ و ترش سب کچھ انتہائی خندہ پیشانی سے برداشت کیا یہ سب اسیر محبت کے سوا اور کسی کے بس کی بات ہے؟

امام بخاری کے پاس حضور اقدس ﷺ کے کچھ موئے مبارک تھے جسے وہ اپنے ملبوسات میں رکھے رہتے۔ جب امام بخاری کا یہ حال تھا تو رحمۃ للعالمین کی عنایتیں کرم فرمائیاں تو سب پر عام ہیں۔ امام بخاری پر کیوں نہ ہوتیں۔ وراق کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے خواب دیکھا کہ امام الانبیاء کہیں جارہے ہیں۔ پیچھے امام بخاری بھی ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے قدم مبارک اٹھانے کے بعد وہیں امام بخاری بھی قدم رکھتے ہیں جہاں سے قدم مبارک اٹھا ہے۔

امام بخاری کے مشہور تلمیذ کا بیان ہے میں نے خواب دیکھا کہ میں کہیں جارہا ہوں ناگہاں حضور اقدس ﷺ تشریف لائے۔ پوچھا کہاں جارہے ہو؟ عرض کیا محمد بن اسماعیل کے یہاں۔ فرمایا! جاؤ ان سے میرا اسلام کہنا۔

عبدالواحد بن آدم طوادیسی نے بیان کیا۔ میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ صحابۂ کرام کے ساتھ ایک جگہ کھڑے ہیں۔ جیسے کسی کا انتظار ہے۔ میں نے دریافت کیا حضور کس کا انتظار ہے؟ فرمایا بخاری کا۔ طواویسی کہتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد خبر ملی کہ امام بخاری کا وصال ہوگیا۔ مجھے تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ جس رات زیارت اقدس سے مشرف ہوا تھا وہی رات امام بخاری کے وصال کی تھی۔ جس کا استقبال شہنشاہ کونین اپنے صحابہ کے ساتھ عالم بالا میں کریں اس کی عظمتوں کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔[۳۳]

فقہی مذہب: امام عبدالوہاب تقی الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں امام بخاری کو ذکر کیا ہے اس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ شافعی تھے۔ ان کی کتاب بھی اس کی ایک طرح تائید کرتی ہے۔ کیونکہ اس کی اکثر احادیث امام شافعی کے مذہب کی موید ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

ابوعاصم عبادی نے امام بخاری کو اپنی کتاب الطبقات میں ذکر کیا۔ اور لکھا ہے کہ امام بخاری نے زعفرانی، ابوثور اور کرابیسی سے حدیث سنی ہے علامہ سبکی نے اضافہ کیا کہ مکے میں

حمیدی سے شافعی فقہ حاصل کیا۔ یہ چاروں حضرات امام شافعی کے اصحاب میں سے ہیں۔[۳۴]

امام بخاری، امام شافعی سے اپنی صحیح میں البتہ روایت نہیں کرتے اس لیے کہ امام شافعی کا ادھیڑ عمر میں وصال ہوگیا۔ امام بخاری کی ملاقات امام شافعی کے ہمعصروں سے ہوگئی تھی ان سے حدیثیں لیں اور روایت کیں۔ اگر امام شافعی سے روایت کرتے تو لامحالہ امام شافعی اور امام بخاری کے مابین ایک راوی کا اضافہ ہوجاتا۔ اور سند بڑھ جاتی جس سے تنزل ہوجاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سند میں جتنا کم واسطہ ہو اتنی ہی سند عالی ہوتی ہے اور وہ قابل لحاظ ہے۔[۳۵]

اور یہی رائے حضرت علامہ شہاب الدین احمد خطیب قسطلانی کی ہے۔[۳۶] ان دونوں کی بنیاد ابو عاصم عبادی کے اوپر ہے۔ یہ امام بخاری سے بہت قریب ہیں۔ امام بخاری کے سو سال کے بعد ان کی پیدائش ۳۵۷ھ میں ہوئی ہے۔ اس لیے اس سلسلے میں ابو عاصم کی رائے بعد والوں کے بہ نسبت زیادہ وزنی ہے۔

نواب صدیق حسن بھوپالی ابجد العلوم میں لکھتے ہیں:

ونذکر بعد ذلک نبذ امن ائمۃ الشافعیۃ اس کے بعد ہم کچھ ائمہ شوافع کا ذکر کرتے وھولاء صنفان احدھما من تشرف ہیں۔ یہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جنہوں نے امام صحبۃ الامام الشافعی والآخر من تلاھم شافعی کی صحبت پائی دوسرے وہ جو ان کے بعد من الائمۃ۔ اما الاول فنھم احمد الخلال، آئے پہلی قسم میں احمد بن خلال، ابو جعفر ابو جعفر البغدادی، واما الصنف الثانی بغدادی ہیں۔ اور دوسری قسم میں محمد بن ادریس فمنھم محمد بن ادریس، ابوحاتم ابوحاتم رازی، محمد بن اسماعیل بخاری، محمد بن الرازی، محمد بن اسماعیل البخاری و حکیم ترمذی ہیں۔
محمد بن الحکیم الترمذی۔[۳۷]

لیکن امام بخاری جہاں اکثر احادیث امام شافعی کے مذہب کے موافق لائے ہیں وہیں بہت سے مسائل میں ان سے اختلاف بھی کیا ہے۔ اس کے برخلاف ابوالحسن بن العراقی نے کہا کہ یہ حنبلی تھے۔ امام بخاری نے خود بیان کیا میں آٹھ بار بغداد گیا اور ہر بار امام احمد کے پاس

بیٹھا۔ آخری بار جب میں رخصت ہونے لگا تو فرمایا: اے ابوعبداللہ! علم اور قدرداں لوگوں کو چھوڑ رہے ہو اور خراسان جا رہے ہو۔ جب بخارا سے جلاوطن ہوئے تو نہایت حسرت سے فرماتے اب امام احمد کا قول یاد آ رہا ہے۔

ابو عاصم کی دلیل گزر چکی کہ انہوں نے اس بناء پر امام بخاری کو شافعی کہا کہ انہوں نے امام شافعی کے تلامذہ سے اخذ علوم کیے۔ حتی کہ فقہ شافعی بھی ان کے تلمیذ حمیدی سے پڑھی۔ اور ابوالحسن بن العراقی نے بھی امام احمد سے تلمذ کی بناء پر ان کو حنبلی کہا۔

ظاہر ہے کہ محض تلمذ کی بنا پر کسی کو استاذ کا مقلد ہونے کا دعویٰ درست نہیں۔ ان کی کتاب نظر کے سامنے ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مذہبانہ شافعی ہیں۔ اور نہ حنبلی۔ بلکہ سب سے الگ ان کا ایک مذہب ہے۔ اس لیے ہم علامہ ابن عابدین شامی اور اپنے دیگر اکابر کی اس رائے سے متفق ہیں کہ وہ مجتہد مطلق تھے۔

علامہ شافعی نے ''عقود اللآ نی فی مسند العوالی'' میں امام بخاری کے مجتہد ہونے کی تصریح کی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے صاحبزادے حضرت شیخ نور الحق محدث جلیل نے تیسر القاری میں بھی اس کا اشارہ دیا ہے فرماتے ہیں:

گفتہ اند کہ دی درزمان خود در حفظ احادیث و اتقان آں وفہم معانی کتاب وسنت وجدت ذہن وجودت بحث ووفور فقہ وکمال زہد وغایت ورع وکثرت ابلاغ برطرق حدیث وعلل آں وقت نظر وقوت اجتہاد واستنباط فروع از اصول نظیر نداشت علامہ بخاری کا بھی یہی مختار ہے۔[۳۸]

صحیح البخاری

امام بخاری کی یہ کتاب اگرچہ 'بخاری' سے مشہور ہے مگر امام بخاری نے اس کا نام یہ رکھا تھا۔

''الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و سنۃ و ایامہ''

ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ ''جامع'' حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ان آٹھ موضوع پر احادیث ہوں۔ ایمان، احکام، سیر، تفسیر، اداب، مناقب، فتن، اشراط الساعۃ۔

اسلامی تصنیفات میں اللہ عزوجل نے جو مقبولیت ''صحیح بخاری'' کو عطا فرمائی وہ کسی تصنیف کو آج تک نہ حاصل ہوسکی۔ بلکہ خود امام بخاری کی دوسری تصنیفات کو بھی نہ حاصل ہوئی۔ جن کی تعداد بیں ہے۔ شرقاً غرباً تمام ممالک اسلامیہ میں اس کا سِکّہ بیٹھا ہوا ہے۔

وجہ تصنیف: ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ تابعین کے اخیر دور میں باقاعدہ مرتب مبوب احادیث کی کتابیں تصنیف ہونی شروع ہوگئی تھیں۔ تبع تابعین میں یہ کام اور زیادہ ترقی کر گیا۔ امام اعظم ابوحنیفہ کی کتاب الاثار، امام مالک کی مؤطا، جامع سفیان ثوری، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، عبداللہ بن مبارک کی کتاب، وکیع کی کتاب، امام شافعی کی کتاب، مسند امام بن حنبل وغیرہ۔

مگر اب تک جتنی کتابیں لکھی گئیں کسی میں یہ التزام نہیں تھا کہ صرف صحیح احادیث ہی لکھی جائیں۔ مصنفین نے ہر قسم کی احادیث جمع کردی تھیں۔ اس کی شدید ضرورت تھی کہ کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جس میں مصنف صرف انہیں حدیثوں کو جگہ دے جو صحیح ہوں۔

اس ضرورت کا احساس امام بخاری کے استاذ، اسحاق بن راہویہ کو ہوا۔ انہوں نے ایک دن اپنے تلامذہ سے فرمایا اگر تم لوگوں سے ہوسکے تو کوئی ایسی کتاب مختصر لکھ دو جس میں صرف صحیح احادیث ہی ہوں۔ اس وقت امام بخاری بھی اس مجلس میں حاضر تھے۔ ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اسی وقت طے کرلیا کہ میں ایسی کتاب لکھوں گا۔

اس کے علاوہ اس کا باعث امام بخاری کا ایک خواب بھی ہے۔ انہوں نے خود بیان کیا ہے کہ میں نے خواب میں حضور اقدس ﷺ کو دیکھا۔ میں خدمت اقدس میں کھڑا ہوں میرے ہاتھ میں پنکھا ہے اور میں حضور اقدس ﷺ کے جسم اقدس سے مکھیاں ہانک رہا ہوں۔ کسی معبر

سے تعبیر پوچھی تو اس نے تعبیر دی کہ آپ حضور اقدس ﷺ کی ذات سے جھوٹ دفع کریں گے۔ اس خواب نے مجھے اس پر ابھارا کہ ایک جامع صحیح لکھوں۔

تصنیف کی غرض: احادیث صحیحہ کا جمع۔ اپنے عقائد و معمولات کا بیان اور ان پر حتی الوسع احادیث سے استدلال۔ عقائد اعمال میں اپنے مخالفین کا رد پہلا مقصد بالکل ظاہر ہے۔ دوسرا اور تیسرا مقصد احادیث کے ابواب سے ظاہر ہے اور امام بخاری کے کلمات سے بھی جو انہوں نے جگہ جگہ ارشاد فرمائے ہیں۔ کتنے ابواب ایسے ہیں جن کی تائید میں کوئی حدیث نہیں لا سکے۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام بخاری پہلے باب قائم کرتے ہیں پھر اس کے مطابق حدیث تلاش کرتے ہیں اگر مل جاتی ہے تو لکھ لیتے ہیں نہیں ملتی تو بھی باب جوں کا توں چھوڑ دیا ہے۔ شاید اس امید پر کہ اگر کوئی حدیث مل جائے گی تو بعد میں یہاں درج کر دیں گے لیکن اخیر عمر تک نہیں ملی تو باب یوں ہی رہ گیا۔

ہمارے بتائے ہوئے تیسرے مقصد پر سیکڑوں ابواب شاہد ہیں۔ خصوصیت سے کتاب الایمان کے ابواب اور کتاب الحیل پوری کی پوری۔ آپ غور کریں ابتدا ہی میں عمل کے گھٹنے، بڑھنے پر اور یہ کہ ایمان قول بھی ہے اور عمل بھی۔ بھرپور زور صرف فرمایا دیا چونکہ اس مضمون کی کوئی حدیث نہیں تھی تو اقوالِ صحابہ و تابعین سے اس کو ثابت کرنے میں اپنی دانست میں کوئی کمی اٹھا نہیں رکھی۔ مگر اس کے بعد بھی انہوں نے اس سے متعلق دسیوں باب باندھے ہیں۔ مثلاً قیام لیلة القدر من الایمان، الجهاد من الایمان، تطوع قیام رمضان من الایمان، صوم رمضان احتسابا من الایمان، الصلوة من الایمان، زیادة الایمان و نقصه، الزکوٰة من الاسلام، اتباع الجنائز من الایمان، اداء الخمس من الایمان، باب ماجاء ان الاعمال بالنیة والحسبة ولکل امر مانویٰ ندخل فیه الایمان والموضوء والصلوٰة والحج والصوم والاحکام۔

اور کتاب الحیل کا مقصد تو بالکل کھلا ہوا ہے کہ وہ صرف امام بخاری نے اپنے غضب وجلال ظاہر کرنے کے لیے لکھی ہے لیکن بزگوں کے ہر کام میں برکت ہی برکت ہوتی ہے۔ ان

ابواب کی برکت سے ہمیں احادیث کے وہ گراں قدر تحفظ ملے جو دوسری جگہ بھی ہیں مگر امام بخاری والی بات کہاں۔ رحمه الله رحمة واسعة وجزیٰ عنی و عن جميع اهل الاسلام خير الجزاء۔

ادب اور اہتمام: امام بخاری کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں۔ ان میں اچھی سے اچھی عمدہ سے عمدہ تر صحیح سے اصح اعلیٰ سے اعلیٰ تر کو منتخب کر کے اس عظیم تصنیف میں رکھی ہیں۔[۳۹] اور انتخاب میں انہیں اپنی معلومات کے ایک ایک نقطے کو صرف کر کے اپنی فکر وتدبیر کی آخری حد کو چھو کر بھی اطمینان نہ ہوتا تو اللہ عزوجل کے حضور استخارہ کرتے پھر صفحہ قرطاس کی حوالہ کرتے۔

تصنیف و تالیف کے لیے جتنی تنہائی ہو بہتر ہے مگر امام بخاری نے اسے بھری مسجد حرام میں مسجد نبوی میں لکھا۔ ایک بار لکھا مگر مطمئن نہ ہوئے تو تین بار لکھا۔ یہ سب وہی اعلیٰ سے اعلیٰ تر صحیح سے اصح کے انتخاب کے لیے تھا۔ وہ خود فرماتے ہیں:

مجھے چھ لاکھ حدیثیں یاد ہیں ان میں چن چن کر سولہ سال میں اس جامع کو میں نے لکھا ہے۔ اور اسے میں نے اپنے اور اللہ عزوجل کے درمیان حجت بنایا ہے۔ میں نے اپنی اس کتاب میں صرف صحیح احادیث داخل کی ہیں اور جن صحیح حدیثوں کو میں نے اس خیال سے کہ کتاب بہت طویل نہ ہوجائے ترک کردیا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہیں۔

امام بخاری نے یہ کتاب کہاں لکھی اس کے بارے میں انہوں نے خود فرمایا کہ میں نے اسے مسجد حرام میں اس طرح لکھا ہے کہ ہر حدیث کے لکھنے سے پہلے غسل کرتا پھر دو رکعت نفل پڑھتا پھر استخارہ کرتا۔ جب کسی حدیث کی صحت پر دل جمتا تو اسے کتاب میں درج کرتا۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ وہ مسجد حرام میں سولہ سال کبھی نہ رہے بلکہ متفرق طور پر ان کا مکہ معظمہ میں جو قیام رہا اس کی مجموعی مدت بھی سولہ سال نہیں۔

اس کا جواب علامہ ابن حجر نے یہ دیا کہ انہوں نے تصنیف کی ابتداء مسجد حرام میں کی پھر جہاں گئے اسے لکھتے رہے ـــ اور ایک توجیہ یہ بھی ہے جو ہمارے مشائخ نے کی ہے کہ اس کا مسودہ مختلف بلاد میں لکھا۔ مسجد حرام میں بیٹھ کر اس کا مبیضہ کیا۔

تراجم ابواب کے لیے صرف ایک روایت ہے کہ اسے امام بخاری نے مزار اقدس و منبر مبارک کے مابین ریاض الجنہ میں بیٹھ کر اصل کتاب میں منتقل کیا ہے۔ غالبًا اسی وقت کے بارے میں یہ روایت ہے کہ میں اس کتاب میں کسی حدیث کے لکھنے سے پہلے حضور اقدس ﷺ سے دریافت کرلیتا ہوں کہ یہ آپ کا ارشاد ہے یا نہیں؟ جب حضور فرماتے ہاں تو لکھتا۔[۱۴۰]

اور میرے خیال میں سب سے اچھی توجیہ یہ ہے کہ امام بخاری نے پہلے مسودہ تیار کیا جن میں ابواب اور ابواب سے مناسب احادیث جمع کیں۔ یہ مختلف بلاد میں تیار کیا پھر مسجد حرام میں حاضر ہوکر اس مسودہ میں جو احادیث تھیں ان کو مبیضہ کیا۔ ابواب کی جگہ خالی رکھی اور حرم نبوی میں حاضر ہوکر ترجمے کو اصل کتاب میں منتقل کیا۔ اس لیے کہ ترجمے کے بارے میں جو لفظ وارد ہے وہ یہ ہے۔

حَوَّلَ تراجم جامعه بين قبر النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و منبره وكان يصلى لكل ترجمة ركعتين۔[۱۴۱] اس کتاب کے تراجم ابواب کو نبی ﷺ کے مزار پاک اور منبر اقدس کے مابین منتقل کیا اور ہر ترجمے کے لیے دو رکعت نماز پڑھتے۔

حَوَّل کا ترجمہ سوائے منتقل ہونے کے اور کچھ نہیں بنتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترجمے کا کوئی مسودہ پہلے سے تھا۔ اس سے تحویل کر کے لکھتے تھے۔ تحویل کی دوسری تعبیر یہی ہے کہ اس کو منتقل کرتے تھے۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ تراجم پہلے سے لکھے تھے۔ مگر جس صحیفے میں بڑھاتے تھے اس میں تراجم کی جگہ خالی تھی۔ تو لازم کہ پہلے احادیث بلا تراجم لکھی تھیں۔ اور یہ روایت کہ اس کو تین مرتبہ لکھا اس سے مراد یہی ہے کہ پہلے ایک مسودہ تیار کیا جس میں ترجمۃ الباب اور اس سے متعلق احادیث تھیں۔ پھر مسجد حرام میں اسے صاف کیا اور ترجمہ باب کی جگہ چھوڑ دی۔ اور حرم نبوی میں حاضر ہوکر مسودہ سے تراجم ابواب اصل کتاب میں اضافے کیے اور اس کے ساتھ پھر اس پر ایک تنقیحی نظر بھی ڈالی۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

کتاب کی تصنیف کے بعد امام بخاری نے اپنی یہ کتاب امام احمد بن حنبل یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی کو دکھائی۔ ان حضرات نے اس کی بہت تحسین کی جس سے امام بخاری کو طمانیت

قلب حاصل ہوئی۔ محمد بن حاتم وراق نے کہا میں نے امام بخاری سے پوچھا کہ آپ نے اپنی اس صحیح میں جتنی حدیثیں لکھی ہیں وہ سب آپ کو یاد ہیں۔ فرمایا جامع صحیح کی کوئی حدیث مجھ سے چھپی نہیں۔ اس لیے کہ میں نیا س کی تین بار لکھا ہے۔

بارگاہ رسالت میں اس کتاب کی مقبولیت: صحیح بخاری کی معراج کمال یہ ہے کہ مصنف کی ذات کی طرح ان کی کتاب بھی محبوب رب العالمین کی بارگاہ میں مقبول ہوئی۔ ابوزید مروزی نے بیان کیا کہ ایک بار میں مطاف میں رکن کے مابین سویا ہوا تھا کہ میرا نصیبہ جاگا۔ سرکار ابد قرار مونس ہر بے قرار تشریف لائے۔ اور فرمایا اے ابوزید! کب تک شافعی کی کتاب پڑھو گے؟ میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی کتاب کون سی ہے؟ فرمایا: محمد بن اسماعیل کی جامع۔[۴۲]

ہر ستم ہر جفا گوارا ہے   صرف کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

طرز: امام بخاری کا اسلوب اس کتاب میں یہ ہے کہ وہ پہلے باب باندھتے ہیں۔ کبھی کبھی باب کے مناسب ایک یا چند آیات ذکر کرتے ہیں۔ کبھی باب سے متعلق معلق احادیث اور اقوال سلف صحابہ یا ائمہ تابعین و تبع تابعین ذکر کرتے ہیں پھر اگر باب کی مؤید کوئی ایسی حدیث ہوتی ہے جو ان کی شرائط پر پوری ہو تو اسے مع سند کے ذکر کرتے ہیں۔ کبھی ایک کبھی متعدد کبھی مفصل کبھی مختصر کبھی پوری حدیث، کبھی حدیث کا کوئی جزء۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی حدیث کے جزء کو باب کا عنوان بناتے ہیں کبھی کسی آیت کو۔ اس سے یہ فائدہ حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ باب دلیل کا محتاج نہیں۔ کبھی کسی حدیث کے جزء کو باب کا عنوان بنانے سے یہ افادہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث لائقِ حجت ہے۔ خواہ وہ ان کے ان شرائط پر ہو جن کا انہوں نے اس کتاب میں التزام کیا ہے۔ خواہ نہ ہو کبھی باب کی تائید میں صرف قرآنِ مجید کی آیات ذکر کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ کوئی حدیث معلق یا مسند نہیں ذکر کرتے۔ کہیں کہیں صرف ابواب کے عنوان قائم کر کے چھوڑ دیئے ہیں نہ کوئی آیت ذکر کی ہے نہ حدیث۔ کہیں کہیں ائمہ مذاہب پر بہت درشت لہجے میں تعریفیں بھی کی ہیں۔ اکثر ایسا ہے کہ

ایک ہی حدیث متعدد جگہ ذکر کرتے ہیں۔ اس سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس حدیث سے جتنے مسائل انہوں نے مستنبط کیے سب مذکور ہوجاتے ہیں۔ دوسرے تعدد طرق سے اس حدیث کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ ایک حدیث پر مختلف چند ابواب سے کبھی یہ بھی اشارہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے عموم پر ہے یا اس میں کوئی تخصیص ہے۔ یہ اپنے اطلاق پر ہے یا اس میں کوئی تقیید ہے۔ تخصیص اور تقیید ہے تو کیا ہے کبھی مبہم معانی کی توضیح مقصود ہوتی ہے۔ کبھی آیات قرآنیہ اور احادیث کے مشکل الفاظ کی تفسیر بھی کرتے جاتے ہیں۔

شرائط: امام بخاری یا امام مسلم نے اپنی ان مخصوص شرائط کا ذکر نہیں کیا جن کا ان دونوں حضرات نے اپنی اپنی کتابوں میں التزام کیا ہے۔ صرف حدیث معنعن کے سلسلے میں مقدمہ مسلم سے یہ معلوم ہوا کہ ان دونوں بزرگوں میں یہ اختلاف ہے کہ امام بخاری معاصرت کے ساتھ ثبوت لقاء کی شرط ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور امام مسلم معاصرت کافی سمجھتے ہیں۔ امام مسلم نے لقاء کی شرط کے ضروری نہ ہونے پر بہت لمبی بحث کی ہے۔ جس کی بنیاد یہ ہے کہ گفتگو اس صورت خاص میں ہے کہ راوی ثقہ ہو مُدلّس نہ ہو۔ اور لقاء کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ تلمیذ کا شیخ سے سماع ثابت ہو۔ صرف لقاء سے سماع لازم نہیں ہوسکتا ہے ملاقات ہوئی ہو مگر سماع نہ ہو۔ تو یہ شرط بلا ضرورت ہے۔[۴۳] جب ہم نے مان لیا کہ یہ راوی ثقہ ہے مُدَلِّس نہیں اور یہ کہہ رہا ہے کہ فلاں سے روایت ہے تو یہی اس کا قول دلیل سماع ہے۔ خواہ دونوں کی ملاقات کا ثبوت ہو خواہ نہ ہو۔ پھر ملاقات کے ثبوت کی شرط سے کیا فائدہ۔ امام مسلم کی یہ بات بہت وزنی ہے اگرچہ یہ بات ظاہر ہے کہ اگر تلمیذ و شیخ میں لقاء بھی ثابت ہو تو اس سے قوت زیادہ مل جاتی ہے۔ بخاری کے مسلم پر تفوق کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

اس کے علاوہ اور کیا کیا خصوصی شرائط ہیں؟ محدثین نے اس کی کھوج لگانے کی بہت کوشش کی مگر کوئی خاص شرط معلوم نہ ہوسکی۔ سوائے اس کے کہ دیگر محدثین نے حدیث کے صحیح ہونے کے لیے جن شرائط کا اعتبار کیا ہے اس پر مستزاد یہ ہے۔ کہ امام بخاری زیادہ ایسے راویوں سے حدیث لیتے ہیں جو اپنے شیخ کے ساتھ بہت زیادہ رہا ہو اس کو یہ لوگ اپنی زبان میں ''کثیر

الملازمت'' اور اس کے مقابل کو'' قلیل الملازمت'' بولتے ہیں۔ اور کبھی جب کسی موضوع پر کثیر الملازمت تلامذہ کی روایت نہیں ملتی تو بدرجہ مجبوری قلیل الملازمت تلامذہ کی بھی احادیث لے لیتے ہیں مگر ایسا پہلے کے بہ نسبت کم ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا کہ امام بخاری کی یہ بھی شرط ہے کہ حدیث کی روایت میں کہیں دوراوی سے کم نہ ہوں حتی کہ وہ دو صحابی سے مروی ہو۔ مگر یہ شرط بھی اکثری ہوسکتی ہے۔ کلی نہیں۔ اس لیے کہ بخاری کی پہلی حدیث وانما الاعمال بالنیات، میں مسلسل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر یحیی بن سعید تک صرف ایک ہی راوی ہیں۔ حضرت عمر کے بعد علقمہ اور ان کے بعد محمد بن ابراہیم اور ان کے بعد یحیی بن سعید ہیں۔ ہاں امام بخاری کی ایک خاص شرط کا ذکر ملتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں صرف اس سے حدیث لیتا ہوں جو ایمان قول کو بھی مانے اور عمل کو بھی۔[۴۴]

تکرار احادیث: امام بخاری نے اکثر احادیث کو ایک سے زیادہ جگہ ذکر کیا ہے۔ حتی کہ بعض احادیث کو سولہ سولہ جگہ ذکر کیا ہے۔ یہ حقیقت میں لفظاً تکرار ہے مگر معنوی اعتبار سے تکرار نہیں۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ تکرار کی دو صورت ہے۔ سند میں تکرار ہو۔ متن میں تکرار ہو۔ سند کے لحاظ سے اگر دیکھیں تو شاید کوئی جگہ ایسی ہو جہاں امام بخاری نے ایک حدیث کو دو جگہ ایک ہی سند کے ساتھ ذکر کیا ہو۔ مجھے اب تک ایسی کوئی حدیث نہیں ملی۔ ہمیشہ نئی سند نئے طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔

① وہ حدیث دو یا دو سے زائد صحابہ سے مروی ہو تو اسے مکرر لاتے ہیں ② وہ حدیث دو یا دو سے زائد تابعین سے مروی ہو تو مکرر لاتے ہیں ③ وہ حدیث ایک سے زائد تبع تابعین سے مروی ہے تو مکرر لاتے ہیں ④ کبھی امام بخاری ایک حدیث کو ایک سے زائد اساتذہ سے سنی ہے تو مکرر لاتے ہیں ⑤ کبھی امام بخاری کے استاذ ایک سے زائد ہیں تو مکرر لاتے ہیں۔ علی ہذا القیاس۔

اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تعدد طرق سے حدیث قوی سے قوی تر ہوجاتی ہے اگر سلسلۂ

رُواۃ میں صرف ایک ہی ایک افراد ہوں تو یہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں غریب کہلاتی ہے اور جب وہ مختلف طرق سے مروی ہوگی تو غرابت سے نکل جاتی ہے۔

رہ گیا متن کی لفظی تکرار اس میں بھی متعدد فوائد ہیں۔ پہلا فائدہ مختلف ابواب پر استدلال۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ راوی کبھی ایک حدیث کو مختصر ذکر کرتا ہے۔ دوسرا مفصل۔ تو مفصل ذکر کردینے سے حدیث کی تکمیل ہوجاتی ہے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ کبھی ایک راوی کسی لفظ سے بیان کرتا ہے دوسرا راوی دوسرے لفظ سے۔ دونوں کو ذکر کرنے سے ایک معنیٰ مقصود کی تعین میں آسانی ہوتی ہے دوسرے روایت بالمعنیٰ کے اپنے شرائط کے ساتھ جواز کا اشارہ ہوجاتا ہے۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کی تفسیر ہوجاتی ہے۔ پانچواں فائدہ کبھی ایک حدیث کو ایک راوی بطریق ارسال ذکر کرتا ہے دوسرا بطریق اتصال۔ تو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ حدیث مُرسل نہیں متصل ہے۔ چھٹا فائدہ کبھی ایک راوی حدیث کو موقوف کر کے چھوڑ دیتا ہے دوسرا اسے مرفوع روایت کرتا ہے تو تکرار سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ حدیث موقوف نہیں مرفوع ہے۔ ساتواں فائدہ یہ ہے کہ کبھی ایک حدیث کو ایک راوی عن فلاں کہہ کے معنعن روایت کرتا ہے دوسرا حدثنا، اخبرنا، سمعت کے صیغے سے جو سماع پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں اس سے حدیث مُعنعن میں جو تدلیس کا ذرا سا شائبہ ہوتا تھا وہ بھی ختم ہوجاتا ہے۔

سردست تکرار کے یہ بارہ فائدے حاضر ہیں۔ پانچ سند سے متعلق اور سات متن سے متعلق۔ اگر قاری امعان نظر سے ان مکررات میں غور کرے گا تو اس کے علاوہ اور بہت سے فوائد نظر آئیں گے۔

تقطیع: اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی حدیث کے مختلف اجزاء کو مختلف جگہ ذکر کیا جائے۔ خواہ مختلف ابواب میں خواہ ایک ہی باب میں۔ تقطیع کا سبب کبھی یہ ہوتا ہے کہ حدیث کے مختلف اجزاء مختلف اسناد سے مروی ہیں۔ یہ صورۃً تقطیع ہے حقیقتاً تقطیع نہیں۔ بلکہ حقیقت میں ایک ہی حدیث ہے ایک باب میں تقطیع کی یہی صورت ہوتی ہے۔ حدیث کی تقطیع جائز ہے یا نہیں؟ یہ محدثین متقدمین میں مختلف فیہ رہا۔ امام بخاری امام مالک اکثر اجلۂ محدثین تقطیع کے جواز کے

قائل بھی ہیں اور اس پر عامل بھی۔ اور اب تو تقطیع حدیث کے جواز وعمل پر اجماع ہے۔
امام بخاری حدیث کی تقطیع وہیں کرتے ہیں جب حدیث چند احکام پر مشتمل ہو تو وہ حدیث کے ان اجزاء کو چند ابواب میں لاتے ہیں تا کہ کتاب بلاضرورت طویل نہ ہو پھر ان کو متعدد جگہ متعدد سند سے ذکر کر کے اس کو تعدد طرق سے قوی بنا دیتے ہیں۔
کہیں کسی طویل حدیث میں مختلف مضامین یا احکام مذکور ہوئے ہیں۔ جن میں ربط نہیں ہوتا۔ امام بخاری ان مختلف جملوں کو ان کے مناسب ابواب علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے جاتے ہیں۔ پھر کہیں کوئی باب قائم کر کے مکمل حدیث یکجا بیان کر دیتے ہیں۔
ابواب: امام بخاری کا جو مذہب تھا اس کی کلیت پھر ان کلیات کی جزئیات کو انہوں نے ہزاروں ہزار ابواب کی شکل میں جمع کر دیا ہے۔ جن کو تراجم ابوا کہا جاتا ہے۔ ترجمۂ باب پر وہ اپنی خداداد ذہانت و ذکاوت سے بعض جگہ ایسے اَدَق پیرائے میں استدلال کرتے ہیں کہ ذہین سے ذہین محقق مدقق بھی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔
اسی وجہ سے ابنِ خلدون نے کہا کہ بخاری کے تراجم ابواب سے احادیث کی مطابقت امت پر قرض ہے اسی قرض کو علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین محمود عینی نے ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور ایک حد تک ادا بھی کر دیا۔ مگر اب بھی بہت سا قرض امت پر باقی ہے اور اندازہ یہی ہے کہ وہ قیامت تک باقی رہے گا۔
ان دونوں شارحین نے ترجمۃ الباب اور حدیث میں مطابقت پیدا کرنے کے وقت یہ امور سامنے رکھے ہیں مثلاً ① یہ ضروری نہیں کہ حدیث کی دلالت باب پر مطابقی ہو تضمنی بھی ہوسکتی ہے التزامی بھی۔ جن کو فقہاء کی زبان میں یوں کہیے حدیث سے ترجمہ باب کا ثبوت کبھی عبارۃ النص سے ہوتا ہے کبھی دلالت النص سے کبھی اشارۃ النص کبھی اقتضاء النص سے۔[۴۵] ② کبھی امام بخاری کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ حدیث میں عموم ہے مگر حقیقت میں یہ وہ مخصوص ہے۔ حدیث میں اطلاق ہے مگر وہ حقیقت میں مقید ہے۔
③ کبھی معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے ترجمۃ الباب سے وہ اس کا افادہ کرتے ہیں۔

④ کبھی دو مختلف احکام کی علت مشترکہ ہوتی ہے مگر اس علت میں کوئی ابہام ہوتا ہے۔ کسی حدیث میں اس ابہام کی تشریح ہوتی ہے۔ امام بخاری باب میں ایک حکم ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کے تحت وہ حدیث ذکر کرتے ہیں جس میں اس ابہام کی تشریح ہے۔

مثلاً باب باندھا

فی کم تقصر الصلوٰۃ کتنی مسافت کے سفر پر نماز میں قصر ہے

اور اس کے تحت حدیث یہ لائے۔

لا تسا فوالمرأۃ ثلثۃ ایام الا مع ذی محرم کوئی عورت تین دن کی مسافت پر بغیر محرم کے سفر نہ کرے

دونوں میں کوئی مطابقت نہیں۔ لیکن دونوں کی علت ''سفر شرعی'' ہے۔ سفر شرعی کی کیا مقدار ہے نہ نامعلوم ہے۔ حدیث میں اس ابہام کی یہ تشریح ہے کہ تین دن کی مسافت پر عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ اسے ثابت ہوا کہ ''سفر شرعی کی مقدار'' تین دن ہے۔

⑤ کبھی حدیث میں مختلف معانی کا احتمال ہوتا ہے۔ ترجمہ سے کسی ایک معنی کو معین کرنا مقصود ہوتا ہے۔

⑥ کبھی بظاہر مختلف المعانی احادیث میں ترجمے سے تطبیق کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔

علامہ عسقلانی اور علامہ عینی کی ہزار کدوکاوش کے باوجود کتنے ابواب ایسے ہیں جن میں مذکور احادیث کی ابواب سے مطابقت نہیں ہو سکی۔

تعداد احادیث: احادیث نبوی خصوصاً بخاری کے ساتھ امت کو کتنا شغف تھا اس کا اندازہ اس سے کریں کہ کتب احادیث میں مندرج احادیث کی گنتی بھی کر ڈالی۔ حتی کہ کس صحابی سے کتنی احادیث مروی ہیں ان کو بھی شمار کرلیا ہے۔ بخاری میں کتنی احادیث ہیں اس سلسلے میں شمار کرنے والے مختلف ہیں۔ حافظ ابن صلاح نے بتلایا کہ صحیح بخاری میں کل احادیث سات ہزار دوسو پچھتر ہیں، اور حذف مکررات کے بعد چار ہزار۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کے شمار کے مطابق کل احادیث مسندہ مع مکررات سات ہزار تین سو ستانوے ہیں۔ اور معلقات ''ایک ہزار تین سو اکتالیس'' اور متابعات کی تعداد تین سو چوالیس۔ اس طرح بخاری کی کل احادیث مسندہ، معلقات متابعات ملا کر نو ہزار بیاسی ہیں۔[۴۶] اگر مکررات کو نکال دیں تو مرفوع احادیث کی تعداد'' دو ہزار چھ سو تیس'' ہے۔[۴۷]

بخاری میں باعتبار سند سب سے اعلیٰ وہ احادیث ہیں جو ثلاثیات کہلاتی ہیں۔[۴۸] جن کی سند میں امام بخاری اور حضور اقدس ﷺ تک بیچ میں صرف تین راوی ہیں۔ ان کی کل تعداد بائیس ہے اور حذف مکررات کے بعد سولہ۔ ان ثلاثیات میں بیس ثلاثیات وہ ہیں جو امام بخاری نے اپنے حنفی شیوخ سے لی ہیں۔ یہاں یہ بات خاص کر قابل ذکر ہے کہ یہ بائیس ثلاثیات امام بخاری کے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔ مگر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عام مرویات ثلاثیات ہیں۔[۴۹]

بخاری کی زندہ کرامت: علامہ احمد خطیب قسطلانی نے ارشاد والساری لشرح صحیح البخاری کے مقدمہ میں[۵۰] اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے اشعۃ للمعات کے مقدمہ میں اور حضرت ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں بعض عارفین کا قول نقل فرمایا ہے کہ استجابتِ دعا حل مشکلات قضاء حاجات کے لیے بخاری کا ختم بارہا کا آزمودہ ہے۔ بخاری شریف جس کشتی میں ہوگی وہ ڈوبنے سے محفوظ رہے گی۔ اور حافظ عماد الدین ابن کثیر نے کہا! اگر قحط کے وقت پڑھی جائے تو بارش ہوگی۔ یہ سب اس لیے ہے کہ امام بخاری مستجاب الدعوات تھے اور انہوں نے اس کے پڑھنے والے کے لیے دعا کی ہے۔

اختلاف نسخ: امام بخاری کے نسخے آپس میں بہت مختلف ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عبدالرزاق بخاری نے کہا! میں نے امام بخاری سے پوچھا کہ آپ نے جتنی حدیثیں اپنی تصنیفات میں لکھی ہیں وہ سب آپ کو یاد ہیں تو انہوں نے فرمایا میں کوئی حدیث مجھ پر مخفی نہیں۔ اس لیے کہ میں نے اپنی ہر کتاب کو تین مرتبہ لکھا ہے۔ اور ہر مصنف جانتا ہے کہ کتاب پر جتنی بار نظر ڈالی جائے گی اتنا ہی اس میں ردوبدل ہوتا رہتا ہے۔ پھر نقل در نقل میں تفاوت ہوجانا

لابدی امر ہے۔ حافظ ابواسحٰق ابراہیم بن احمد مستملی نے کہا! میں نے بخاری کو اس کی اصل سے جو محمد بن یوسف فربری کے پاس تھی نقل کیا ہے۔ میں نے اصل میں جگہ بیاض دیکھی۔ مثلاً ترجمہ باب ہے مگر اس کے تحت کچھ نہیں۔ کہیں حدیث ہے مگر ترجمہ نہیں میں نے سب کو ملا کر لکھ دیا۔

شروح: بخاری کی مقبولیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں جتنی شرحیں اس کی ہوئیں کسی کی نہیں ہوئیں۔ کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے ۱۰۱۲ھ تک پچاس شرحوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ عربی کے علاوہ فارسی اردو کی شرحوں کو ملا لیا جائے تو ان کی تعداد سو تک پہنچ جائے گی۔ ان پچاس شرحوں میں اللہ عزوجل نے دو شرحوں کو سب سے زیادہ مقبولیت عطا فرمائی۔ ایک فتح الباری۔ دوسرے عمدۃ القاری جو عینی کے نام سے مشہور ہے۔

فتح الباری: یہ سند ا ظ علامہ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی ہے۔ یہ شعبان ۷۷۳ھ میں مصر میں پیدا ہوئے اور وہیں اواخر ذوالحجہ ۸۵۲ھ میں وصال فرمایا۔ وہیں دیلمی کے بغل میں دفن ہیں۔ انہوں نے اگرچہ مختلف دیار کے علماء سے تحصیل علم فرمایا۔ مگر ان کے خاص اساتذہ حافظ زین الدی عراقی اور حافظ سراج الدین بلقینی وغیرہ ہیں۔ ان کی مختلف علوم وفنون پر ڈیڑھ سو سے زائد تصنیفات ہیں۔ یہ بیس سال تک مصر کے قاضی القضاۃ رہے۔ انہوں نے بخاری کی شرح ۸۱۷ھ میں لکھنی شروع کی اور ۸۴۲ھ میں اس کو مکمل کیا جیسا کہ خود انتقاض الاعتراض میں لکھا ہے۔ یہ شرح سترہ جلدوں میں ہے مگر اب اس کی جلدوں کی گنتی کم کردی گئی ہے۔ سند الحفاظ نے اس شرح میں اپنے علم کے وہ جوہر دکھائے ہیں جن سے دنیا روشن ہے اور روشن رہے گی۔ انہوں نے بخاری کی شرح کا حق ادا کردیا۔ مشکل الفاظ کی تفسیر مغلق مقامات کی تسہیل، متعارض احادیث کی تطبیق۔ تراجم ابواب میں جو دقیق معانی ہیں ان کی تبیین۔ رجال بخاری کی جرح و تعدیل۔ بخاری پر دار ہونے والے اعتراضات کی تردید۔ ترجمہ باب و حدیث میں تطبیق، مسائل کا استنباط، احادیث مختصرہ کی تکمیل،

اسمائے مبہمہ کی تفسیر، لغات کا حل، اسمائے رجال کی تنقید، عقائد و احکام کی تفصیل اور سب پر محققانہ بحث و تمحیص، وہ کون سی اہم بات ہے جو حدیث کی شرح کے لیے ضروری ہے اور وہ اس شرح میں نہیں۔ اس لیے عام طور پر ان کی شرح کو تمام شروح پر برتری دی جاتی ہے ان سب خوبیوں کے باوجود گزشتہ شرحوں کا عطر تحقیق بھی ہے۔ اس شرح میں کیا کیا ہے وہ شرح دیکھنے ہی کے بعد معلوم ہوگا جس کی طرف ہماری اس شرح میں جگہ جگہ اشارے ملیں گے۔

عمدۃ القاری: یہ علامہ ابن حجر کے معاصر علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ عینی کی شرح ہے۔ ان کے والد قاضی شہاب الدین احمد بن قاضی شرف الدین موسیٰ بن احمد حلب کے باشندے تھے۔ وہاں سے ترک وطن کر کے (عین ناب) آگئے تھے۔ یہ حلب سے تین منزل کی دوری پر ہے۔ یہاں کی ''قضا'' ان کے سپرد ہوئی۔ یہیں علامہ عینی سترہ رمضان ۷۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کو عینی کہا جاتا ہے۔ یہ بھی حافظ زین الدین عراقی اور حافظ سراج الدین بلقینی کے تلمیذ ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر وقت کے سر برآوردہ علماء سے بھی تلمذ کا ان کو شرف حاصل ہوا۔ مصر کے شیخ المذہب سراج قاری الہدایہ کے بھی تلمیذ ہیں۔ ۷۸۸ھ میں بیت المقدس گئے وہاں ان کی ملاقات اس وقت کے بہت ممتاز عالم علاء الدین علی بن احمد بن محمد سیرامی سے ہوئی۔ پھر انہیں کے ہوکر رہ گئے۔ انہیں کے ساتھ مصر مدرسہ برقوقیہ میں آئے۔ مدت العمر مصر ہی میں رہے۔ وہیں سہ شنبہ کی رات میں چار ذوالحجہ ۸۵۵ھ میں علامہ ابن حجر کی تین سال بعد وصال ہوا۔ جب ان کے استاذ شیخ المذہب سراج قاری الہدایہ کا وصال ہوگیا تو ۸۲۹ھ کی ربیع الآخر میں یہ مصر کے قاضی القضاۃ بغیر کسی طلب اور خواہش کے مقرر ہوئے۔ علاوہ اس منصب جلیل کے دوسرے مناصب عالیہ پر مدت دراز تک فائز رہے۔ ۸۵۳ھ میں تمام مناصب سے الگ ہوکر جامعہ ازہر کے قریب محلہ کتامہ میں اپنا ذاتی مدرسہ قائم کرلیا جس پر اپنی تمام کتابیں وقف کردی تھیں۔ علامہ ابن حجر کی طرح یہ بھی جملہ علوم وفنون میں یگانہ و یکتا تھے۔ ان دونوں میں معاصرانہ نوک جھونک بھی رہتی تھی۔ جامعہ مؤیدی کا ایک منارہ خستہ ہوکر اتر کی جانب جھک گیا تھا۔ اس کی جدید تعمیر کے لیے اسے گرادیا گیا۔ اس وقت علامہ

عینی جامعہ مؤیدیہ میں شیخ الحدیث تھے۔ اس کے برج شمالی پر درس دیا کرتے تھے۔ اس پر علامہ ابن حجر نے یہ دوشعر چست کر دیا۔

لجامع مولانا المؤید رونق منارتہ تزھو بالحسن و بالزین
تقول وقد مالت علیھم تمیلوا فلیس علیٰ حسنی اضر من العین

جامعہ مؤیدی بڑی بارونق ہے۔ اس کا منارہ حُسن و جمال میں یکتا ہے۔ گرتے وقت کہہ رہا تھا مجھے گرنے دو میرے حسن کے لیے نظر بد سے زیادہ کوئی چیز مضر نہیں۔ نظر کو عربی میں ''عین'' کہتے ہیں۔ اس سے علامہ عینی پر چوٹ تھی۔

علامہ عینی نے جب یہ اشعار سُنے تو علامہ ابن حجر کو یہ جواب بھیجا:

منارۃ کعروس الحسن قد حلیت وھدمھا بقضاء اللہ والقدر
قالوا اصیبت بعین قلت ذا غلط ماآفۃ الھدم الاخسمۃ الحجر

منارہ دولہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ اس کا گرنا قضا و قدر کی وجہ سے ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اسے نظر لگ گئی ہے میں نے کہا یہ غلط ہے۔ یہ حجر (پتھر) کی خست یعنی شکستگی کی وجہ سے گرا۔

علامہ ابن حجر اور علامہ عینی دونوں نے ایک ہی زمانے میں دو چار سال آگے پیچھے بخاری کی شرحیں لکھی ہیں۔ علامہ عینی نے ۸۲۱ھ میں شروع کیا اور ۸۴۷ھ میں انتیس سال میں مکمل فرمایا۔ اور علامہ ابن حجر نے ۸۱۷ھ میں شروع فرمایا اور ۸۴۲ھ میں پچیس سال میں مکمل کیا۔

علامہ ابن حجر کا طریقہ یہ تھا کہ ہفتے میں ایک دن سنیچر کو اپنے تمام تلامذہ کو اکٹھا کرتے ہفتے بھر کا لکھا ہوا ہر برہان بن اخضر کو دیتے۔ وہ سب کو سناتے مسودہ سے مقابلہ ہوتا لکھے ہوئے پر بحث ہوتی پھر لوگ اس کی نقلیں کر لیتے۔ اس طرح ان کی یہ شرح تکمیل سے پہلے ہی پھیل گئی۔ انہیں برہان بن اخضر سے علامہ عینی علامہ ابن حجر کی شرح عاریہ لے کر دیکھ لیا کرتے تھے اور اپنی شرح میں جابجا علامہ ابن حجر پر تعقب بھی کیا ہے۔ چونکہ یہ دونوں وسعت علم وجودت

ذہن میں ایک دوسرے کے مثل تھے اس لیے دونوں کے مضامین میں کہیں کہیں توارد ہے۔ اسی کو یار لوگوں نے یہ رنگ دے دیا کہ علامہ عینی نے علامہ ابن حجر کی شرح سے مضامین نقل کر کے اپنی شرح میں اضافہ کیا ہے اس سے یہ لوگ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ علامہ عینی میں اتنی استعداد نہیں تھی کہ بخاری کی شرح لکھتے۔ علامہ ابن حجر کی شرح سے نقل اتاری ہے۔ جہاں جہاں توارد ہے وہاں تو یہ بات کہنے کی ایک گنجائش ہے۔ مگر علامہ عینی نے علامہ ابن حجر پر جو تعقبات کیے ہیں وہ کہاں سے لائے۔ پھر جو مضامین انہوں نے اضافہ فرمائے وہ کہاں سے ان کو ملے؟

اس سلسلے میں ایک یہ بھی روایت ہے کہ کسی نے علامہ ابن حجر سے کہا کہ علامہ عینی کی شرح آپ کی شرح پر فوقیت رکھتی ہے اس لیے کہ اس میں معانی و بیان، بدیر وغیرہ زائد ہیں۔ اس کے جواب میں علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ یہ علامہ عینی نے شیخ رکن الدین کی شرح سے نقل کیا ہے۔ یہ شرح مجھے ملی تھی مگر ناتمام تھی اس لیے میں نے اس کے پورے حصے کو کہیں نہیں لیا تھوڑا تھوڑا کہیں سے لے لیا ہے۔[۵۱]

اس سے بھی یہ لوگ یہی باور کرانا چاہتے ہیں کہ علامہ عینی نے صرف نقل ہی کیا ہے۔ لیکن یہاں دو سوال ہیں۔ ایک یہ کہ کیا علامہ حجر کی تمام باتیں طبع زاد ہیں۔ کیا انہوں نے پچھلی شرحوں سے مضامین نہیں نقل کیے ہیں۔ اگر نقل کیے ہیں اور ضرور نقل کیے ہیں تو پھر علامہ ابن حجر کے بارے میں بھی یہی رائے کیوں نہیں قائم کی جاتی۔ ورنہ بات صاف ہے کہ اسلاف کی تصنیفات سے دونوں نے مضامین نقل کیے ہیں۔ اگر علامہ ابن حجر کو نقل کا حق ہے تو علامہ عینی کو بھی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کیا دو شخص پر ایک ہی موضوع پر ایک ہی معنی اک توارد نہیں ہوتا؟ اگر ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے تو پھر جو خاص معانی علامہ ابن حجر کے ذہن میں آئے وہ علامہ عینی کے ذہن میں کیوں نہیں آسکتے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ ارباب علم و دانش جانتے ہیں کہ اکثر کسی خاص موضوع پر بحث کے وقت ایک ہی نکتہ بہت سے لوگوں کے ذہن میں آجایا کرتا ہے۔ پھر وہی عرض کرتا ہوں کہ اگر عینی میں صرف وہی مضامین ہوتے جو فتح الباری میں ہیں اور اس پر

اضافہ نہ ہوتا وہ بھی ہزاروں ہزار۔ تو اس کی گنجائش تھی کہ ان لوگوں کی بات مان لی جاتی۔ مگر جب عینی میں فتح الباری کے مضامین کے علاوہ اور بہت سے کثیر ان مضامین کا اضافہ ہے جو فتح الباری میں نہیں تو اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

کسی نے فتح الباری سے متاثر ہوکر یہ کہا! لاھجرۃ بعد الفتح۔ اگر یہ بزرگ مجھے ملتے تو عرض کرتا۔ حضرت بعد الفتح ہے مع الفتح نہیں۔ جو شخص انصاف و دیانت سے دونوں شرحوں کا مطالعہ کرے گا اس پر یہ بات واضح ہوجائے گی کہ جو کچھ فتح الباری میں ہے وہ سب عینی میں ہے اور مزید عینی میں وہ فوائد و نکات و ابحاث ہیں جن سے فتح الباری خالی ہے۔

طرز تصنیف: علامہ عینی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے باب کی توضیح کرتے ہیں، پچھلے باب سے مناسبت بیان کرتے ہیں پھر باب باندھنے کا جو مقصد ہوتا ہے اس کو بیان کرتے ہیں باب کی تائید میں جو آیت یا تعلیق ہوتی ہے اس کی توضیح کرتے ہیں تعلیق کی سند بیان کرتے ہیں پھر حدیث کا پورا متن مع سند بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد راویوں کے احوال کو ضروری تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اگر راویوں کے نسب میں خفا ہوتا ہے تو اس کو واضح کرتے ہیں پھر سند کے اندر جو رموز و نکات ہوتے ہیں ان کو بیان کرتے ہیں۔ یہ حدیث بخاری میں کتنی جگہ ہے اس کو اور یہ کہ صحاح ستہ میں سے کس کس میں ہے اسے بھی ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے بعد مشکل لغات کو حل کرتے ہیں۔ پھر خاص خاص جملوں کی نحوی ترکیب لکھتے ہیں۔ اس کے بعد معانی و بیان و بدیع کے نکات بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد حدیث پر مفصل بحث کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہونے والے مضامین کو واضح کرکے اس سلسلے میں جتنے اقوال ہوتے ہیں سب کو ان کے دلائل کے ساتھ بیان کرکے جو مذہب ان کے نزدیک حق ہوتا ہے اسے عقلی نقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ اس کے بعد حدیث سے متخرج مسائل کی فہرست پیش کرتے ہیں پھر حدیث کے مضمون پر وارد ہونے والے سوالوں کو ذکر کرکے ان کے تسلی بخش جوابات دیتے ہیں حدیث میں مذکور اسماء و اماکن کی توضیح کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ حدیث کی باب سے مطابقت اور متعارض احادیث میں تطبیق کو بھی واضح کرتے ہیں۔ پہلی بار جب کوئی حدیث آئی ہے تو وہیں

اس پر سیر حاصل بحث کر دیتے ہیں اور جب وہ دوبارہ یا سہ بارہ آتی ہے تو باب کے مناسب ضروری بات پر اختصار کرتے ہیں۔

علامہ ابن حجر کی عادت یہ ہے کہ جو حدیث جس باب کے تحت مذکور ہوتی ہے۔ اس کے مناسب گفتگو کر کے آئندہ کا حوالہ دے دیتے ہیں۔ ایسا بھی ہوگیا ہے کہ پھر آئندہ ان کو یاد نہ رہا اور بات رہ گئی۔

عمدۃ القاری کی یہی وہ خوبیاں ہیں کہ جب عمدۃ القاری مکمل ہوکر منظر عام پر آئی تو علامہ ابن حجر ششدر اور ان کے تلامذہ حیران ہوکر رہ گئے۔ علامہ ابن حجر کے تلامذہ ان کی طرف سے معذرت کرنے لگے اور علامہ عینی پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی۔ اس کا شاخسانہ برہان بن اخضر والا قصہ بھی ہے۔

علامہ عینی نے علامہ ابن حجر پر جو اعتراضات کیے تھے انکے جوابات دینے کی انہوں نے کوشش کی پانچ سال تک زندہ رہے۔ مگر وہ علامہ عینی کے اعتراضات کا جواب نہ دے سکے۔ کچھ اعتراضات کے جوابات لکھے وہ بھی ناتمام رہے اور جو لکھا وہ جواب ہوا کہ نہیں؟ اس بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بخاری کی یہ دونوں شرحیں حقیقی معنوں میں بہت کامل بہت جامع بہت مفید ہیں۔ ان دونوں کی نظیر نہ پہلے کی کوئی شرح ہے نہ بعد کی۔ مگر بوجوہ کثیرہ علامہ عینی کی شرح فتح الباری سے بڑھی ہوئی ہے۔

علامہ ابن خلدون نے کہا تھا۔ کہ بخاری کی شرح امت پر قرض ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کہا کہ اس قرض کو ان دونوں شرحوں نے چکا دیا۔

یہ دوسری بات ہے کہ جتنی شہرت فتح الباری کی ہے وہ عینی کو نہیں حاصل ہوئی اس کا سبب خاص یہ ہے کہ فتح الباری عمدۃ القاری کی بہ نسبت مختصر ہے۔ اس کی نقل و قرأت دونوں بہ نسبت عمدۃ القاری کے آسان ہے۔ اس لیے جو تداول فتح الباری کا ہوا وہ عینی کا نہ ہوسکا۔

ارشاد الساری: یہ شرح علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی مصری کی ہے۔ یہ شرح

حامل المتن ہے۔ اور کچھ مختصر بھی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ مشکل الفاظ جتنی بار آئے ہیں ہر بار اس کی شرح کرتے ہیں۔ اس کی اصل ماخذ عمدۃ القاری اور فتح الباری ہے مگر دیگر شروح کے بھی اہم مضامین کافی ہیں۔ بدرسین وطلبہ کے لیے بہت مفید ہے۔ ان کا ۷/محرم الحرام شب جمعہ ۹۲۳ھ میں وصال ہوا اور بعد نماز جمعہ جامعہ ازہر میں نماز جنازہ ہوئی۔ اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں دفن ہوئے چوہتر سال کی عمر پائی۔ ۱۲/ ذوقعدہ ۸۵۱ھ میں ولادت ہوئی تھی۔

تیسیر القاری: مشہور انام محدث حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کے صاحبزادے حضرت شیخ نورالحق کی فارسی میں بخاری کی شرح ہے۔ شاہجہاں نے آگرے کا قاضی اور مفتی بنایا تھا۔ ان کی ۹۸۳ھ میں ولادت اور ۱۰۷۳ھ میں وصال ہوا یہ شرح انہوں نے اپنے والد ماجد کی خواہش پر ان کی وصال کے بعد اشعۃ اللمعات کے طرز پر لکھی ہے۔ اس کی چھ جلدیں ہیں۔ اس کے حاشیہ پر شیخ الاسلام محمد بن فخر الدین بن محب اللہ بن نور اللہ بن نورالحق دہلوی کی بھی ناتمام شرح چھپی ہے۔ یہ بزرگ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے پانچویں پیڑھی میں پوتے تھے۔ محمد شاہ رنگیلے کے آخر عہد میں دہلی کے امور مذہبی کے صدر الصدور تھے۔ یہ شرح کچھ بسیط ہے۔ اس میں بہت ہی محققانہ فاضلانہ ابحاث ہیں۔ نصف اول کی تکمیل کی تاریخ آخر جمادی الاخرہ ۱۱۶۶ھ ہے۔

بخاری شریف کی سینکڑوں شرحوں میں ہم نے صرف چار کا تذکرہ اس لیے کیا کہ ہم نے صرف انہیں چاروں سے استفادہ کیا ہے۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ہماری کتاب کے کسی مضمون کا بالفرض حوالہ تلاش کرنا ہو تو تلاش کرنے والوں کو کچھ آسانی ہو ویسے ہم نے اہم مباحث کا حوالہ دے دیا ہے۔

ان کے علاوہ اردو میں بھی بخاری کے تراجم وشروح بکثرت ہو چکے ہیں۔ ان میں سے صرف تین سے ہم نے استفادہ کیا ہے۔ اردو شروح میں بشیر القاری، فیوض الباری سے، اور ترجموں میں حضرت مولانا اختر شاہجہاں پوری کے ترجمہ سے۔

بشیر القاری: یہ استاذی صدر العلماء علامہ غلام جیلانی صاحب میرٹھی قدس سرہ کی مایۂ ناز شرح ہے عربی فارسی اردو کسی زبان میں بخاری کی اب تک کوئی شرح اتنی تحقیق اور تفصیل سے نہیں لکھی گئی۔ اس میں حضرت نے تحقیق و تدقیق کا حق ادا کردیا ہے الفاظ احادیث کی صرفی لغوی تحقیق جملوں کی نحوی ترکیب اور معانی و بیان و بدیع کی تکنیت کے ساتھ ساتھ معانی حدیث کے ہر ہر پہلو پر ایسی جامع کامل بحث ہے جسے دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کم ترک الاولون للآخرین۔ ساتھ ہی ساتھ ہمہ دانی کا خصوصاً علم حدیث میں دعویٰ کرنے والوں کی غلطیوں پر ایسی مضبوط گرفت فرمائی ہے جس کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے کوئی بھی عناد اور تعصب سے ہٹ کر اگر اس شرح کا مطالعہ کرے گا تو اسے کہنا پڑے گا کہ حضرت مصنف دیگر علوم کی طرح علم حدیث کے بھی اپنے وقت کے امام تھے۔ افسوس یہ ہے کہ یہ شرح صرف باب بدالوحی تک ہوسکی اس کے بعد حضرت دوسری تصانیف میں مشغول ہوگئے۔ حضرت دوسری تصانیف میں مشغول نہ ہوتے اور شرح بخاری ہی کو مکمل فرما دیتے۔ تو امت پر احسان عظیم ہوتا۔ میں نے ایک بار عرض کیا تھا۔ تو فرمایا میرا ارادہ اس کی تکمیل کا ہے چند ضروری کاموں سے فرصت کے بعد اسے مکمل کروں گا۔ مگر عمر نے وفا نہ کی اور حضرت کا وصال ہوگیا۔

حضرت کی ولادت علی گڑھ ریاست دادوں میں گیارہ رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ ۱۹۰۰ھ کو ہوئی درجہ چہارم تک ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مراد آباد جامعہ نعیمیہ میں داخلہ لیا آمدنامہ سے کافیہ تک یہاں تعلیم حاصل کی پھر ۱۳۴۲ھ میں اجمیر مقدس دارالعلوم معینیہ درگاہ شریف میں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے زیر عاطفت نو سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی ان پر خصوصی نگاہ کرم تھی درس نظامی کی منتہی کتابیں صدر الشریعہ نے پڑھائی بریلی شریف میں علاوہ دورۂ حدیث کے شرح چغمینی محقق دوانی کی شرح تجرید کے حواشی قدیمہ اور جدیدہ اشارات کی دونوں شرحیں امام رازی اور طوسی کی پڑھائیں جب متولی نثار احمد کی شرارتوں سے تنگ آکر ۱۳۵۱ھ میں حضرت صدر الشریعہ بریلی شریف مدرسہ منظر اسلام میں تشریف لائے تو یہ بھی اپنے رفقاء کے ساتھ بریلی شریف آگئے۔ اور یہیں سے

۱۳۵۲ھ میں فراغت ہوئی فراغت کے بعد جائس، پانی پت، کانپور احسن المدارس قدیم میں قیام فرمایا۔ پھر میرٹھ مدرسہ اسلامیہ میں تشریف لائے اوائل ۱۳۵۴ھ ۱۹۳۵ھ سے لے کر اخیر عمر مبارک تک پینتالیس سال یہیں قیام فرمایا۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ھ میں بعارضۂ فالج میرٹھ میں وصال فرمایا۔ اور وہیں سپرد خاک فرمائے گئے۔ عمر مبارک بیاسی سال پائی۔

فیوض الباری: محقق عصر حضرت مولانا محمد محمود صاحب کی لاجواب شرح ہے عربی فارسی شرحوں کی تلخیص بہت عمدگی کے ساتھ کے ہے۔ احادیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ روح جھوم اٹھتی ہے۔ معنی لغوی کی رعایت کے ساتھ ساتھ سلامت و روانی، ترکیب کی خوبصورتی سب کچھ ترجمہ میں موجود ہے۔ ابتدا میں نہایت فاضلانہ مقدمہ ہے جو اصل میں منکرین حدیث، چکڑالیوں کا رد ہے۔ جس میں احادیث کے حجت ہونے پر ایسے دلائل قاہرہ قائم فرمائے ہیں جس کے بعد کسی کو مجال دم زدن نہیں۔ احادیث کی جمع و تدوین کی مختصر مگر جامع تاریخ بھی ہے۔ طرز علامہ عینی کا ہے۔ مگر احادیث سے متعلق ابحاث کی توضیح و تشریح اس خوبی سے کرتے ہیں کہ سب کو سمجھ میں آجائے۔ اپنی تحقیقات سے بھی کتاب کو مالا مال کیا ہے۔ موصوف پاکستان کے مشہور مرجع انام، فاضلِ یگانہ حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد صاحب شیخ الحدیث انجمن حزب الاحناف لاہور کے وارث علم و فضل ہیں۔ انہوں نے اس کی تصنیف کب شروع کی یہ تو معلوم نہ ہوسکا البتہ پہلے پارے کے اختتام پر انہوں نے تاریخ یہ لکھی ہے ۸/ جمادی الآخرہ ۱۳۷۸ھ ۳۰/ نومبر ۱۹۵۸ء۔

ترجمہ بخاری: بخاری کے اردو تراجم میں ہم نے صرف فاضل جلیل مولانا عبدالحکیم خاں صاحب اختر شاہجہاں پوری کے ترجمے سے استفادہ کیا ہے اس سے ہم احادیث کے ترجمے میں کافی مدد لی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ شاہجہاں پوری نے اتنی عمدگی سے ترجمہ کیا ہے کہ میں خود دنگ رہ گیا۔ جدید اسلوب کے ساتھ ساتھ بہت شگفتگی و معنویت کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ مولانا نے یہ ترجمہ ۲۴/ شوال ۱۴۰۰ھ ۵/ ستمبر ۱۹۸۰ھ بروز جمعہ بعد نماز عصر لکھنا شروع کیا ہے اور ۲۶/ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۵/ اکتوبر ۱۹۸۱ء بروز نکشنبہ نو بجے مکمل کرلیا ترجمے کے

ساتھ باب اور احادیث کا پورا متن بھی مع اعراب چھاپا ہے۔ اس سے اس ترجمے کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔

ترجمے کے پہلے حضرت مولانا غلام رسول صاحب سعیدی مدظلہ کا ایک بہت مفید مقدمہ ہے۔ جس میں ابتدا امام بخاری کے احوال بہت جامعیت کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ پھر ان کی اس کتاب کے خدوخال کو بہت ہی محققانہ طریقے پر بیان کیا گیا ہے۔ اخیر میں منکرین احادیث کے رد کے لیے حدیث کا قابل حجت ہونا بڑے ہی مدلل طور پر بیان کیا ہے۔ پھر اسی ضمن میں تدوین حدیث کی مختصر تاریخ پیش کی ہے۔ اخیر میں اصطلاحات حدیث کو درج کیا ہے۔ یہ مقدمہ بہت جامع اور اہم ہے۔ میں نے اپنی اس کتاب میں ان کے مقدمے سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ شکر اللہ مساعیھم الجمیلہ۔ وتقبل منادمنھم۔

مسامحات بخاری

میں اس عنوان پر کچھ لکھنا نہیں چاہتا تھا مگر اس پر باعث ایک واقعہ ہے۔ میں ایک مرتبہ ڈومریا گنج ضلع بستی سے اِٹوا تھانے جارہا تھا بس میں کچھ لوگ آپس میں بہت مزے لے لے کر یہ کہہ رہے تھے کہ بریلیوں سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں۔ خود کہتے ہیں کہ آسمان کے نیچے قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب ''بخاری'' ہے مگر بخاری میں لکھا ہے کہ رفع یدین کرو، امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھو، آمین بلند آواز سے کہو مگر نہیں مانتے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ بخاری میں جو کچھ لکھا ہے تم لوگ سب پر عمل کرتے ہو؟ انہوں نے کہا بالکل ہم لوگ عمل کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں نے بخاری پڑھی ہے۔ تو گھبرا گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ پڑھی نہیں مگر علماء سے سنا ہے کہ بخاری میں یہ لکھا ہے۔ میں نے پوچھا اور کیا کیا بخاری میں لکھا ہے یہ بھی ان علماء نے آپ لوگوں کو بتایا۔ اب اور گھبرائے مگر تھی دیہاتی صاف گو اقرار کرلیا کہ اور کچھ نہیں بتایا ہے۔ میں نے سوچا ان گنواروں کو اگر اصح الکتب کا مطلب سمجھاؤں تو

سمجھ نہیں پائیں گے۔ ان کی سمجھ کے مطابق ایک لطیفہ ذہن میں آ گیا میں نے کہا کہ امام بخاری نے بخاری میں دو مسئلے لکھے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر پانی میں نجاست گر جائے اور نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ پانی میں ظاہر نہ ہو تو پانی پاک ہے اگرچہ وہ پانی تھوڑا ہی ہو۔ ان میں سے ایک شخص بولا بالکل صحیح ہے۔ میں نے کہا دوسرا بھی سنئے وہ یہ ہے کہ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو برتن ایسا ناپاک ہو گیا کہ اسے سات بار دھوؤ۔ اور کم از کم ایک بار مٹی سے بھی مانجو۔ اسی شخص نے کہا یہ بھی بالکل صحیح ہے۔ اب میں نے کہا آپ نے دونوں مسئلوں کو صحیح و حق مان لیا تو سنئے اب ایک مرا سوال ہے کہ کسی برتن میں پانی ہے اس میں کتے نے منہ ڈال دیا منہ ڈالتے ہی دھتکار دیا گیا تو بتایئے پانی پاک ہے کہ ناپاک؟

وہ غریب بول اٹھا کہ پاک ہے (اس لیے کہ اس قسم کے پانی استعمال کرنے کی عادت رہی ہوگی) میں نے پوچھا اور برتن تو مبہوت ہو کر رہ گیا۔ ہو سکتا ہے کوئی صاحب کہہ دیں وہ جاہل اُجڈ تھے ان کی بات کا کیا۔ مگر غرض یہ ہے کہ ان کو یہ بتانے والے علماء تو مجتہد مطلق تھے ورنہ وہ کیا جانیں کہ بخاری میں آمین، رفع یدین کے بارے میں کیا لکھا ہے۔ اب میں نے للکار کے پوچھا کہ بولو تو بیچارے کو سانپ سونگھ گیا وہ سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور بالکل خاموش ہو گئے۔

وہ بھی اِٹوا ہی جا رہے تھے جب اٹوا بس رُکی میں بھی اتر پڑا وہ سب بھی اتر پڑے مجھے لینے کے لے جو آدمی آئے تھے ان سے انہوں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جب میرا نام سنا تو اب مجھے مزہ آ گیا بالکل وہی منظر تھا۔ **وان یکادُ الذین کفروا۔ لیزلقونک بابصارھم** ایسا لگتا ہے کہ کافر تمہیں نظر لگا کر گرا دیں گے۔

اصح کتب کہنے سے جو غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اس کے ازالے کی ایک سبیل یہ بھی ہے کہ لوگوں کو اصح الکتب کا مطلب سمجھا دیا جائے۔ اس لیے اس سلسلے میں چند باتیں معروض ہیں۔ اصح کتب بعد کتاب اللہ کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ قرآن مجید کی طرح اس کا حرف حرف نقطہ نقطہ صحیح اور حق ہے۔ اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ اس وقت تک بلکہ اب یوں کہئے کہ آج تک

حدیث میں جتنی کتابیں لکھی گئیں بلا استثناء سب میں صحیح کے ساتھ ضعیف احادیث بھی درج ہیں۔ اس سے بخاری بھی مستثنیٰ نہیں دوسرے کتابوں کے بہ نسبت اس میں ضعیف حدیثیں کم ہیں۔ دوسروں میں تناسب کے لحاظ سے زائد ہیں۔ اب اصح الکتب کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث کی دوسری تمام کتابوں کی بہ نسبت اس میں زیادہ صحیح حدیثیں ہیں۔ ضعیف حدیثیں کم ہیں۔ نیز اس کی احادیث صحت کے قوت میں بہ نسبت دوسری کتابوں کے زائد ہیں۔

یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بخاری کے علاوہ یا صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کی بقیہ کتابوں کی احادیث، احادیث نہیں باطل و موضوع ہیں۔ جس طرح بخاری اور صحاح ستہ کی احادیث صحیحہ واجبُ القبول ہیں اسی طرح بقیہ کتابوں کی احادیث صحیحہ واجبُ القبول ہیں۔ اصح کتب کا یہ مطلب نہیں کہ امام بخاری نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح وحق ہے جس کی تفصیل اس کتاب میں جگہ جگہ مذکور ہوگی۔ امام بخاری سے اس کتاب میں جگہ جگہ لغزش ہوئی ہے۔ اس لیے اصح کتب کا یہ مطلب لینا کہ بخاری میں جو کچھ ہے خواہ وہ حدیث نہ ہو امام بخاری کا قول ان کی تحقیق ہو سب حق ہے۔ اصح کتب کے معنی کی تحریف ہے جس نے بھی بخاری کو اصح کتب کہا وہ صرف احادیث کے اعتبار سے کہا۔ امام بخاری کے فرمودات کو اس میں کسی نے داخل نہیں کیا۔ مگر کیا کیجئے باطل پرستوں کو جب کوئی دلیل نہیں ملتی تو اسی قسم کی فریب کاری کرتے ہیں۔ اس عنوان پر ہم جو نظیریں پیش کریں گے وہ اپنی دریافت کردہ نہیں بلکہ اکابر محدثین وناقدین کی رائے ہوگی۔

حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت وجلالت قدر میرے دل میں ہے اس کے پیش نظر مندرجہ ذیل سطور لکھتے وقت بار بار یہ خیال آتا ہے کہ نادان دوست کی طرح خودغرض دوست بھی کتنا خطرناک ہوتا ہے؟

انسان بہرحال انسان ہے اس سے غلطی لغزش ہو ہی جاتی ہے۔ امام بخاری نے سولہ سال شب روز کی تحقیق وتنقیح کے بعد اپنی وسعت بھر اس کی پوری کوشش کی کہ ان کی کتاب میں کوئی غیر صحیح ضعیف حدیث نہ آنے پائے اور کوئی لغزش نہ ہو۔ مدة العمر اس کی تنقیح وتہذیب کرتے رہے۔ مگر الی اللہ العصمة الالذاته و لرسوله۔ فسبحان من لاينسى۔ پوری

کوشش کے باوجود امام بخاری سے اس کتاب میں بھی لغزش ہو ہی گئی۔ حتی کہ علامہ ابن حجر جیسے محقق مدقق کو بھی جنھوں نے امام بخاری پر کی گئیں تنقیدات کی جواب دہی میں اپنی ذہانت، ذکاوت کا پورا سرمایہ صرف کر ڈالا یہ کہنا ہی پڑا:

لکل جواد کبوة ہر تیز رو گھوڑے کے لیے ٹھوکر ہے۔

اسی لیے علامہ ابن حجر نے لسان المیزان میں امام عبداللہ بن مبارک کا یہ قول نقل کیا۔

من ذا سلم من الوهم کون ہے جو وہم سے سلامت رہا۔

نیز امام بخاری کے استاذ یحیی بن معین کا یہ قول بھی ذکر کیا:

لست اعجب ممن یحدث فیخطی انی اعجب ممن یحدث فیصیب۔[۵۲] میں اس پر تعجب نہیں کرتا کہ کوئی حدیث بیان کرے اور خطا کر جائے مجھے اس پر تعجب ہے کہ وہ کبھی غلطی نہ کرے۔

اس قانونِ فطرت کے مطابق امام بخاری سے بھی لغزشیں ہوئی ہیں۔ جن چند یہ ہیں۔

ضعاف سے روایت: بخاری میں ایسے راویوں کی تعداد بہت ہے جو بدعقیدہ گمراہ تھے جیسے جہمی، قدری، رافضی، ناصبی، خارجی، معتزلی،[۵۳] اس پر مستزاد یہ کہ مطعون راوی بھی کم نہیں۔ منکر واہی اور وہمی سبھی ہیں جسے اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو علامہ ابن حجر کا مقدمہ فتح الباری ہدی الساری اک مطالعہ کرے۔ اور اگر مزید دیکھنا چاہیں تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا رسالہ ''حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین'' کا مطالعہ کریں۔[۵۴] جس میں غیر مقلدین اور حقیقت میں امام بخاری کے مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کی جرح کے مطابق بخاری کے مجروح راویوں کی وافر مقدار میں نشاندہی فرمائی ہے۔

براہِ اندھی طرفداری کا ان راویوں کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا ہے۔ ان راویوں پر طعن دوسرے محدثین نے کیے ہیں۔ امام بخاری کی تحقیق میں یہ سب ثقہ ہیں۔ یہاں تک کہ یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ کسی مسلم الثبوت محدث کا کسی راوی سے روایت کرنا ہی اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔ مگر یہی قاعدہ احناف کے مقابلے میں یہ قاعدہ بنانے والے ہی بھول جاتے

ہیں۔

لیکن بخاری کے مطعون راوی صرف اسی قسم کے نہیں کہ ان پر امام بخاری کے علاوہ صرف دوسروں ہی نے جرح کی ہو۔ ایسے بھی معتد بہ مقدار میں مطعون راوی ہیں جو خود امام بخاری کے طعن کے نشانہ ہیں۔ بخاری میں ایسے بھی مجروح راوی ہیں جن پر خود امام بخاری کی تنقید موجود ہے۔ مثلاً باب الاستنجاء بالماء کے تحت امام بخاری نے ایک حدیث اس سند کے ساتھ ذکر کی ہے۔

حدثنا ابو الولید ہشام بن عبد الملک قال حدثنا شعبة عن ابی معاذ واسمه عطاء بن ابی میمونة قال سمعت انس بن مالک یقول کان النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم اذا خرج لحاجته۔ الحدیث [۵۵] اس کی سند میں عطاء بن ابی میمونہ ہے۔ اس کے بارے میں کتاب الضعفا الصغیر میں خود امام بخاری نے لکھا۔

عطاء بن ابی میمونة ابو معاذ مولی انس و قال یزید بن ھارون مولی عمران ابن حصین کان یری القدر۔ [۵۶]	یہ شخص حضرت انس کا غلام تھا یزید بن ہارون نے کہا عمران بن حصین کا غلام تھا۔ یہ قدریہ تھا۔

دوسری جلد باب **بعث ابی موسی و معاذ الی الیمن** میں ایک حدیث اس سند کے ساتھ ہے۔

حدثنی عباس بن الولید، قال حدثنا عبدالواحد عن ایوب بن عائذ قال حدثنا تیس بن مسلم قال سمعت طارق بن شهاب یقول حدثنی ابوموسی الاشعری قال بعثنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ وسلم الی ارض قوم۔ الحدیث۔ [۵۷]

اس حدیث کی سند میں ایوب بن عائذ ہے۔ اس امام بخاری نے اسی کتاب الضعفاء میں لکھا۔

ایوب بن عائذ الطائی کان یری الارجاء۔ [۵۸]	یہ مرجیہ تھا۔

علامہ ذہبی اس پر تعجب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وكان من المرجئة قال له البخاری واورده فی الضعفاء لارجائه والعجب من البخاری یغمزه وقد احتج به

یہ مرجیہ تھا مرجۂ ہونے کی وجہ سے اسے بخاری نے ضعفاء میں درج کیا ہے اس پر طعن بھی کرتے ہیں اور اس کی روایت بھی لیتے ہیں۔

یوں ہی ایک راوی اسماعیل بن ابان کوفی ہے اسی کتاب الضعفا[59] ء میں اس کو لکھا کہ یہ متروک ہے مگر اس سے ایک نہیں متعدد احادیث لی ہیں۔ علامہ ابن حجر بدی الساری میں لکھتے ہیں۔

اسماعیل بن ابان الوراق الكوفی احد شیوخ البخاری ولم یکثرعنه۔[60]

یہ امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہے مگر اس سے بہت زیادہ روایت نہیں کی ہے۔

ناظرین اپنی طمانیت خاطر کے لیے ایک بار امام بخاری کی کتاب الضعفاء کا مطالعہ کریں اور ان مندرجہ ذیل راویوں پر امام بخاری کی جرح دیکھ لیں۔ پھر انہیں تلاش کریں صحیح بخاری میں ان کی کتنی روایتیں ہیں۔

زبیر بن محمد تیمی، سعید بن عروبہ، عبداللہ بن لبید، عبدالملک بن امین، عبدالوارث بن سعید، عطار بن یزید، کہمس بن منہال، حدیہ ہے کہ مروان بن حکم جیسے مشہور زمانہ عیار شاطر سے بھی روایت لی ہے۔ جس نے اسلام میں ایسے ایسے رخنے ڈالے کہ آج تک بند نہ ہوئے۔ جس کی شرارت و دسیسہ کاری کی وجہ سے حضرت عثمان شہید ہوئے۔ جس نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ احد العشرہ المبشرہ کو تیر مار کر زخمی کیا جس کے صدمے سے وہ شہید ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

سند میں تسامح: ضعیف راویوں سے روایت کے علاوہ بہت سی جگہ امام بخاری سے راویوں کے نام ان کی ولدیت میں لغزش ہوہی گئی ہے۔ مثلاً ص ۹۱ پر باب ازا قیمت الصلوٰۃ الا المکتوبۃ کے تحت جو حدیث ہے اس کی سند اس طرح بیان کی ہے حدثنا عبدالعزیز بن عبداللّٰہ قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن ابیہ عن جعفر بن عاصم عن عبداللّٰہ بن مالک بن مجینۃ قال مرالنبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ الحدیث۔

اس سند میں امام بخاری سے دوتسامح ہوا ہے۔ ایک تو یہ کہ مالک بن بحسینہ کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بحسینہ مالک کی ماں ہیں حالانکہ یہ مالک کی زوجہ ہیں اور عبداللہ کی ماں ہیں۔ دوسرے یہ کہ ''تحویل'' سند کے بعد ہے۔ سمعت رجلا من الازدیقال لہ مالک بن بحینۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم رأی رجلا۔ الحدیث۔ اس سند میں امام بخاری سے دوتسامح ہوا ہے ایک تو یہ کہ مالک بن بحسینہ کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بحسینہ مالک کی ماں ہیں حالانکہ یہ مالک کی زوجہ ہیں اور عبداللہ کی ماں ہیں دوسرے یہ کہ اس سند میں حدیث کا راوی مالک کو بتایا۔ حالانکہ اس کے راوی مالک کے بیٹے عبداللہ ہیں مالک کوتو ایمان بھی نصیب نہیں ہوا۔ یہ حدیث مسلم نسائی اور ابن ماجہ میں ہے مگر یہ خطانہیں علامہ ابن حجر نے لکھا:

الوھم فیہ موضعین احدھما ان بحینۃ اس میں دو جگہ وہم ہے ایک یہ کہ بحسینہ والدۃ عبداللّٰہ لا مالک و ثانیھما ان عبداللہ کی والدہ ہیں مالک کی نہیں۔ دوسرے الصحبۃ والروایۃ لعبد اللّٰہ لاالمالک۔[٦١] یہ کہ صحابی اور راوی عبداللہ ہیں نہ کہ مالک

باب غزوۂ خیبر میں یہ حدیث ہے ان اباھریرۃ قال شھد نا الخیبر اس کی ایک سند امام بخاری نے یہ ذکر کی: قال الزھری دا خبرنی عبداللّٰہ بن عبداللّٰہ وسعید عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ الحدیث۔[٦٢] اس پر امام ابوعلی جبائی نے یہ اعتراض کیا کہ صحیح عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہے۔ مگر امام بخاری نے بجائے عبدالرحمٰن کے عبداللہ ذکر کیا ہے اور یہ کاتب کی غلطی نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنی تاریخ میں بھی، بجائے عبدالرحمٰن کے

عبداللہ ہی لکھا ہے۔ علامہ ابن حجر مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

لان عبدالله بن عبدالله لا يعرف والصواب انشاء الله عبدالرحمن بن عبدالله وهو ابن كعب قال و كنت اظن ان الوهم فيه ممن دون البخارى الىٰ ان رأيته فى التاريخ قدساقه كما ساقه فى الصحيح سواء۔ [٦٣]

جبائی نے کہا کہ عبداللہ بن عبداللہ کو پہچانا نہیں جاتا انشاء اللہ صحیح عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہے یہی ابن کعب ہیں۔ پہلے گمان کرتا تھا کہ یہ وہم کسی اور سے ہوا ہے مگر جب ان کی تاریخ میں بھی ایسا ہی دیکھا تو یہ گمان ختم ہوگیا۔

متن میں تسامح: کتاب الزکوٰۃ میں ایک حدیث یہ ہے۔

عن عائشة ان بعض ازواج النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قلن للنبى صلى الله عليه وسلم اينا اسرع بك لحوقا، قال اطولكن يد افاخذ واقصبة يذرعونها فكانت سودة اطولهن يد افعلمنا بعد انما كانت طول يدها الصدقة وكانت اسرعنا لحوقابه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وكانت قحب الصدقة۔ [٦٤]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی بعض ازواج نے عرض کیا کہ ہم میں سے سب سے پہلے کون حضور سے واصل ہوگی۔ فرمایا جس کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا ہے تو وہ ایک لکڑی لے کر اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں۔ ان میں سودہ کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا تھا۔ حالانکہ ہاتھ کی لمبائی سے صدقہ مراد تھا۔ سودہ ہی کا سب سے پہلے وصال ہوا۔ وہ صدقہ کو محبوب رکھتی تھیں۔

اس حدیث میں ''وکانت اسرعنا لحوقابه'' میں کانت کی ضمیر کا مرجع متعین ہے کہ سودہ ہیں۔ اس سے ثابت کہ ازواج مطہرات میں سب سے پہلے حضرت سودہ کا وصال ہوا۔ حالانکہ تمام ارباب سیر واصحاب تاریخ کا اس پر اجماع ہے کہ ازواج مطہرات میں سب سے پہلے حضرت زینب کا وصال ہوا۔ خود حدیث کا سیاق بھی بتا رہا ہے کہ ''کانت اسرعنا الحوقابه'' سے حضرت سودہ ہرگز مراد نہیں۔ نیز اگرچہ سبھی ازواج مطہرات بہت مخیّر تھیں مگر حضرت زینب

ان میں سب سے زیادہ مخیّر تھیں۔ حضرت زینب بنت جحش کا وصال ۲۰ھ میں ہوا۔ اور حضرت سودہ کا ۵۴ھ میں۔

اس حدیث میں یہ جملہ یوں ہونا چاہیے تھا۔ وکانت زینب اسرعنا لحوقابہ۔ چنانچہ مسلم شریف میں یوں ہے وکانت زینب اطول یدالانها کانت تعمل و تتصدق۔

باب احداد المرأة علی غیر زوجها میں یہ حدیث ہے:

عن زینب بنت ابی سلمة قالت لماجاء زینب بنت سلمہ کہتی ہیں کہ جب شام سے نعی ابی سفیان من الشام دعت ام حبیبة ابوسفیان کے وفات کی خبر آئی تو ان کی بصفرةٍ فی یوم الثالث فمسحت صاحبزادی ام المومنین حضرت ام حبیبہ نے عارضیها و ذراعیها۔[۶۵] تیسرے دن زرد رنگ کی خوشبو منگا کر اپنے چہرے اور دونوں کلائیوں پر ملا۔

اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابوسفیان کے وصال کی خبر شام سے آئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا انتقال شام میں ہوا تھا۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ ان کی وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی ہے۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں۔

اس روایت میں اس پر اعتراض ہے کہ شام سے موت کی خبر آئی۔ حالانکہ سب مورخین اس پر متفق ہیں کہ حضرت ابوسفیان کی وفات مدینہ طیبہ میں ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ہوئی۔

استنباط مسائل کا حال: ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ امام بخاری مجتہد مطلق تھے۔ اور صحیح بخاری کی تصنیف سے امام بخاری کا اہم مقصد احادیث سے مسائل کا استنباط ہے۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے ہر حدیث پر باب باندھا ہے۔ لیکن اس میں بھی ان سے لغزش ہوئی ہے۔ اور اس لغزش کی تعداد بہت زیادہ ہے جو شرح میں مفصل و مدلل بیان ہوگی۔ یہاں دو نظیریں پیش کرتے ہیں۔

اذاشرب الکلب فی الاناء کے باب میں جہاں اور حدیث ذکر کی ہیں وہیں یہ حدیث بھی ہے۔

عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ان رجلارأی کلبًا یاکل الثری من العطش فاخذ الرجل خفہ فجعل یغرف لہ بہ حتی ارواہ فشکر اللّٰہ لہ فادخلہ الجنۃ۔[٦٦]

نبی ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نے دیکھا کہ ایک پیاسا کتاب کیچڑ چاٹ رہا ہے اس نے اپنا موزا نکالا اور اس میں پانی بھر کر اسے چلو سے پلانے لگا۔ اللہ نے قبول فرما لیا اور اس شخص کو جنت میں داخل فرما دیا۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

استدل بہ المصنف علی طہارۃ سور الکلب۔[٦٧]

امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے۔

اسی باب میں ایک اور حدیث یہ ہے۔

کانت الکلاب تقبل و تدبر فی المسجد فی زمان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فلم یکونوا یرشون شیئا من ذلک۔

زمانہ اقدس میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے اس پر پانی نہیں ڈالتے تھے۔

اس حدیث کے بھی ذکر سے امام بخاری کا مقصود یہی ہے کہ کتے کا لعاب پاک ہے اور یہ مقصد بالکل ظاہر ہے۔ حالانکہ یہ بالکل ابتدائی دور کی بات ہے جب مسجد میں دروازی نہیں تھے۔ جب دروازی لگ گئے تو کتوں کا مسجد اقدس میں آنا جانا بند ہوگیا۔ جہاں تک کتوں کے آنے جانے کی بات ہے تو کوئی بھی کتوں کو نجس العین نہیں کہتا۔ اس لیے کتا اگر پاؤں رکھ دے اور پاؤں میں اور کوئی نجاست لگی نہ ہو تو وہ جگہ ناپاک نہیں ہوتی۔ رہ گیا لعاب تو ہر شخص جانتا ہے کہ لعاب، شراب، رقیق نجاست گر جائے تو سوکھنے سے زمین پاک ہوجاتی ہے۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ کتے کا لعاب پاک ہے۔

اسی طرح امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے۔ تقضی الحائض المناسک کلھا الاالطواف اس کے تحت یہ حدیث تعلیقاً لائے ہیں۔

کان النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یذکر اللّٰہ علی کل احیانہ۔[۶۸]
نبی ﷺ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔

اس تعلیق سے باب کا ثبوت اسی وقت ہوسکتا ہے کہ ذکر کو اپنے عموم کلی پر مانا جائے جس کا ایک فرد ادائے مناسک بھی ہے اور قرآن مجید کی تلاوت بھی۔ اسی طرح علیٰ کل احیانہ کو بھی اپنے عموم کلی پر رکھا جائے جس کا فرد جب بھی ہے اور جنت کے حکم میں جو لوگ ہیں وہ بھی ہیں۔ مثلاً حائضہ، نفساء۔ اگر ان دونوں عموم میں کوئی بھی تخصیص کی گئی تو باب ثابت نہ ہو پائے گا۔ اس لیے لازم آیا کہ جنب مرد ہو یا عورت اور حائضہ اور نفاس والی عورت کو اس حالت میں بھی قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے۔ اسی لیے علامہ ابن حجر نے اس کے تحت لکھا۔

ان مرادہ الا ستدلال علیٰ جواز قرأۃ الحائض۔[۶۹]
امام بخاری کا مقصد حائضہ اور جنب کے لیے قرأت یعنی قرآن مجید کی تلاوت کے جواز پر اس تعلیق سے استدلال کرنا ہے۔

رضاعت کا مسئلہ: احوال بخاری میں گزر چکا کہ بخارا کی رائے عامہ امام بخاری کے خلاف اس وجہ سے ہوئی کہ انہوں نے اپنے متخرج اس قسم کے مسائل عوام میں پھیلانے شروع کیے حالانکہ امام ابوحفص کبیر نے امام بخاری کو اس سے منع فرمایا تھا کہ وہ مسائل نہ بتائیں احادیث کا درس دیں۔ مگر امام بخاری نہیں مانے اور انہوں نے اپنے اجتہاد سے امت کے خلاف جو مسائل استنباط فرمائے تھے ان کو بھی پھیلانا شروع کیا جس سے عوام میں شورش پیدا ہوگئی۔ انہیں میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی لڑکے اور لڑکی نے ایام رضاعت میں کسی بکری کا دودھ پی لیا تو دونوں میں رشتۂ رضاعت پیدا ہوجائے گا۔

آج کل امام بخاری کے نادان دوست اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ امام بخاری کی طرف غلط منسوب ہے۔ اس مسئلہ رضاعت سے تو انکار کردیا۔ مگر خود صحیح بخاری میں یہ جو دو مسئلے مذکور ہیں۔ ان کی نسبت کیا کہیں گے؟

امام بخاری کے ایک نادان دوست لکھتے ہیں:

حالانکہ اس فتوی کے ناقل بجز اہل الرائے کے اور کوئی نہیں۔ اور ان کو جو تعصب دوسروں سے ہے وہ ظاہر ہے محدثین کی ایذاء رسانی میں ان کو خاص قسم کا مزہ آتا۔ اس لیے اس واقعہ کے صدق پر کیونکر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ سیرت بخاری ص٦٦۔

بکری کے دودھ والا فتوی آپ کے نزدیک اس لیے صحیح نہیں کہ اسے صرف اہل الرائے نے لکھا مگر مذکورہ بالا دونوں مسائل جو صحیح بخاری میں آج بھی ہیں ان کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ کیا امام بخاری کے یہ دونوں استنباط صحیح ہیں؟

تعصب اور ہٹ دھرمی کی یہ انتہائی حد ہے کہ چونکہ امام بخاری کا یہ فتوی احناف نے نقل کیا ہے اس لیے قابلِ اعتماد نہیں۔ یہ احناف کے ساتھ انتہائی بغض وعناد نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر احناف کو یہی کرنا تھا تو صرف ایک ہی ایسا فتوی کیوں مشہور کیا۔ وہ چاہتے تو سیکڑوں مشہور کردیتے۔ اگر احناف کو امام بخاری سے کوئی تعصب ہوتا تو وہ امام بخاری کو امیر المومنین فی الحدیث ہرگز نہیں تسلیم کرتے۔ ان کی جامع کو اصح کتب بعد کتاب اللہ ہرگز نہ مانتے۔ خصوصاً جب کہ امام بخاری نے اسی کتاب میں احناف کی طرف غلط مسائل تک منسوب کرنے سے نہیں باز آئے۔ احناف اسے کہہ سکتے تھے کہ یہ افتراء و بہتان ہے جو شخص افتراء و بہتان باندھے وہ ثقہ نہیں ہوسکتا۔ مگر احناف نے انصاف اور اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ احناف اس کے باوجود یہی کہتے ہیں کہ امام بخاری کو غلط اطلاع ملی اس لیے انہوں نے ایسا کیا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جہاں گنجائش وہاں احناف نے، تعصب سے کام نہیں لیا۔ اور تعصب سے فرضی فتوی ان کی طرف منسوب کردیا۔ امام بخاری کتنے ہی جلیل اجل عظیم اعظم ہوں مگر خطاء لغزش انسان کی فطری سرشت ہے۔ وہ بھی انسان ہی تھے۔ ان سے بھی لغزش ہوئی چند لغزشوں سے ان کی عظمت وجلالت پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔

غیر مقلدین کی بخاری سے عداوت

یہ چند تسامحات اور اسی قسم کے اور بہت سے تسامحات تو واقعی بر بناء تحقیق امام بخاری

سے ہوئے۔ اور اگر غیر مقلدین کے طور پر دیکھا جائے تو پھر آدھی بخاری صاف ہوجاتی ہے۔ غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے جمع بین الصلوتین کے عدم جواز پر احناف کی مستدل احادیث پر جو تنقیدیں کی ہیں اس کو سامنے رکھ کر اگر بخاری کو پرکھا جائے تو پھر بخاری کا خدا حافظ ــــ ہم یہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے رسالہ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین [مکے] کا تھوڑا سا اقتباس پیش کرتے ہیں پہلے شیخ الکل صاحب کی ایک لن ترانی گوش گزار کرلیں۔ معیار حق میں فرمایا:

مؤلف نے دلائل میں وہ حدیثیں بیان کی ہیں جن کی طرف ہم کو کچھ التفات نہیں یعنی ایک روایت ابوداؤد جس کے راوی میں ضعف تھا۔ ایک روایت منجم طبرانی ایک روایت اربعین حاکم نقل کر کے ان پر طعن کردیا اور جو روایتیں صحیحہ متداولہ تھیں نقل کر کے ان کا جواب نہیں دیا یہ کیا دینداری ہے؟ اور کیا مرانگی کہ بخاری و مسلم چھوڑ کر اربعین حاکم اور اوسط طبرانی کو جا پکڑا۔ اور ان سے دو روایتیں ضعیف نقل کر کے ان کا جواب دیا۔

چونکہ میاں صاحب مردانگی دیکھنا چاہتے تھے اس لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی مردانگی کا تھوڑا نمونہ دکھایا ہے۔ سنئے۔

قسط اول: ابوداؤد میں یہ حدیث ہے:

حدثنا محمد بن عبید المحاربی حدثنا
محمد بن فضیل عن ابیه عن نافع و
عبداللّٰه بن واقد ان موذن ابن عمر قال
الصلوة قال سِرحتی اذا کان قبل غیوب
الشفق نزل فصلی المغرب ثم انتظر
حتی غاب الشفق فصلی العشاء ثم قال
ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه
وسلم کان اذا عجل به امرصنع مثل
الذی صنعت فسار فی ذلک الیوم
واللیلة مسیرة ثلث۔

نافع اور عبداللہ بن واقد فرماتے ہیں۔ ابن عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے موذن نے نماز کا تقاضا
کیا۔ فرمایا چلو چلتے رہے۔ شفق ڈوبنے سے
پہلے اتر کر مغرب پڑھی پھر انتظار فرمایا یہاں
تک کہ شفق ڈوب گئی اس وقت عشاء پڑھی پھر
فرمایا حضور سید عالم ﷺ کو جب کوئی جلدی
ہوتی تو ایسا ہی کرتے جیسا میں نے کیا۔ ابن
عمر نے اس رات دن میں تین دن کی مسافت
قطع کی۔

شیخ الکل صاحب نے اس حدیث پر یہ اعتراض فرمایا کہ اس میں محمد بن فضیل ہے یہ ضعیف ہے۔ یہ منسوب برفض ہے اس پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

اولاً یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہ محمد بن فضیل بخاری و مسلم کے رجال سے ہیں۔

ثانیاً امام ابن معین جیسے شخص نے، ابن فضیل کو ثقہ، امام احمد نے حسن الحدیث کہا امام نسائی نے لاباس بہ کہا امام احمد نے اس سے روایت کی۔ اور وہ جسے ثقہ نہیں جانتے اس سے روایت نہیں فرماتے۔ میزان میں اصلا کوئی جرح مفسران کے حق میں ذکر نہ کی۔

ثالثاً یہ بکف چراغے قابل تماشا کہ ابن فضیل کے منسوب برفض ہونے کا دعویٰ کیا اور ثبوت میں عبارت تقریب رمی بالتشیع ذکر کی۔ ملاجی کو بایں سالخوری و دعویٰ محدثی آج تک اتنی خبر نہیں کہ محاورات سلف و اصطلاح محدثین میں تشیع اور رفض میں کتنا فرق ہے۔ میزان میں امام حاکم کے بارے میں یہ قول نقل کر کے کہ کسی نے ان کو رافضی کہا تھا لکھا:

ماالرجل برافضی بل شیعی فقط　　یہ رافضی نہیں صرف شیعی ہے۔

ہاں زبان متاخرین میں، شیعہ روافض کو کہتے ہیں بلکہ آج کل کے بیہودہ مہذبین روافض

کو رافضی کہنا خلاف تہذیب جانتے اور انہیں شیعہ ہی کے لقب سے یاد کرنا ضروری مانتے ہیں۔ خود ملاجی کے خیال میں اپنی ملائی کے باعث یہی تازہ محاورہ تھا یا عوام کو دھوکہ دینے کے لیے متشیع کو رافضی بنایا۔ حالانکہ سلف میں جو تمام خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حسنِ عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو ان پر افضل جانتا، شیعی کہا جاتا۔ بلکہ جو صرف امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تفضیل دیتا اسے بھی شیعی کہتے۔ حالانکہ یہ مسلک بعض علماء اہلسنت کا تھا۔ اسی بناء پر متعدد ائمہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا بلکہ کبھی محض غلبہ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے۔ حالانکہ یہ محض سنیت ہے۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں خود انہیں محمد بن فضیل کی نسبت تصریح کی کہ ان تشیع صرف موالات تھا۔ لکھتے ہیں:

محمد بن فضيل بن غزوان المحدث الحافظ كان من علماء هذا الشان وثقه يحيى بن معين وقال احمد حسن الحديث شيعي قلت كان متواليا فقط

محمد بن فضیل بن غزوان محدث حافظ اور اس صف کے علماء میں سے تھے۔ یحیٰی بن معین نے ان کو ثقہ کہا۔ احمد نے کہا حسن الحدیث شیعی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ صرف اہل بیت سے محبت کرنے والے تھے۔

رابعاً ذرا، رواۃ صحیحین دیکھ کر شیعی کو رافضی بنا کر تضعیف کی ہوتی۔ کیا بخاری و مسلم سے بھی ہاتھ دھونا ہے۔ ان کے رُواۃ میں تیس سے زائد ایسے لوگ ہیں جنہیں اصطلاح قدماء پر بلفظ تشیع ذکر کیا جاتا ہے۔ یہاں تک تدریب میں حاکم سے نقل کیا:

كتاب مسلم ملان من الشيعة

مسلم کی کتاب شیعہ سے بھری پڑی ہے۔

دور کیوں جایئے خود یہی ابن فضیل کہ واقع میں شیعی صرف بمعنی محب اہل بیت کرام اور آپ کے زعم میں معاذ اللہ رافضی، صحیحین کے راوی ہیں۔[1]

اس پہلی قسط میں شیخ الکل صاحب نے بخاری و مسلم کے تیس رواۃ پر ہاتھ صاف کر دیا جن میں سترہ بخاری کے ہیں۔

قسط ثانی: احناف کی مؤید ایک اور حدیث ہے جسے نسائی، اور امام طحاوی نے روایت کیا۔ اس کی سند یہ ہے: حدثنا ربیع المؤذن قال حدثنا بشربن بکر قال حدثنی بن جابر قابل حدثنی نافع قال خرجت۔ الحدیث۔ نافع نے کہا عبداللہ بن عمر اپنی ایک زمین کو تشریف لے جاتے تھے۔ کسی نے آ کر کہا! آپ کی زوجہ صفیہ بنت ابی عبید، اخت حجاج اپنے حال میں مشغول ہیں۔ شاید ہی آپ انہیں زندہ پائیں۔ یہ سن کر بہت تیز چلنے لگے۔ اور ان کے ساتھ ایک مرد قریشی تھا۔ سورج ڈوب گیا اور انہوں نے نماز نہیں پڑھی۔ میں نے ہمیشہ ان کی عادت یہ پائی تھی کہ نماز کی پابندی فرماتے۔ جب انہوں نے دیر کی تو میں نے ان سے کہا نماز، خدا آپ پر رحم فرمائے۔ میری طرف پھر کے دیکھا اور آگے روانہ ہوگئے۔ جب شفق کا اخیر حصّہ رہا۔ اتر کر مغرب پڑھی پھر عشاء کی تکبیر اس وقت کہی گئی جب شفق ڈوب چکی تو اس وقت عشاء پڑھی۔ پھر ہماری طرف منھ کر کے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کو سفر میں جلدی ہوتی تو ایسا ہی کرتے۔

اس حدیث پر طعن کرتے ہوئے شیخ الکل صاحب نے بشر بن بکر کے بارے میں لکھا۔

''کہ وہ غریب الحدیث ہے ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف قالہ الحافظ فی التقریب''

اس پر اعلحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تنقید سنئے:

اولاً ذرا شرم کی ہوتی کہ یہ بشر بن بکر، رجال بخاری سے ہیں۔ صحیح حدیثیں رد کرنے بیٹھے تو اب بخاری بھی بالائے طاق۔

ثانیاً اس صریح خیانت کو دیکھئے کہ تقریب میں صاف صاف بشر کو ثقہ فرمایا تھا اسے ہضم کر گئے۔

ثالثاً محدث جی تقریب میں ''ثقة یغرب'' ہے کسی ذی علم سے سیکھو کہ فلاں یغرب اور فلاں غریب الحدیث میں کتنا فرق ہے؟

رابعاً اغراب کی یہ تفسیر کہ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف۔ محدث جی غریب

اور منکر کا فرق کسی طالب علم سے پڑھو۔

خامساً باوصف ثقہ ہونے کے مجرد اغراب، باعث رد ہو تو صحیحین سے ہاتھ دھو لیجئے۔ یہ اپنی مبلغ علم تقریب ہی دیکھئے کہ بخاری و مسلم کے رجال میں کتنوں کی نسبت یہی لفظ کہا ہے۔ دور مت جایئے یہ بشر خود رجال بخاری سے ہیں۔

سادساً ذرا میزان تو دیکھئے لکھا ہے۔ اما بشر بن بکر التنیسی فصدوق ثقة لا طعن فیه کیوں شرمائے تو نہ ہو گے۔ ایسی ہی اندھیریاں ڈال کر جاہلوں کو بہکا دیا کرتے ہو کہ حنفیہ کی احادیث ضعیف ہیں۔ حاشیے میں گیارہ صحیحین کے ایسے رواۃ کی نشاندہی کی ہے جن میں چھ بخاری کے ہیں اگر پورا تتبع کیا جائے تو اور نکلے گا۔[۲۲]

قسط ثالث: نسائی میں حضرت جابر سے مروی ایک حدیث ہے اس کی سند یہ ہے: اخبرنا محمود بن خالد ثناالولیدثنا ابن جابر ثنی نافع قال خرجت۔ پھر آگے وہی مضمون ہے جو سابقہ احادیث میں گزر چکا۔ اس پر شیخ الکل صاحب نے یہ جڑ دیا کہ اس میں ولید بن قاسم ہے روایت میں اس سے خطا ہوتی تھی کہا تقریب میں صدوق یخطی۔

اب اعلیحضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

اولاً مسلمانو! اس تحریف شدید کو دیکھنا، اسناد نسائی میں یہاں ولید غیر منسوب تھا ملاجی کو چالاکی کا موقع ملا۔ کہ تقریب میں اسی طبقہ کا ایک شخص رواۃ نسائی سے کہ نام اس کا "ولید" اور قدرے متکلم فیہ ہے چھانٹ کر اپنے دل سے ولید بن قاسم تلاش لیا حالانکہ یہ ولید بن قاسم نہیں ولید بن مسلم ہیں۔ رجال صحیح مسلم وائمہ ثقات وحفاظ اعلام سے ہیں۔

ثانیاً بغرض غلط ابن قاسم ہی سہی پھر وہ بھی کب مستحق رد ہیں۔ امام احمد نے ان کی توثیق فرمائی۔ ان سے روایت کی۔ محدثین کو حکم دیا کہ ان سے حدیث سیکھو۔ ابن عدی نے کہا جب کسی ثقہ سے روایت کریں تو ان میں کوئی عیب نہیں اور ابن جابر کا ثقہ ہونا خود ظاہر۔

ثالثاً ذرا رواۃ صحیح بخاری و مسلم پر نظر ڈالے ہوتے کہ ان میں کتنوں کی نسبت تقریب میں یہی صدوق یخطی، بلکہ اس سے زائد کہا ہے۔ کیا قسم کھائے بیٹھے ہو کہ صحیحین کا رد ہی کر دو

گے؟

رابعاً بخاری میں حسان بن حسان بصری سے روایت کی۔ انہیں کہا صدوق یخطی۔ پھر حسان بن حسان واسطی کی نسبت لکھا۔ خلطه ابن منده بالذی قبله فوهم و هذا ضعیف۔ دیکھو صاف بتا دیا کہ جسے صدوق یخطی کہا وضعیف نہیں۔ ملاجی اپنی جہالت سے مردود و واہیات گا رہے ہیں۔

حاشیئے مین اٹھارہ ایسے بخاری و مسلم کی رواۃ کا پتہ دیا جن کے بارے میں صدوق یخطی کہا گیا اور دس ایسے جن کو صدوق کے ساتھ کثیر الخطاء یا اس کے ہم معنی کہا گیا۔ اس قسط میں شیخ الکل کی مہربانی سے، بخاری و مسلم کے اٹھائیس رواۃ ختم ہو گئے جن میں تیئیس بخاری کے رواۃ ہیں۔ آگے بڑھئے۔[۳۷]

قسط اربع: نسائی اور طحاوی کی حدیث صحیح کو عطاف سے معلول کیا اور کہا: وہ وہمی ہے۔ کہا تقریب میں ''صدوق یهم'' اس کے بعد اب اعلحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے ارشادات سنئے:

اولاً عطاف کو امام احمد اور یحیی بن معین نے ثقہ کہا و کفیٰ بهما قدوة۔ میزان میں ان کی نسبت کوئی جرح مفسر منقول نہیں۔

ثانیاً کسی سے پڑھو کہ وہمی اور صدوق یهم میں کتنا فرق ہے۔

ثالثاً صحیحین سے عداوت کہاں تک بڑھے گی۔ تقریب ملاحظہ ہو کہ آپ کے وہم کے ایسے وہمی ان میں کس قدر ہیں۔

حاشیئے میں ایسے رواۃ کے نام گنائے ہیں۔ اس قسط میں صحیحین کے بیس راوی اور گئے جن میں بخاری کے نو ہیں۔

قسط خامس: حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مروی امام طحاوی و امام احمد و ابن ابی شیبا استاذ امام بخاری و مسلم کے رد کو پھر وہی شگوفہ چھوڑا:

''ایک راوی اس کا مغیرہ بن زیاد موصلی ہے اور یہ مجروح ہے کہ وهمی تها قاله

الحافظ فی التقریب"

اب اعلحضرت امام رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

اولاً تقریب میں صدوق کہا وہ صندوق میں رہا۔

ثانیاً وہی اپنی وہمی نزاکت کہ له ادھام کو وہمی کہنا سمجھ لیا۔

ثالثاً وہی صحیحین سے پرانی عداوت تقریب دور نہیں دیکھئے تو کتنے رجال بخاری و مسلم کو یہی صدوق له ادھام کہا ہے۔۔

رابعاً مغیرہ، رجال سنن اربعہ سے ہے۔ امام ابن معین و امام نسائی دونوں صاحبوں نے بآں تشدید شدید فرمایا، لیس به باس۔ اس میں کوئی برائی نہیں۔ زادیحیی له حدیث واحد منکر۔ اس کی صرف ایک حدیث منکر ہے۔ لاجرم وکیع نے ثقہ، ابوداؤد نے صالح، ابن عدی نے عندی لاباس بہ، کہا تو اس کی حدیث حَسَن ہونے میں کلام نہیں اگرچہ درجۂ صحاح پر بالغ نہ ہو۔ جس کے سبب نسائی نے لیس بالقویٰ، ابو احمد حاکم نے لیس بالتین عندھم کہا۔ لا انه لیس بقوی لیس بتین و شتان ما بین العبارتین حافظ نے ثقہ سے درجہ صدوق میں رکھا۔ اس قسم کے رجال اسانید صحیحین میں صدہا ہیں۔

حاشیئے میں صدوق له اوھام صحیحین کے جن رواۃ کے بارے میں کہا گیا ان کی تعداد اٹھارہ گنائی۔ ان میں گیارہ رجال بخاری ہیں۔ اور اخیر میں فرمایا اس قسم کے رجال اسانید صحیحین میں صدہا ہیں۔ ہے

تعصب وعناد اس کا نام ہے کہ احناف کی ضد میں صحیح احادیث پر بلا تکلف ایسی تنقیدیں کرتے گئے کہ بخاری و مسلم کی صدہا حدیثیں صاف ہوگئیں۔ اب اس کا فیصلہ انہیں بزرگوں کو کرنا ہے کہ وہ اپنے شیخ الکل کے ہاتھ کی صفائی تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ ذرھم فی خوضھم یلعبون۔

باب و حدیث میں عدم مطابقت: یہ کئی جگہ بتا آیا ہوں کہ امام بخاری کا مقصد صرف صحیح احادیث کا جمع کرنا نہیں بلکہ وہ جن عقائد و اعمال کو حق مانتے تھے ان کا اثبات اور جسے غلط

مانتے تھے ان کا رد بھی مقصود ہے۔ بلکہ اگر میں یہ کہدوں کہ یہی مقصود بالذات ہے اور احادیث کی تدوین ثانوی درجے میں ہے تو کوئی بے جا بات نہ ہوگی۔ اس پر دو بہت ٹھوس دلیل ہے۔ ایک یہ کہ جب امام بخاری کو ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد تھیں اور صحیح بخاری میں بمشکل ڈھائی ہزار سے کچھ زائد احادیث ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ آخر وجہ ترجیح کیا ہے؟ کیوں ان ڈھائی ہزار کو درج فرمایا اور ساڑھے ستانوے ہزار احادیث کو چھوڑ دیا؟ اس کا جواب صرف یہ ہے کہ بقیہ ساڑھے ستانوے ہزار احادیث ان کے متخرجہ مسائل کے مطابق نہ تھیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے التزام تو اس کا کیا ہے کہ اس کتاب میں کوئی غیر صحیح حدیث نہیں لائیں گے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تعلیقات میں بلا دھڑک ضعاف ذکر کرتے ہیں۔ وہی باب کی تائید۔ جب تائید میں صحیح حدیث نہیں ملی تو ضعیف کو ذکر فرما دیا۔ اگر چہ تعلیقاً ہی سہی۔

کہیں کہیں تو ابواب میں یہ بھی صنعت ہے کہ حدیث کا جو ٹکڑا لائے ہیں اس سے باب کی کوئی مطابقت نہیں مگر اسی حدیث کو اور کوئی محدث لایا ہے جو مفصل ہے۔ اس سے بخاری کے باب کی مطابقت ہوتی ہے۔ مثلاً امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے:

طول الصلوة فی قیام اللیل — رات کی نماز میں قیام کو دراز کرنا

اس کے تحت حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث لائے ہیں:

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کان اذا قام للتهجد من اللیل یشوص فاه بالسواک۔[۵] — نبی ﷺ جب تہجد کے لیے اٹھتے تو اپنا منہ مسواک سے صاف کرتے۔

اس سے باب کو کیا مطابقت۔ مگر کہا جاتا ہے کہ حضرت حذیفہ ہی سے مسلم شریف میں ایک حدیث مفصل ہے۔ اس میں یہ ہے کہ حضور نے تہجد کی ایک رکعت میں سورہ بقرہ سورۂ نساء سورۂ آل عمران پڑھی۔ لیکن یہ حصہ چونکہ امام بخاری کی شرط پر نہیں اس لیے اس کو ذکر نہیں کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ جب یہ حصّہ امام بخاری کی شرط پر نہیں تو ان کے نزدیک یہ حصہ ضعیف ہوا۔ کیا امام بخاری احکام میں احادیث ضعاف کو حجت مانتے ہیں؟ اگر یہ توجیہہ صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ امام بخاری کا مقصود اصلی اپنے عقائد و مسائل کی تدوین پھر اس کی تقویت ہے۔ اور اس پر ان کا اتنی شدت سے عمل ہے کہ اگر حدیث صحیح سے کام نہ چلے تو توضعیف سے کام لے لیتے اگر بقول بعضے اشارۃ ہی۔

علاوہ ازیں جب کہ امام بخاری نے اپنی اس کتاب کا نام رکھا **الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم و سننہ و ایامہ۔** تو پھر کوئی بتائے کہ پھر تابعین و تبع تابعین تک کے اقوال اپنے ابواب کی تائید میں کیوں لاتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ کہیں کہیں باب اور حدیث میں وہ بھی علاقہ نہیں ہوتا جو مگس کے باغ میں جانے اور پروانے کے خون میں ہے دونظیریں حاضر ہیں۔

امام بخاری نے باب باندھا۔ **باب فضل صلوٰۃ الفجر فی جماعۃ** اور حدیث لائے یہ:

والذی ینتظر الصلوٰۃ حتی یصلیھا مع الامام اعظم اجراً من الذی یصلی ثم ینام۔[۶ے]

اس شخص کو زیادہ اجر ملے گا جو جماعت کا انتظار کرتا ہے یہاں تک کہ جماعت سے پڑھتا ہے بہ نسبت اس کے جو نماز پڑھ کر سو رہتا ہے۔

اس حدیث میں عشاء کا ذکر ہے اور جماعت سے نماز پڑھنے کی فضیلت مذکور ہے۔ فجر کی نماز سے اس حدیث کا کیا علاقہ۔

ایک باب باندھا۔ **الماء الذی یغل بہ شعر الانسان** ۔ اس پانی کا بیان جس سے انسان کا بال دھویا جائے اور دو حدیث لائے دونوں کو باب سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک یہ:

عن ابن سیرین قال قلت لعبیدة عندنا من شعر النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم اصبناه من قبل انس اومن قبل اهل انس فقال لان تکون عندی شعرة منه احب الی من الدنیا وما فیها۔[۷۷]	ابن سیرین نے کہا میں نے عبیدہ سے کہا ہمارے پاس نبی ﷺ کے کچھ موئے مبارک ہیں یہ ہمیں انس یا ان کے اہل سے ملا ہے۔ حضور کا ایک بال مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہے۔

دوسری حدیث یہ ہے:

عن انس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم لما حلق راسه کان ابو طلحة اول من اخذ من شعره۔	حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بال اتروائے تو سب سے پہلے ابوطلحہ نے اسے لیا۔

ان دونوں حدیثوں کو باب سے کیا تعلق ہے معمولی پڑھا لکھا انسان اسے سمجھ سکتا ہے۔

تدلیس: امام بخاری نے باآں جلالت شان وعظمت مکان کے کہیں کہیں بالقصد یا بلا قصد تدلیس سے بھی کام لیا ہے۔[۷۸] مثلاً چونکہ امام ذہلی سے یہ ناراض ہو گئے تھے۔ مگر پھر بھی ان سے روایت لی ہے تقریباً بیس جگہ ہوگی۔ مگر کہیں ان کا نام محمد بن یحییٰ نہیں لیا۔ کہ لوگ جان جائیں کہ یہ فلاں ہیں۔ بدل بدل کر نام لیا ہے۔ کہیں صرف محمد کہا کہیں دادا کی طرف نسبت کر کے محمد بن عبداللہ، کہیں پردادا کی طرف نسبت کر کے محمد بن خالد کہا۔ اس میں دو خرابی پیدا ہوئی۔ ایک تو اصل راوی کو سننے والے سمجھ نہیں پائے۔ دوسرے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ محمد۔ محمد بن عبداللہ۔ محمد بن خالد الگ الگ تین راوی ہیں۔ یہ بھی تدلیس ہے۔ کہ راوی اپنے شیخ کا وہ نام وہ کنیت وہ لقب وہ نسبت نہ ذکر کرے جس سے وہ مشہور ہے۔ طبقات المدلسین و بخاری۔

علاوہ ازیں، ابوعبداللہ بن مندہ نے امام بخاری کو مدلس کہا کیونکہ جب ان کا کسی سے سماع نہیں ہوتا تو قال فلاں کہتے ہیں اور سماع ہوتا ہے تو اگرچہ وہ موقوف مقطوع کچھ بھی خواہ ان کی شرط پر نہ ہو قال لنا فلاں کہتے ہیں۔

اگرچہ اتنی بات ہے کہ امام بخاری کی عظمت کے پیش نظر ہم یہی کہیں گے کہ انہوں نے

تدلیس کسی مصلحت کے پیش نظر کی ہے۔ جیسا کہ امام ذہلی کے بارے میں جو مصلحت تھی اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

جامع صحیح بخاری کا ایک مجمل تعارف ہو گیا ان سب باتوں کو ذہن میں رکھئے گا تو آپ پر یہ بات روشن ہو جائے گی کہ صحیح بخاری کی جو بھی پذیرائی ہے وہ صرف ان احادیث کی وجہ سے ہے جو اس میں درج ہیں اور انہیں احادیث کے اعتبار سے کہا گیا ہے کہ بخاری اصح کتب بعد کتاب اللہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی کل کی کل احادیث صحیح ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دیگر کتب احادیث کی بہ نسبت بخاری میں ضعاف بہت کم ہیں۔ رہ گئے ابواب اور ابواب کی تائید میں خود امام بخاری کے ارشادات تو ان کو نہ کسی نے اصح کہا ہے اور نہ ان کی پذیرائی ہے۔ ان ابواب پر پوری امت نے پوری گفتگو کی ہے۔ یہ ابواب نہ ارشادات رسول ہیں اور نہ شریعت کے اٹل قانون۔ وہ امام بخاری کے مستخرجہ ہیں۔ امت کے ہر ذی علم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ امام بخاری کے استنباطات واستخراجات پر کلام کرے اور کرتے آئے ہیں یہی وجہ ہے کہ امام بخاری جن مسائل میں متفرد ہیں۔ ان کو تلقی بالقبول حاصل نہ ہو سکی۔

امام بخاری کی دیگر تصانیف

قضایا الصحابہ والتابعین: یہ امام بخاری کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو ۲۱۲ھ میں لکھی ہے۔ یہ اب تک طبع نہ ہو سکی۔

التاریخ الکبیر: مسجد نبوی میں بیٹھ کر چاندنی راتوں میں لکھی ہے۔ اس وقت عمر مبارک سولہ سترہ سال کی تھی۔ حروف تہجی کی ترتیب پر ہے۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد سے چھپ گئی ہے۔ اس کتاب میں امام بخاری نے حسب عادت حضرت امام اعظم پر بہت بڑی مہربانی کی ہے۔ فرمایا:

''امام صاحب مرجی تھے اس لیے لوگوں نے ان سے ان کی رائے، ان کی حدیث سے سکوت فرمایا۔'' اس میں کہاں تک صداقت ہے وہ آگے آرہا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کثیر

عنایتیں ہیں۔ اسی کتاب کے بارے اسحٰق بن راہویہ نے عبداللہ بن طاہر حاکم ری سے کہا تھا!
الا اریک سحراً۔ کیا میں تمہیں جادو نہ دکھاؤں؟ اب کتاب چھپ گئی ہے جس کا جی چاہے
دیکھ لے اس میں کیا جادو ہے۔

التاریخ الاوسط: یہ کتاب اب تک نہیں چھپ سکی ہے۔ اس کا کوئی قلمی نسخہ شاید جرمن میں
ہے۔

التاریخ الصغیر: اس کی ترتیب سنہ وار ہے۔ یہ بہت ہی مختصر ہے۔ امام بخاری کی یہ تینوں
کتابیں بہت زیادہ قابل نقد ہیں۔ ان کتابوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ اتنے بڑے آدمی
کی تصنیف ہیں۔

الجامع الکبیر: اس کا علمی نسخہ جرمن میں تھا۔

خلق افعال العباد: موضوع نام سے ظاہر ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے
خود خالق ہیں اس کے برخلاف اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالٰی بندوں کا خالق ہے
اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے۔ امام بخاری نے اہلسنت کی تائید میں یہ رسالہ لکھا۔

المسند الکبیر: اس کے بارے میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جرمن میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

اسامی الصحابہ: اس کا ذکر ابو قاسم بن مندہ اور ابوالقاسم بغوی نے کیا ہے۔ اس موضوع پر
سب سے پہلی تصنیف ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ جرمن میں اس کا بھی قلمی نسخہ موجود ہے۔

کتاب العلل: علل حدیث کے موضوع پر غالباً سب سے پہلی کتاب ہے اور بہت عمدہ
ہے۔

کتاب الفوائد: اس کا پتہ صرف اس سے چلتا ہے کہ امام ترمذی نے حضرت طلحہ کے مناقب
میں تزکرہ کیا ہے۔ تفصیل کچھ معلوم نہیں۔

کتاب الوحدان: یہ کتاب امام بخاری کی ہے یا امام مسلم کی دونوں قول ہیں۔ اس میں ان
صحابۂ کرام کا تذکرہ ہے جن سے صرف ایک حدیث مروی ہے۔

الادب المفرد: جامع صحیح کے بعد سب سے زیادہ مفید و مقبول تصنیف ہے اس میں شمائلِ

نبوی کا بیان ہے۔ یہ کتاب مصر اور ہندوستان میں کئی بار چھپ چکی ہے۔

کتاب الضعفاء: حروف تہجی کی ترتیب پر ضعیف راویوں کا ذکر ہے۔ لیکن احناف سے امام بخاری کے تعصب کی جھلک اس میں بھی ہے۔ امام ابو یوسف کو متروک لکھا۔ حالانکہ امام نسائی نے جن کا تشدد بلکہ تعصب بھی مشہور ہے کتاب الضعفاء والمتروکین میں امام ابو یوسف کو ثقہ کہا ہے۔ امام بخاری تو امام ابو یوسف کو متروک کہیں مگر ان کے اساتذہ مثلاً امام احمد یحییٰ بن معین جیسے ائمہ حدیث امام ابو یوسف سے حدیث اخذ کریں اور انہیں صاحب حدیث، صاحب سنت، مصنف فی الحدیث، اثبت، اکثر حدیثا اتبع للحدیث اور حافظ حدیث کہیں۔

غیر مقلدین کے امام ثانی نواب صدیق حسن بھوپالی نے التاج المکلل میں امام ابو یوسف کے بارے میں لکھا:

قاضی ابو یوسف، کوفہ کے امام ابو حنیفہ کے شاگرد فقیہہ عالم اور حافظ حدیث تھے۔ امام احمد، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، تینوں امام ابو یوسف کے ثقہ ہونے پر متفق تھے۔ امام ابو یوسف کے اوصاف بہت ہیں۔ اکثر علماء ان کی فضیلت و تعظیم کے قائل ہیں۔"

اور یہ بات محقق ہے کہ جن کی مدح کرنے والے زیادہ ہوں ان پر جارحین کی جرح کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ خصوصاً جب کہ جرح متعصبین کی ہو۔ امام بخاری کا تعصب سب کو معلوم ہے اور اسی صف میں دارقطنی بھی ہیں۔

کتاب المبسوط: نہ اس کتاب کا کہیں وجود ہے نہ اس کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکا کہ اس کا موضوع کیا تھا۔ خلیلی نے الارشاد میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک غیر مقلد مجتہد صاحب کا قیاس ہے کہ اس کتاب میں بسط کے ساتھ وہ فقہی مسائل ہوں گے جو احادیث سے مستنبط کیے گئے ہیں۔ اگر ان مجتہد صاحب کا اجتہاد صحیح ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ امام بخاری کے ساتھ امت کو والہانہ شغف ہے وہ صرف احادیث کی تدوین کی حد تک ہے۔ رہ گئے ان کے اجتہادات اسے امت نے قبول نہیں کیا بلکہ ان کے تلامذہ نے بھی قبول نہیں کیا۔ ورنہ کتاب المبسوط کو بھی باقی رہنا چاہیے تھا۔ نہ صرف باقی بلکہ چار دانگ عالم میں پھیل جانا چاہیے تھا۔

الجامع الصغیر: اس کا بھی کچھ حال معلوم نہیں صاحب کشف الظنون نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ غالباً جرمنی میں اس کا کوئی قلمی نسخہ موجود ہے۔

کتاب الرقاق: اس کا بھی کچھ حال معلوم نہیں۔ کشف الظنون میں اس کا ذکر ہے۔

برالوالدین: علامہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ موجود ہے۔

کتاب الاشربہ: اس کا ذکر امام دارقطنی نے المؤتلف والمختلف ہیں، ایک کیسہ نام کے راوی کے تذکرے میں کیا ہے۔

کتاب الھبہ: محمد بن حاتم وراق نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اس میں پانچ سو احادیث تھیں۔ یہ کتاب ناپید ہے۔ کہیں اس کا سُراغ نہیں۔

کتاب الکنی: نام سے ظاہر ہے کہ اس کتاب میں رُواۃ کی کنیتوں کو بتایا ہے۔ امام بخاری کی اصل کتاب میں حروف تہجی کی ترتیب نہ تھی۔ امام ذہبی نے اسے حروف تہجی کی ترتیب پر نئے سرے سے مُدون کر کے اس کا نام المقتنیٰ فی سرد الکنیٰ رکھا۔

التفسیر الکبیر: فِربری اور وراق بخاری، محمد بن حاتم کے ذکر سے اس کا پتہ چلا۔ آج ناپید ہے۔

جزء القرأت خلف الامام: قرأت خلف الامام کے اثبات میں یہ رسالہ لکھا ہے۔ اصلِ موضوع پر بقدر ضرورت بحث شرح میں آئے گی یہاں صرف نیازمندانہ اتنی گزارش ہے کہ اس رسالے میں امام بخاری کا سارا خرم احتیاط رخصت ہوگیا ہے۔ ایک فرعی مسئلے پر اتنی انتہاء پسندی کردی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اختلاف امتی رحمۃ حدیث بھی ان کے ذہن مبارک میں نہیں آئی۔ احناف پر ایسے غیظ وغضب کا اظہار ہے کہ افسوس ہوتا ہی۔ حد یہ ہے کہ ایسے غلط مسائل کا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف انتساب ہے۔ جس کو سوائے افتراء اور کوئی دوسرا نام دیا ہی نہیں جاسکتا۔ مزید براں یہ کہ یہاں اپنے مطلب کی احادیث لانے میں صحیح بخاری کی شرائط رخصت ہوگئیں اس کی لم آج تک سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ رسالہ بار بار چھپ چکا ہے۔

جزء رفع یدین: رفع یدین کے اختلاف کا حاصل یہ نہ تھا کہ رفع یدین کرنے سے نماز فاسد ہوجائے گی یا رفع یدین نہ کریں تو نماز ہی صحیح نہ ہوگی۔ مگر امام بخاری کا جلال اس مسئلہ میں بھی شباب پر ہے۔ کہیں احناف کو بے علم کہا کہیں غبی و گمراہی کی منزل تک پہنچایا۔ اس پر بھی غصہ کم نہ ہوا تو اخیر میں یہ تک طنز کردیا کہ پہلے لوگ اول فالاول کو اَعلم سمجھتے تھے اور احناف الآخر فالآخر کو اَعلم سمجھتے ہیں۔ یہ تو اپنے موقع پر آئے گا کہ اس ارشاد کے مصداق خود امام بخاری ہیں یا احناف۔ اتنی بات تو سب کو معلوم ہے کہ امام اعظم امام بخاری سے ایک صدی پہلے گزرے ہیں۔ یہ بھی طبع ہوچکا ہے۔

ایک ارشاد: آج تحصیل علم میں کتنی کاہلی ہے طلبہ کتنے آرام طلب ہیں۔ علماء کتنے سہل پسند ہیں وہ سب پر ظاہر ہے۔ ہم اس سلسلے میں امام بخاری کا ایک ارشاد نقل کردینا ضروری سمجھتے ہیں شاید ہم کاہلوں کے لیے کچھ مہمیز کا کام کرے۔

تدریب الراوی وقسطلانی میں یہ مذکور ہے کہ قاضی ولید بن ابراہیم "رَی" کی قضا پر فائز تھے۔[۷۹] ان کا بیان ہے کہ جب مجھے علم حدیث کا شوق ہوا تو امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض مدعا کیا تو فرمایا: اے بیٹے! کسی کام کو اس وقت تک شروع نہ کرو جب تک کہ اس کے حدود اور مقادیر کو نہ جان لو۔ میں نے عرض کیا۔ علم حدیث کے حدود و مقادیر کو بیان فرمائیں تو ارشاد فرمایا:

اعلم ان الرجل لا یپیر محدثا کاملانی حدیثه الا بعد ان یکتب اربعا مع اربع۔ کاربع مثل اربع فی اربع عند اربع باربع علیٰ اربع عن اربع لاربع و کل هذه الرباعیات لاتتم الا باربع مع اربع فاذاتمت له کلها هان علیه اربع، وابتلیٰ باربع فاذاصبر علیٰ ذلک اکرمه اللّٰه تعالیٰ فی الدنیا باربع و اثابه فی الاٰخرة باربع۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر بارہ رباعیات کے کوئی محدث کامل نہیں ہوسکتا۔ ان بارہ رباعیات کے بعد اگر ایک اور رباعی پر صبر کرے گا تو اسے ایک رباعی دنیا میں اور ایک رباعی آخرت میں ملے گی۔ قاضی ولید کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر گھبرا گیا۔ میں نے درخواست کی کہ اس

کی شرح فرمادیں۔ تو امام بخاری نے اس کی شرح یہ کی۔[۸۰]

(1)ان یکتبا ربعا۔ یعنی چار چیزیں لکھے۔ (اول) احادیث رسول ﷺ (دوم) صحابۂ کرام کے حالات اور ان کی تعداد (سوم) تابعین کے احوال (چہارم) بعد کے علماء کے احوال اور ان کی تاریخ۔

(2)مع اربع۔ چار چیزوں کے ساتھ لکھے۔ (اول) راویوں کے نام (دوم) ان کی کنیت (سوم) ان کی سکونت (چہارم) ان کی ولادت اور وفات کی تاریخ۔

(3)اربع۔ چار کے مثل جیسے خطیب کے لیے اللہ کی حمد اور توسل کے ساتھ دعاء اور سورتوں کے لیے بسم اللہ۔ اور نماز کے لیے تکبیر لازم ہے۔ اسی طرح راویوں کے نام کنیت، جائے سکونت ولادت و وفات کی تواریخ جاننی لازم ہے۔

(4)مثل اربع۔ چار کے مثل (اول) مسندات (دوم) مرسلات (سوم) موقوفات (چہارم) مقطوعات۔ ہر قسم کی احادیث کا جاننا ضروری ہے۔

(5)فی اربع۔ چار میں (اول) کم سنی (دوم) جوانی (سوم) ادھیڑ عمر میں (چہارم) بڑھاپے میں۔

(6)عند اربع۔ چار حالتوں میں (اول) عدیم الفرصتی (دوم)فرصت کے وقت (سوم) کشائش کے وقت (چہارم) تنگدستی کے وقت۔

(7)بار بع۔ چار جگہوں میں۔ پہاڑ، سمندر، آبادی، جنگل۔

(8)علی اربع۔ چار چیزوں پر۔ پتھروں پر، ٹھیکروں پر، چمڑوں پر، ہڈیوں پر لکھے جب تک کاغذ میسر نہ ہو۔

(9)عن اربع۔ ان میں سے جو عمر میں بڑے ہوں۔ جو ہم عمر ہوں، جو عمر میں کم ہو۔ اپنے باپ کی کتاب سے اگر یہ یقین ہے کہ یہ اس کے باپ ہی کی کتاب ہے۔

(10)لاربع۔ چار مقصد کے لیے۔ اللہ کی خوشنودی کے لیے۔ اس پر عمل کرنے کے لیے بشرطیکہ جو کتاب اللہ کے موافق ہو اور طلبہ میں اسے پھیلانے کے لیے۔ تالیف کے لیے

تاکہ اس کے بعد اس کا ذکر باقی رہے۔

دس رباعیاں بغیران دو رباعیوں کے پوری نہ ہوں گی۔ وہ یہ ہیں۔

(11)الابار بع۔ بغیر ان چار چیزوں کے پوری نہ ہوں گی۔ لکھنے کا ڈھنگ، علم لغت، علم نحو، علم صرف۔

(12)مع اربع۔ ان چار چیزوں کے ساتھ جو عطائی ہیں۔ صحت، قدرت، شوق، قوت حافظہ۔

جب یہ اڑتالیس باتیں کسی کو نصیب ہوجائیں تو پھر چار چیزیں اس کی نظروں میں ہیچ ہوجاتی ہیں۔

(۱۳)ھان علیه اربع۔ بیوی، اولاد، مال، وطن۔

(۱۴) وابتلیٰ باربع۔ چار چیزوں میں آزمایا جاتا ہے۔ دشمنوں کے تیرونشتر، دوستوں کی ملامت، جاہلوں کے طعن، علماء کے حسد سے۔

اور جب ان سب پر صبر کرے گا تو۔

(۱۵) اکرمه الله فی الدنا اربع۔ اللہ عزوجل اسے دنیا میں چار نعمتوں سے نوازے گا۔ قناعت کی عزت، ہیبت، علم کی لذت اور حیاتِ ابد۔

(۱٦) واثابه فی الاٰخرة باربع۔ اور آخرت میں چار نعمتیں عطا فرمائے گا۔ اپنے متعلقین میں سے جسے چاہے اس کی شفاعت۔ عرش کے نیچے سایہ جس دن سوائے عرش کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ نبی ﷺ کے حوض کوثر سے جسے چاہے گا پلائے گا۔ اعلیٰ علیین اور جنت مین انبیاء کرام اک جوار قدس عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا۔ میں نے اپنے اساتذہ سے متفرق جو سنا تھا اکٹھا تم کو بتادیا۔ اب تمہیں اختیار ہے علم حدیث حاصل کرو یا یہ ارادہ ترک کردو۔

قاضی ولید نے کہا! یہ سب سن کر مجھ پر ہَول سوار ہوگیا۔ میں غور کرتا رہا مگر کچھ نہ بول سکا۔ ادب سے گردن جھکادی۔ تو امام بخاری نے فرمایا۔ اگر ان مشقتوں کے اٹھانے کی تم میں

طاقت نہیں تو فقہ حاصل کرلو۔ اس لیے کہ گھر بیٹھ کر فقہ کا حاصل کرنا ممکن ہے۔ اس کے لیے لمبے لمبے سفر شہر شہر قریہ قریہ گھومنے اور سمندروں، دریاؤں کے طے کرنے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ فقہ بھی حدیث ہی کا ثمرہ ہے۔ اور آخرت میں فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں۔ اور نہ فقیہ کی عزت محدث سے کم ہے۔ قاضی ولید کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ سنا تو میں نے طلب حدیث کا ارادہ ختم کردیا اور فقہ حاصل کرنے لگا یہاں تک کہ اس میں آگے ہوگیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دور میں علم حدیث کی تحصیل کے لیے یہ بارہ رباعیاں لابدی تھیں۔ مگر آج اگرچہ یہ بارہ رباعیاں ضروری نہیں۔ مگر پھر بھی ان کی غالب اکثر ضروری ہیں۔ امام بخاری نے اپنے ذوق و وجدان کے مطابق علم فقہ کو حدیث سے بہت آسان بتایا مگر جو فقہ کی تحصیل میں قدم رکھ چکا ہے وہ جانتا ہے کہ فقہ کے لیے ان بارہ رباعیوں کے ساتھ اور بھی کتنی رباعیاں ضروری ہیں۔ اس لیے کہ فقہ کی بنیاد حدیث کے علاوہ تین اور چیزوں پر بھی ہے۔ کتاب اللہ، اجماعِ امت، قیاس۔

تو حدیث کے لیے یہ رباعیاں ضروری ہیں ہی۔ کتاب اللہ کے لیے کتنی رباعیاں چاہیے؟ اجماع امت کے لیے کتنی رباعیاں چاہیے؟ قیاس کے لیے کتنی رباعیاں چاہیے؟ اگر ہر ایک کی رباعیوں کی تفصیل کی جائے تو ہر ایک کے لیے بارہ بارہ رباعیاں اور ضروری نکل آئیں گی۔

اس کو اب یوں سمجھئے کہ جب فقہ کی بنیاد چار چیزوں پر ہے ان میں ایک حدیث ہے تو علم حدیث، علم فقہ کا ۱/۴ ایک چوتھائی ہوا۔ پھر یہ تو صرف حفظ حدیث کے لیے یہ بارہ رباعیاں ہوئیں اور فقیہ کے لیے صرف حفظ حدیث کافی نہیں۔ اس کے لیے احادیث سے متعلق کتنے علوم کی حاجت ہے وہ بہت تفصیل طلب ہے۔

اس لیے علم کو علم حدیث سے آسان کہنا اس بناء پر ہے کہ امام بخاری نے اس کی چاشنی نہیں چکھی تھی۔ مگر ان کو بھی اخیر میں یہ کہنا پڑا کہ: فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں اس کی عزت محدث سے کم نہیں۔ آخر کیوں؟ خدا کے یہاں تو العطایا بقدر البلایا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بخاری پڑھتے یا پڑھاتے وقت لامحالہ امام بخاری کی عنایتوں سے فقہ حنفی سے سابقہ پڑ ہی جاتا ہے۔ اس خصوص میں ایک طبقہ کو اپنے دل کے پھپھولے توڑنے کا خوب موقع ملتا ہے۔ لیکن اگر کسی حنفی سے پالا پڑ جاتا ہے تو کیا ہوتا ہے اسے شرح میں جگہ جگہ دیکھیں گے۔[۸۱] چونکہ غیر مقلدین فقہ حنفی کی ایسی تصویر کشی کرتے ہیں جس سے ناواقف لوگوں پر یہ تاثر ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کا نہ قرآن سے کوئی تعلق ہے، نہ احادیث سے، نہ اقوال سلف سے، یہ حضرت امام اعظم کی اختراعی خود ساختہ رائیوں کا مجموعہ ہے جن کا قرآن و حدیث میں کوئی وجود نہیں۔ چنانچہ ایک مجتہد صاحب رقم طراز ہیں:

ایسی حالت میں یا تو اہل عراق کی طرح قیاسی تکے چلاتے۔ (سیرت بخاری ص ۳)

اس لیے ہم یہ ضروری جانتے ہیں کہ شرح سے پہلے ایک مختصر خاکہ فقہ حنفی کا بھی ناظرین کے سامنے پیش کردیں۔ امید ہے کہ طالبان حق کے لیے ذریعہ ہدایت ہو۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے بانی فقہ حنفی امام الائمہ سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات پر خصوصاً ان کی حدیث دانی قرآن فہمی پر بقدر ضرورت روشنی ڈال دی جائے۔

مولد و مسکن: حضرت امام اعظم ۸۰ھ میں کوفے میں پیدا ہوئے۔ کوفہ کا نام آتے ہی لوگ چونک جاتے ہیں۔ لیکن کوفہ کے مرکز علم ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنے سفر کے بارے میں خود فرمایا ہے کہ دوبار مصر و شام جانے کا اتفاق ہوا۔ چار مرتبہ بصرہ گیا۔ کوفہ اور بغداد اتنی بار گیا کہ ان کو شمار نہیں کرسکتا۔ اگر کوفے میں کچھ نہیں تھا تو امام بخاری کی کوفہ اتنی زیادہ آمدورفت کیوں ہوئی؟ کیا امام بخاری کوفہ صرف عذر و بے وفائی کی تعلیم و تمرین کے لیے جاتے تھے۔ پھر یہ حالت کوفہ کی حضرت امام اعظم کے وصال کے تقریباً اسی سال بعد تھی۔ اسی سال پہلے کوفہ کا کیا حال رہا ہوگا۔ اس کا اندازہ اس سے کریں کہ وہ زمانہ تابعین کا تھا بلکہ صحابۂ کرام کا اخیر دور تھا۔ **خیر القرون قرنی ثمہ الذین یلونھم ثم الذین یلونھم** کے

آئینے میں اسے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ جب اسی سال کے بعد یہ حال تھا کہ امام بخاری جیسے احادیث کے بحر نا پیدا کنار اپنی تشنگی بجھانے کے لیے اتنی بار کوفہ گئے جس کو وہ اپنے مجبر العقول حافظے کے باوجود شمار نہیں کر سکتے تو اسی سال پہلے دور تابعین میں کوفے کے علم و فضل کا کیا حال رہا ہوگا۔ اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے۔

کوفہ وہ مبارک شہر ہے جسے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے ۱۷ھ میں فاتح ایران حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسایا تھا۔ اس شہر کو حضرت عمر راس الاسلام، راس العرب، جمجمۃ العرب۔ عرب کا سَر حتی کہ رمح اللہ کنزالایمان کہا کرتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قبۃ الاسلام و اہل الاسلام کا لقب دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسے کنزالایمان، جمجمۃ الاسلام، رمح اللہ، سیف اللہ کہا۔ کوفے کو اتنا پسند فرمایا کہ مدینہ طیبہ کے بجائے کوفے کو اپنا دارالخلافت بنایا۔ کوفے والوں نے جس خلوص و سچائی کے ساتھ تن من دھن سے حضرت علی کا ساتھ دیا وہ تاریخ کے صفحات پر زریں اوراق کی طرح تاباں ہے۔

رہ گیا حضرت حسین اور امام زید شہید کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ان تقیہ باز رافضیوں نے کیا جو اسی لیے کوفے میں آباد ہوگئے تھے کہ مسلمانوں کو چین نہ لینے دیں جیسے مدینہ طیبہ میں منافقین تھے۔ اگر منافقین کی وجہ سے مدینہ طیبہ کی عظمت پر کوئی حرف نہیں آسکتا تو ان کے وارثین روافض کی وجہ سے کوفے رپ بھی کوئی داغ نہیں آسکتا۔ کون بستی ہے جو اسلام دشمن عناصر سے پاک ہے؟

اس مُبارک شہر میں ایک ہزار پچاس صحابۂ کرام جن میں ستر اصحاب بدر اور تین سو بیعت رضوان کے شرکاء تھے آ کر آباد ہوئے جس بُر میں یہ نجوم ہدایت اکٹھی ہوں اس کی ضوفشانیاں کہاں تک ہوں گی اس کا اندازہ ہر ذی فہم کرسکتا ہے۔[۸۲] اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوفے کا ہر گھر علم کے انوار سے جگمگا رہا تھا۔ ہر گھر دارالحدیث، دارالعلوم بن گیا تھا۔ حضرت امام اعظم جس عہد میں پیدا ہوئے اس وقت کوفے میں حدیث و فقہ کے وہ ائمہ مسند تدریس کی زینت تھے جن میں

ہر شخص اپنی اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب تھا۔ اور کوفے کی یہ خصوصیت صحاح ستہ کے مصنفین کے عہد تک باقی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری کو اتنی بار کوفہ جانا پڑا کہ وہ اسے شمار نہیں کر سکتے تھے۔ اور صحاح ستہ کے اکثر شیوخ کوفے کے ہیں۔

اس وقت کے مشاہیر: حضرت امام کی ولادت کے وقت کوفے میں جو ائمہ مشاہیر و مقتداء وقت تھے ان میں چند یہ ہیں:

حضرت ابراہیم نخعی فقیہ عراق: فقہ کے ساتھ ساتھ علم حدیث کے مسلم الثبوت امام ہیں۔ متعدد صحابۂ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ان کا صَیر فی الحدیث خطاب تھا یعنی کھری کھوٹی احادیث کا پرکھنے والا۔ ابن شعیب نے کہا کہ بصرہ، کوفہ، حجاز، شام میں ابراہیم سے زیادہ علم والا کوئی نہ تھا۔ حسن بصری، ابن سیرین ان سے اَعلم نہیں تھے۔[۸۳] انتقال پر حضرت شعبی نے کہا کہ انہوں نے اپنے بعد کسی کو اپنے سے زیادہ علم والا نہیں چھوڑا۔ ابوالمثنیٰ نے کہا کہ علقمہ حضرت ابن مسعود کے فضل و کمال کے نمونہ تھے اور ابراہیم نخعی تمام علوم میں علقمہ کے آئینہ ہیں۔[۸۴] حضرت علقمہ کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ فقیہ العراق کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے ۹۶ھ میں وصال فرمایا۔ حضرت امام اعظم کو چھبیس سال ان کا زمانہ نصیب ہوا۔

امام شعبی: متوفی ۱۰۴ھ یا ۱۰۶ھ پانسو صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مغازی کا درس دیتے ہوئے ان کو دیکھا تو فرمایا! واللہ یہ اس فن کو مجھ سے اچھا جانتے ہیں۔

سلمہ بن کُہیل: جندب بن عبداللہ، ابن ابی اوفیٰ، ابوطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ کثیر الروایت اور صحیح الروایت بھی تھے۔

ابواسحٰق سبیعی: ۳۸ صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں جن میں مشاہیر یہ ہیں۔ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابن زبیر، نعمان بن بشیر، زید بن ارقم، علی بن المدینی نے کہا کہ ابواسحٰق کے شیوخ حدیث کی تعداد تین سو ہے۔

سماک بن حرب: اسی ۸۰ صحابہ سے ملاقات کا ان کو شرف حاصل ہے۔ امام سفیان ثوری نے کہا کہ ان سے کبھی حدیث میں غلطی نہیں ہوئی۔

محارب بن دثار: متوفی ۱۱۶ھ حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے۔ یہ کوفے کے قاضی بھی تھے۔ ائمہ حدیث ان کے مداح اور ان کو ثقہ تسلیم کرتے تھے۔

عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود: حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ نہایت ثقہ اور پرہیز گار تھے۔

ہشام بن عروہ بن زبیر: حواری رسول اللہ حضرت زبیر کے پوتے تھے۔ سفیان ثوری، امام مالک، ابن عیینہ ان کے تلمیذ تھے۔ ان کی جلالتِ شان متفق علیہ ہے۔

سلیمان بن مہران معروف باعمش: حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ مؤخر الذکر سے حدیث بھی روایت کی ہے۔ شعبہ و سفیان ثوری کے استاذ ہیں۔ ان کی پیدائش ۵۹ھ یا ۶۰ھ میں ہوئی اور وصال ۱۴۵ھ یا ۱۴۷ھ میں ہوا۔

حماد بن ابی سلمان فقیہ عراق: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث سنی تھی اور بڑے بڑے ائمہ تابعین سے ان کو تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو متوارث علوم چلے آرہے تھے ان کے یہی وارث تھے۔ امام شعبہ مسعر وغیرہ انہیں کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ ان کا ۱۲۰ھ میں وصال ہوا۔ حضرت ابراہیم نخعی کے بعد ان کے مسند پر یہ بیٹھے۔ انہیں بزرگوں کی وجہ سے سفیان بن عیینہ جیسے مسلم الثبوت امام المحدثین یہ فرمایا کرتے تھے مناسک کے لیے مکہ قرأت کے لیے مدینہ، حرام و حلال کے لیے کوفہ ہے۔[۸۵]

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس وقت صحابۂ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفے ہی میں تھے۔ جن کی زیارت سے حضرت امام اعظم مشرف ہوئے۔ ان کا وصال ۸۷ھ میں ہوا۔ حضرت امام

اعظم کو ان کی حیات مبارک کے سترہ سال نصیب ہوئے۔

کوفے کو مرکز علم وفضل بنانے میں ان ایک ہزار پچاس صحابۂ کرام نے جو کیا ہو تو کیا ہی اصل فیض حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود وہ جلیل القدر صحابی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

رضیت لامتی مارضی لھا ابن ام عبدد	میری امت کے لیے ابن مسعود جو پسند
سخطت لامتی ماسخط لھا ابن ام عبد	کریں وہ میں بھی پسند کرتا ہوں اور جو وہ
یعنی ابن مسعود۔[۸۶]	ناپسند کریں میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔

ان کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفے کا قاضی اور وہاں کے بیت المال کا منتظم بنایا تھا۔ اسی عہد میں انہوں نے کوفے میں علم وفضل کے دریا بہائے۔ اسرار الانوار میں ہے:

کوفے میں ابن مسعود کی مجلس میں بیک وقت چار چار ہزار افراد حاضر ہوتے ایک بار حضرت علی کوفہ تشریف لے گئے اور حضرت ابن مسعود ان کے استقبال کے لیے آئے تو سارا میدان ان کے تلامذہ سے بھر گیا۔ انہیں دیکھ کر حضرت علی نے خوش ہو کر فرمایا ابن مسعود! تم نے کوفے کو علم وفقہ سے بھر دیا۔ تمہاری بدولت یہ شہر مرکز علم بن گیا۔

پھر اس شہر کو باب مدینۃ العلم حضرت علی نے اپنے روحانی وعرفانی فیض سے ایسا سینچا کہ تیرہ سو سال گزرنے کے باوجود پوری دنیا کے مسلمان اس سے سیراب ہو رہے ہیں۔ خواہ علم حدیث ہو خواہ علم فقہ۔ اگر کوفے کے راویوں کو ساقط الاعتبار کر دیا جائے تو پھر صحاح ستہ، صحاح ستہ نہ رہ جائے گی۔

امام شعبی نے کہا کہ صحابہ میں چھ قاضی تھے۔ ان میں سے تین مدینے میں تھے۔ عمر، ابی بن کعب، زید۔ اور تین کوفے میں۔ علی ابن مسعود، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔[۸۷]

امام مسروق نے کہا میں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ان میں چھ کو منبع علم پایا، عمر، علی، ابن مسعود، زید، ابوالدردا، اور ابی بن کعب۔ اس کے بعد دیکھا تو ان چھوؤں کا علم ان

دو میں مجتمع پایا۔ علی اور ابن مسعود ان دونوں کا علم مدینے سے بادل بن کے اٹھا اور کوفے کی وادیوں پر برسا۔ ان آفتاب و ماہتاب نے کوفے کے ذرے ذرے کو چمکا دیا۔

زمانہ: اوپر گزر چکا کہ حضرت امام اعظم جس زمانے میں پیدا ہوئے یہ صحابۂ کرام کا اخیر اور تابعین کا ابتدائی دور تھا۔ اس دور میں بھی قریب قریب بیس صحابۂ کرام باحیات تھے۔ جیسا کہ دُرِمختار میں ہے۔ اس کو بعض لوگوں نے مبالغہ پر محمول کیا ہے۔ لیکن میں نے اکمال کی مدد سے جو فہرست مرتب کی ہے۔ [۸۸] وہ مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت کس سن میں ہوئی اس بارے میں دو قول مشہور ہیں۔ ۷۰ھ یا ۸۰ھ زیادہ تر لوگ ۸۰ھ کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن بہت سے محققین نے ۷۰ھ کو ترجیح دی ہے۔ اس خادم کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے کہ حضرت امام کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی۔ اگر ۸۰ھ ہی میں ولادت مانیں تو اس وقت یہ مندرجہ ذیل صحابۂ کرام مختلف دیار میں باحیات تھے۔

(۱) حضرت انس بن مالک بصرہ میں متوفی ۹۲ھ یا ۹۳ھ (۲) حضرت مالک بن الحویرث بصرہ میں متوفی ۹۴ھ (۳) حضرت سہل بن سعد ساعدی مدینے میں متوفی ۸۸ھ یا ۹۱ھ مدینہ طیبہ میں وصال فرمانے والے صحابۂ کرام میں آپ سب کے اخیر ہیں۔ (۴) مالک بن اوس مدینے میں متوفی ۹۲ھ (۵) حضرت واثلہ بن الاسقع شام میں متوفی ۸۳ھ یا ۸۵ھ یا ۸۶ھ (۶) مقدام بن معدیکرب شام میں متوفی ۸۷ھ (۷) حضرت ابو اُمامہ باہلی حمصی، شام میں متوفی ۸۶ھ (۸) ابو الطفیل عامر بن واثلہ بروایۓ مکہ میں متوفی ۱۰۰ھ یا ۱۱۰ھ (۹) حضرت عمرو بن حُریث کوفے میں متوفی ۸۵ھ (۱۰) حضرت عبداللہ بن اوفی کوفے میں متوفی ۸۷ھ کوفے میں وصال فرمانے والے صحابۂ کرام میں سب سے آخر ہیں (۱۱) حضرت ابو امامہ انصاری متوفی ۱۰۰ھ (۱۲) حضرت سائب بن خلاد متوفی ۹۱ھ (۱۳) حضرت ابو البدّاح متوفی ۱۱۷ھ (۱۴) محمود بن ربیع متوفی ۹۱ھ (۱۵) محمود بن لبید متوفی ۹۶ھ (۱۶) قبیصہ بن ذویب متوفی ۸۶ھ (۱۷) حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری متوفی ۸۱ھ (۱۸) حضرت عبداللہ بن جزمصر

میں متوفی ۸۵ھ (۱۹) سائب بن یزید متوفی ۸۰ھ یا ۸۲ھ یا ۹۱ھ یا ۹۴ھ۔[۸۹]

بربنائے تحقیق جب حضرت امام اعظم کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی ہے تو مزید ان صحابۂ کرام کا زمانہ بھی انہیں نصیب ہوا۔ (۲۰) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری مدینے میں متوفی ۷۴ھ (۲۱) حضرت ابوسعید خدری مدینے میں متوفی ۷۴ھ (۲۲) حضرت سلمہ بن اکوع مدینے میں متوفی ۷۴ھ (۲۳) حضرت رافع بن خدیج مدینے میں متوفی ۷۳ھ (۲۴) حضرت جابر بن سمرہ کوفے میں متوفی ۷۴ھ (۲۵) حضرت ابوجحیفہ کوفے میں متوفی ۷۴ھ (۲۶) حضرت زید بن خالد کوفے میں متوفی ۷۸ھ (۲۷) حضرت محمد بن حاطب بروایتے کوفے بروایتے میں متوفی ۷۴ھ (۲۸) حضرت ابوثعلبہ خشنی متوفی ۷۵ھ (۲۹) حضرت عبداللہ بن بُسر متوفی ۷۴ھ (۳۰) سائب بن خباب متوفی ۷۷ھ[۹۰] اگر کچھ اور کوشش کی جاتی تو یہ تعداد اور بڑھ جاتی ان میں سے کم از کم سات صحابۂ کرام کی زیارت حضرت امام نے کی ہے۔ حضرت انس کی۔ ان کو حضرت امام نے کئی بار دیکھا ہے فرمایا کہ وہ سُرخ خضاب استعمال کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن اوفی کو جن کا ۸۷ھ میں کوفے میں وصال ہوا اور سہل بن سعد ساعدی اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ اور عمر بن حریث ان کا بھی ۸۵ھ میں کوفے میں وصال ہوا اور عبداللہ بن حارث بن جزء اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ بلکہ بعض محققین اس کے بھی قائل ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی زیارت کی بلکہ ان سے حضرت امام نے حدیث بھی سنی ہے اس کی کچھ لوگ اس لیے مخالفت کرتے ہیں کہ حضرت جابر کا وصال ۷۴ھ میں ہوا اور حضرت امام کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم بتا آئے ہیں کہ بہت سے محققین نے یہ کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت امام کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی تو کوئی اعتراض نہیں۔ اس تقدیر پر تین اور صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت جابر بن سمرہ، حضرت ابوجحیفہ، حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قول کی بناء پر کوفے ہی وصال فرمایا اس قول کی بنا پر ان حضرات کی بھی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس لیے حضرت امام اعظم تابعی ہوئے اور ان احادیث کے مصداق

ہوئے۔

طوبی لمبن رأنی وامٰن بی و طوبی لمن رای من رأنی	اسے خوشی کا مژدہ ہو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اسے جس نے میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔
لاتمس النار مسلماً رانی و رای من رأنی۔ رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص ۵۵۴	اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔
خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم متفق علیہ۔ مشکواۃ ص ۵۵۳	میری امت میں سب سے بہتر میرے زمانے والے ہیں پھر وہ جوان کے بعد ہیں پھر وہ جوان کے بعد ہیں

یہ وہ فخر ہے جو حضرت امام اعظم کے اقران میں دوسرے ائمہ کو نصیب نہ ہوا نہ امام مالک کو نہ امام اوزاعی کو نہ سفیان ثوری کو نہ لیث بن سعد کو۔ حضرت امام کا تابعی ہونا اتنا محقق ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی کو بھی باوجود شافعی عصبیت کے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ حضرت امام اعظم تابعی تھے انہوں نے کوفے میں اس وقت موجود متعدد صحابہ کی زیارت کی۔

تابعی ہونے کے لیے صحابی کی صرف رویت کافی ہے روایت شرط نہیں جیسے صحابی ہونے کے لیے حضور اقدس ﷺ کی زیارت کافی ہے۔ خود امام بخاری نے صحابی کی یہ تعریف کی ہے۔

من صحب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوراہ من المسلمین فھم من اصحابہ بخاری ج۱ ص ۵۱۵	جسے نبی ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی یا جس نے آنحضور کی زیارت کی وہ حضور کے اصحاب میں سے ہے۔

حضرت امام اعظم کی تابعیت سے انکار بداہت کا انکار ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق حضرت امام اعظم کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی ہے۔ اگر اسے کوئی صاحب صحیح نہ مانیں ۸۰ھ ہی سنِ ولادت مانیں جب بھی خود کوفے میں حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے

صحابہ اور ایک قول کی بنا پر حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ بھی کوفے ہی میں تشریف فرما تھے تو ان حضرات کی زیارت کرنا یقینی ہے۔ اس دور میں مسلمانوں کو صحابۂ کرام کی زیارت اور ان سے حصول برکت کا کتنا شوق تھا یہ سب کو معلوم ہے۔ کیا کسی کو اس کا گمان ہوسکتا ہے کہ حضرت امام اعظم سترہ اٹھارہ یا کم از کم سات آٹھ سال کے ہوگئے اور ان کے شفیق والدین نے انہیں صحابی رسول اللہ کی زیارت اور دعا سے محروم رکھا ہوگا۔ اور اگر بالفرض یہی مان لیا جائے کہ مؤخرالذکر مکے ہی میں تھے تو ان کی زیارت کرنا بھی یقینی ہے۔ اس لیے کہ بربنائے قول صحیح ان کا وصال ۱۱۰ھ میں ہوا ہے۔ اس وقت تک حضرت امام کی عمر مبارک کم از کم تیس سال تھی۔ پہلا حج حضرت امام اعظم نے ۹۶ھ میں اپنے والد کے ہمراہ کیا ہے۔[۹۱] اور حضرت امام اعظم نے پچپن حج کیے تھے۔ ۱۵۰ھ دوسری شعبان کو وصال ہوا ہے۔ اس حساب سے ظاہر کہ حضرت ابوالطفیل کی حیات میں انہوں نے پندرہ حج کیے اور اگر ان کا وصال ۱۰۰ھ میں مانا جائے تو ان کی حیات میں کم از کم پانچ حج کیے۔ کون ایسا بدبخت مسلمان ہوگا کہ اسے معلوم ہو کہ مکہ معظمہ میں صحابی رسول موجود ہیں اور ان کی زیارت کا شرف نہ حاصل کرے۔ اسی طرح بروایت صحیح ثابت ہے کہ حضرت امام نے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی متعدد بار زیارت کی۔ حضرت انس کوفہ تشریف لاتے رہتے تھے حضرت علامہ ابن حجر نے حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن اوفی کی زیارت کی تصریح کی ہے۔ تفصیل کے لیے تبیض الصحیفہ ص ۴ کا مطالعہ کریں۔ علاوہ ازیں تہذیب التہذیب میں بھی حضرت ممدوح نے تصریح کی ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس کو دیکھا ہے۔ علاوہ ازیں ابن سعد نے اپنے طبقات میں بھی اس کی تصریح کی ہے۔ نیز امام ذہبی، امام نووی، خطیب بغدادی، دارقطنی، ابن الجوزی، علامہ زین عراقی، علامہ سخاوی، امام یافعی، امام جزری، امام ابونعیم، علامہ ابن حجر مکی، علامہ ابن عبدالبر سمعانی، علامہ عبدالغنی مقدسی، سبط ابن الجوزی، فضل اللہ توریشی، ولی عراقی، ابن الوزیر علامہ خطیب قسطلانی وغیرہ نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس کی زیارت کی ہے۔ ائمہ احناف میں سے جنہوں نے یہ قول کیا ہے۔ ان کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔

صحابہ سے سماع حدیث: یہ موضوع البتہ غور طلب ہے کہ حضرت امام اعظم نے کسی صحابی سے حدیث سنی ہے یا نہیں جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی صحابی سے حدیث نہیں سنی ان کا سب سے بڑا استدلال یہ ہے کہ اگر حضرت امام اعظم نے کسی صحابی سے حدیث سنی ہوتی تو ان کے اخص الخواص تلامذہ حضرت امام ابو یوسف حضرت امام محمد اسکو ضرور روایت کرتے۔

لیکن یہ کوئی ضروری نہیں۔ امام مسلم امام بخاری کے تلمیذ ہیں اور امام بخاری کے انتہائی مداح مگر اپنی صحیح میں ان سے ایک بھی حدیث نہیں روایت کی۔ اس کے برخلاف حضرت امام ابو یوسف کے واسطے سے ایسی احادیث کی روایت بھی ثابت ہے۔ علامہ موفق نے اپنے مناقب میں امام ابو یوسف کے واسطے سے حدیث نقل فرمائی کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے فرمایا میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الدال علی الخیر کفاعلہ واللّٰہ یحب اعانۃ اللھفان	نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کے مثل ہے اور اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی دستگیری کو پسند فرماتا ہے۔

یہ ایک نظیر ہے ورنہ مناقب موفق کا مطالعہ کریں ان میں امام ابو یوسف کی متعدد ایسی روایتیں ہیں۔ جو حضرت امام اعظم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے براہ راست سنی ہیں۔

اس کے علاوہ مسند حصکفی میں جامع بیان العلم فتح المغیث للسخاوی میں متعدد ایسی احادیث کی نشاندہی کی ہیں جنہیں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے براہ راست صحابہ سے سنی ہیں۔

اس لیے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحابہ کی زیارت اور ان سے روایت دونوں ثابت ہے اور رویت و زیارت کا ثبوت ہر شک و شبہے سے بالاتر ہے۔

تعلیم: حضرت امام اعظم کے بچپن کا زمانہ فتنوں سے بھرا تھا۔ شہنشاہ عبدالملک بن مروان کی طرف سے مشہور زمانہ ستمگر حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا۔ چونکہ پیشوایان مذہب ائمہ وقت

حجاج کی چیرہ دستیوں سے خوش نہیں تھے۔ اس لیے یہی لوگ اس کے مظالم کے زیادہ نشانہ تھے۔ فقہاء محدثین اگرچہ علم فقہ وعلم حدیث کی تعلیم وتدریس میں مصروف تھے۔ مگر پورا عراق حجاج کے مظالم سے بے اطمینانی کی حالت میں تھا۔ حضرت امام اعظم اپنے ابتدائی دور میں آبائی پیشہ تجارت میں مصروف رہے۔ اور کپڑے کا ایک کارخانہ قائم کرلیا تھا۔— مسلمانوں کی خوش بختی کہ ۹۵ھ میں حجاج اور ۹۶ھ میں ولید بن عبدالملک مرگیا۔ اوراس کی جگہ سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ سعادت ازلی نے اس کی رہنمائی کی کہ اس نے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اپنا مشیر خاص بنایا اور مرتے وقت اپنے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ولی عہد کر گیا۔ یہ ۹۹ھ میں مرگیا۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے مسجد خلافت کو زینت بخشی تو انہوں نے جہاں ملک کی سیاسی انتظامی بدعنوانیوں کا ازالہ کیا وہیں احادیث نبویہ وقضایا صحابہ کی تلاش وجستجو اور جمع و تدوین اور نشر واشاعت پر خصوصی توجہ دی جس کی قدرے تفصیل گزرچکی ہے۔

اسی دور میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا اور اس پر محرک یہ واقعہ بھی ہوا۔ حضرت امام ایک دن بازار جارہے تھے۔ راستے میں حضرت شعبی کا گھر پڑتا تھا حضرت امام جب ان کے مکان سے گزرے تو امام شعبی نے ان کو بلایا اور پوچھا کس سے پڑھتے ہوانہوں نے جواب دیا کسی سے نہیں۔ امام شعبی نے فرمایا تم میں استعداد کے جوہر نظر آرہے ہیں۔ علماء کے پاس بیٹھا کرو اس نصیحت نے ان کے دل میں گھر کرلیا پھر پوری توجہ اور اہتمام سے تحصیل علم میں مصروف ہوگئے۔

ابتداء حضرت امام کی توجہ علم کلام پر تھی علم کلام سے مراد آج کا موجودہ علم کلام نہیں بلکہ اس عہد میں مذہبی بنیادی اختلافات پر قرآن وحدیث سے صحیح موقف کی حمایت اور غلط نظریے کی تردید مراد ہے۔ لیکن حضرت امام نے دیکھا کہ مسلمانوں کے عوام وخواص حکام قضاۃ زہاد سب کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ فقہ ہے۔ ایک دن ایک عورت آئی اور اس نے حضرت امام اعظم سے یہ پوچھا کہ سنت کے طریقے پر طلاق دینے کی کیا صورت ہے یہ خود نہ بتا سکے اس سے کہا کہ حضرت حماد سے جاکر پوچھ لے اور وہ جو بتائیں مجھے آکر بتا دینا۔ حضرت حماد کا گھر

قریب ہی تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ عورت واپس آئی اور حضرت حماد کے جواب کو بتایا۔ حضرت امام اعظم فرماتے ہیں اس سے مجھے بہت غیرت ہوئی اور اٹھا حضرت حماد کے یہاں حاضر ہوا اور ان سے فقہ حاصل کرنے لگا۔

تحصیل حدیث: احناف کی کتب فقہ و اصول فقہ اس کی شاہد عدل ہیں کہ فقہ حنفی کی بنیاد، کتابُ اللہ، احادیث رسول اللہ پھر اجماع امت پر علی الترتیب ہے۔ سب پر مقدم کتابُ اللہ ہے۔ کتاب میں کوئی حکم شرعی ملتا ہے تو وہ سب پر مقدم ہے اگرچہ وہ صراحۃً نہ ملے۔ اشارۃً ملے اقتضاء ملے۔ جب کتاب اللہ میں کوئی حکم نہیں ملتا تو دوسرے درجہ پر احادیث ہیں۔ جب احادیث میں بھی کوئی حکم نہیں ملتا تو امت کے اجماع کو دیکھتے ہیں۔ اگر اس خصوص میں امت کا اجماع نہیں ملتا تو اس کے بعد قیاس کی منزل آتی ہے۔ یہ ترتیب وہی ہے جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یمن جاتے وقت حضور اقدس ﷺ کے استفسار پر عرض کیا تھا۔ جس کو حضور اقدس ﷺ نے بے حد پسند فرمایا اس کی تفصیل یہ ہے حضور اقدس ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا والی نامزد فرمایا تو پوچھا اے معاذ! فیصلہ کس بنیاد پر کرو گے انہوں نے عرض کیا اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ تو۔ عرض کیا رسول اللہ کی سنت سے۔ فرمایا اگر اس میں بھی تم نہ پاؤ تو۔ عرض کیا اجتھد برائی۔ پورا غور و خوض کر کے اپنی رائی سے فیصلہ کروں گا۔ یہ جواب سن کر حضور اقدس ﷺ نے جوش مسرت میں ان کے سینے پر دست مبارک ملا اور فرمایا:

الحمد للّٰہ الذی وفق رسول، رسول اللّٰہ لما یرضی بہ رسول اللّٰہ۔[۹۲]

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو رسول کو پسند ہے۔

اس پر احناف کے لاکھوں لاکھ مسائل کا ایک ایک جزئیہ شاہد ہے۔ احناف کو اس بارے میں اتنا اہتمام ہے کہ کتاب اللہ کے عام میں قیاس تو قیاس خبر واحد سے بھی تخصیص نہیں کرتے۔ کتاب اللہ کے مطلق کو قیاس تو بہت بعید ہے خبر واحد سے بھی مقید نہیں کرتے۔ اس پر ذیل کا

واقعہ شاہد ہے۔ میزان الشریعۃ الکبریٰ میں امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں ابو مطیع نے کہا۔ میں کوفے کی جامع مسجد میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ تھا کہ حضرت امام جعفر صادق، سفیان ثوری۔ مقاتل بن حیان۔ حماد بن سلمہ وغیرہ بہت سے فقہاء آئے۔ ان حضرات نے، حضرت امام ابوحنیفہ سے کہا۔ ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ آپ دین میں قیاس بہت کرتے ہیں اس سے ہمیں اندیشہ ہے۔ اس پر حضرت امام نے ان لوگوں کے سامنے اپنے مسائل پیش کیے۔ اور صبح سے زوال کے پہلے تک ان لوگوں سے مناظرہ ہوتا رہا۔ امام نے کہا میں کتاب اللہ پر عمل سب پر مقدم رکھتا ہوں۔ پھر سنت پر پھر صحابہ کے متفقہ فیصلے پر۔ پھر ان کے مختلف فیہ فیصلوں میں جو قوی ہو اس پر۔ اس کے بعد قیاس کرتا ہوں۔ حضرت امام اعظم نے جو اصول بتائے اسی پر اپنے تمام مسائل ثابت کر دیئے جس کے نتیجے میں وہ حضرات باغ باغ ہو گئے اور سب نے ان کے ہاتھوں اور گھٹنوں کو بوسے دیئے اور فرمایا۔

انت سید العلماء فاعف عنا فیما مضی منامن و قیعتنا فیک بغیر علم فقال غفر اللّٰہ تعالیٰ لنا ولکم اجمعین

آپ علماء کے سردار ہیں اب تک ہم نے غلط فہمی میں آپ کو جو کچھ کہا ہے اسے معاف کر دیں امام نے فرمایا۔ اللہ مجھے اور آپ سب لوگوں کو معاف فرمائے۔

چونکہ احادیث فقہ کی بھی بنیاد ہیں اور کتاب اللہ کے معانی و مطالب کی بھی اساس ہیں۔ اس لیے حضرت امام اعظم نے حدیث کی تحصیل میں انتھک کوشش کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حدیث کا درس شباب پر تھا۔ تمام بلاد اسلامیہ میں اس کا درس زور و شور کے ساتھ جاری تھا اور کوفہ تو اس خصوص میں ممتاز تھا۔ کوفے کا اس وصف خصوصی میں امتیاز امام بخاری کے عہد تک باقی رہا۔ اسی لیے موصوف کوفہ اتنی بار گئے کہ خود فرمایا شمار نہیں کر سکتا۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض و عناد کی بنا پر کوفے سے شدید نفرت رکھنے والے ایک مجتہد صاحب نے کوفے کے ان مشاہیر کی تعداد تیرہ بتائی ہے جن سے امام بخاری کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ جب کہ مدینہ طیبہ کے ایسے مشائخ کی تعداد صرف چھ اور مکہ معظمہ کے صرف

پانچ اور بغداد کے صرف چار بتا سکے ہیں۔[۹۳]

اس سے ظاہر ہے کہ اسی ۸۰ سال کے بعد جب کوفے کا یہ حال تھا تو اسی سال پہلے عہد تابعی میں کوفے کی گلیوں میں علم حدیث کا دریا کتنا موجزن رہا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو شہر ایک ہزار پانچسو صحابۂ کرام کے قدوم میمنت لزوم سے فیض یاب ہو چکا ہو وہ بھی ان منتخب سابقین اولین سے جن میں ستر بدری اور تین سو اصحاب بیعت رضوان تھے۔ پھر جسے باب العلم حضرت علی حضرت سعد بن وقاص حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت مغیرہ بن شعبہ حضرت ابو موسی اشعری حضرت عبداللہ بن عباس رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے اپنے اپنے وجود باوجود سے خیروبرکت کا سرچشمہ بنا دیا ہو وہ یقیناً اسی لائق ہے کہ امیر المومنین فی الحدیث ہونے کے لیے امام بخاری بھی اس شہر کے تمام بلاد اسلامیہ سے زیادہ محتاج رہے۔

حضرت امام نے حدیث کی تحصیل کی ابتدا یہیں سے کی۔ کوفے میں کوئی ایسا محدث نہ تھا جس سے آپ نے حدیث اخذ نہ کی ہو۔ ابوالمحاسن شافعی ہیں مگر ان کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ترانوے وہ مشائخ ہیں جو کوفے کے ساکن تھے یا کوفے میں تشریف لائے جن سے امام اعظم نے حدیث اخذ کی اور یہ تو کوئی بھی تہذیب الاسماء تذکرۃ الحفاظ وغیرہ کا مطالعہ کر کے معلوم کرسکتا ہے کہ امام صاحب نے کوفے کے ایسے ۲۹ محدثین سے حدیث حاصل کی جن میں اکثر تابعی تھے جن میں چند مشاہیر کے نام ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ یہ مسلم الثبوت ائمہ محدثین ہیں کہ سفیان ثوری امام احمد بن حنبل وغیرہ کے سلسلۂ استاد میں ان میں کے اکثر بزرگ ہیں۔ حضرت امام اعظم کے مشائخ حدیث ہیں، امام شعبہ بھی ہیں انہیں دو ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ سفیان ثوری نے انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق مین حدیث اتنی عام نہ ہوتی۔ ۱۶۰ھ میں وصال ہوا۔ جب سفیان ثوری کو ان کی وفات کی خبر پہنچی تو انہوں نے کہا کہ آج علمِ حدیث مر گیا۔ امام شعبہ کو حضرت امام اعظم سے قلبی لگاؤ تھا۔ غائبانہ ان کی ذہانت ونکتہ رَسی کی تعریف کرتے رہتے ایک بار ذکر آیا تو شعبہ نے کہا جس طرح مجھے یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہم

نشین ہیں۔ یحییٰ بن معین استاذ امام بخاری سے کسی نے امام اعظم کے بارے میں پوچھا کہ ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا اس قدر کافی ہے کہ "شعبہ" نے انہیں حدیث روایت کرنے کی اجازت دی شعبہ آخر شعبہ ہی تھے۔ عقود الجمان باب دہم۔

کوفے کے علاوہ حضرت امام اعظم نے بصرے کے تمام محدثین سے حدیثیں حاصل کیں۔ اس وقت بصرہ بھی علم وفضل خصوصاً علم حدیث کی بہت اہم درسگاہ تھا۔ یہ شہر بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسایا تھا اور یہ شہر خصوصیت سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ مرکز حدیث بن گیا تھا۔ علامہ ذہبی جیسے مبصر نے دوسرے تیسرے دور میں جن عظیم شخصیتوں کو محدث کا خطاب دیا ہے وہ بصرے یا کوفے کے رہنے والے یا یہاں اکثر آمدورفت رکھنے والے تھے۔ تذکرۃ ا ط۔

حضرت امام اعظم نے ان دونوں مراکز سے ہزاروں ہزار احادیث حاصل کیں۔ مگر امام اعظم ہونے کے لیے ابھی اور بہت کچھ ضرورت باقی تھی یہ کمی حرمین طیبین سے پوری فرمائی۔ گذر چکا کہ پہلا سفر حضرت امام نے ۹۶ھ میں کیا تھا اور عمر میں ۵۵ حج کیے ۱۵۰ھ میں وصال ہوا تو اس سے ثابت ہوا کہ ۹۶ھ کے بعد کسی سال حج ناغہ نہ ہوا۔ اس لیے حرمین طیبین کی حاضری کم از کم ۵۵ بار ۹۶ھ کے بعد سے مسلسل بلاناغہ ہوئی۔ اس عہد میں حضرت عطاء بن رباح مکہ معظمہ میں سرتاج محدثین تھے۔ یہ تابعی ہیں دوسو صحابۂ کرام کی صحبت کا ان کو شرف حاصل ہے۔ خصوصاً حضرت ابن عباس، ابن عمر، اُسامہ، جابر، زید بن ارقم، عبداللہ بن سائب، عقیل بن رافع، ابوالدرداء، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی احادیث سنی ہیں۔ یہ محدث ہونے کے ساتھ ہی ساتھ بہت عظیم مجتہد بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے تھے کہ عطاء کے ہوتے ہوئے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں۔ ایام حج میں حکومت کی طرف سے اعلان عام ہوجاتا تھا کہ، عطاء کے علاوہ اور کوئی فتویٰ نہ دے۔ اساطین محدثین، امام اوزاعی، امام زہری، امام عمرو بن دینار انہیں کے تلمیذ خاص تھے۔

حضرت امام اعظم جب ان کی خدمت میں تلمذ کے لیے حاضر ہوئے تو حضرت عطاء نے

ان کا عقیدہ پوچھا امام اعظم نے کہا میں اسلاف کو بُرا نہیں کہتا، گنہگار کو کافر نہیں کہتا۔ ایمان بالقدر رکھتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت عطاء نے داخل حلقہ درس کیا۔ دن بدن حضرت امام کی ذکاوت فطانت روشن ہوتی گئی۔ جس سے حضرت عطاء ان کو قریب سے قریب تر کرتے رہے یہاں تک عطاء دوسروں کو ہٹا کر امام اعظم کو اپنے پہلو میں بٹھاتے۔ حضرت امام جب مکہ حاضر ہوتے تو اکثر حضرت عطاء کی خدمت میں حاضر رہتے۔ ان کا وصال ۱۱۵ھ میں ہوا تو ثابت ہوا کہ تقریباً بیس سال ان سے استفادہ کرتے رہے۔

مکہ معظمہ میں حضرت امام نے ایک اور وقت کے امام حضرت عکرمہ سے اخذ علوم فرمایا۔ عکرمہ سے کون واقف نہیں۔ یہ حضرت علی ابوہریرہ، ابن عمر، عقبہ بن عمرو، صفوان، جابر، ابوقتادہ ابن عباس رضاون اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تلمیذ ہیں۔ تقریباً ستر مشاہیر ائمہ تابعین تفسیر و حدیث میں ان کے تلمیذ ہیں۔

مکہ معظمہ عام دنوں میں مرکز علم وفن تھا ہی حج کے ایام میں پوری دنیاء اسلام کے ائمہ حدیث وتفسیر وفقہ حرمین طیبین میں اکٹھے ہوجاتے۔ اس لیے حج کے ایام میں ان سب سے اخذ فیض کا بہت اچھا موقع ہوتا۔ اور حضرت امام اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے مکہ معظمہ ہی میں امام شام حضرت اوزاعی سے ملاقات ہوئی۔ اور ان کا حضرت امام سے مشہور مناظرہ ہوا جس سے امام اوزاعی کی حضرت امام سے مکمل صفائی ہوگئی اور مکہ معظمہ ہی میں دوسرے امام شام حضرت مکحول سے بھی ملاقات ہوئی۔

مدینہ طیبہ میں جب حضرت امام حاضر ہوئے تو فقہاء سبعہ میں سے دو بزرگ باحیات تھے۔ ایک سلیمان جن کا دوسرا نمبر تھا۔ یہ حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے۔ دوسرے حضرت سالم یہ حضرت فاروق اعظم کے پوتے حضرت عبداللہ کے صاحبزادے تھے۔ حضرت امام اعظم نے خصوصیت سے ان دونوں اماموں سے احادیث اخذ کیں۔ ان کے علاوہ اور دوسرے حضرات سے بھی فیض پایا۔

کہنے کو تو حضرت امام اعظم کے طلب علم کا میدان صرف کوفے سے بصرہ اور حرمین طیبین

تک محدود ہے مگر اس کی وسعت اتنی ہے کہ چار ہزار شیوخ سے احادیث اخذ کیں۔

امام اوزاعی اور امام باقر کے واقعات

امام اوزاعی ابتداء حضرت امام اعظم سے بہت بدظن تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک جب بیروت، امام اوزاعی کی خدمت میں علم حدیث کی تحصیل کے لیے پہنچے تو انہوں نے ان سے پوچھا کہ کوفے میں ابوحنیفہ کون ہیں؟ جو دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ عبداللہ بن مبارک نے کوئی جواب نہیں دیا۔ واپس چلے آئے۔ دو تین دن کے بعد گئے تو ساتھ میں کچھ لکھے ہوئے اوراق لیتے گئے۔ امام اوزاعی نے ان کے ہاتھ سے وہ اوراق لے لیے۔ سرورق لکھا تھا: قال نعمان بن ثابت۔ ان اوراق کو دیر تک بغور پڑھتے رہے۔ پھر ان سے پوچھا یہ "نعمان" کون ہیں۔ انہوں نے کہا عراق کے ایک صاحب ہیں۔ جن کی صحبت میں میں رہا ہوں۔ فرمایا یہ عظیم شخص ہے۔ عبداللہ بن مبارک نے کہا یہ وہی ابوحنیفہ ہیں۔ جن کو آپ نے مبتدع کہا ہے۔ اب امام اوزاعی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ جب حج کے لیے گئے تو مکہ میں امام اعظم سے ملاقات ہوئی اور انہیں مسائل کا ذکر آیا۔ امام اعظم نے ان مسائل کی توضیح ایسی عمدہ کی کہ امام اوزاعی ششدر رہ گئے۔ عبداللہ بن مبارک بھی موجود تھے۔ امام اعظم کے جانے کے بعد ان سے کہا۔ ان کے فضل و کمال نے ان کو محسود بنا دیا ہے۔ مجھے یقین ہوگیا۔ میری بدگمانی غلط تھی۔ اس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔

حضرت امام کے اساتذہ میں حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ ایک بار مدینہ طیبہ کی حاضری میں جب حضرت امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو ان کے ایک ساتھی نے تعارف کرایا۔ کہ یہ ابوحنیفہ ہیں! امام باقر نے، امام اعظم سے کہا۔ وہ تمہیں ہو جو قیاس سے میرے جد کریم کی احادیث رد کرتے ہو۔ امام اعظم نے عرض کیا۔ معاذ اللہ۔ حدیث کو کون رد کرسکتا ہے۔ حضور اجازت دیں تو کچھ عرض کروں۔ اجازت کے بعد امام اعظم نے عرض کیا۔

حضور! مرد ضعیف ہے یا عورت؟ ارشاد فرمایا۔ عورت۔ عرض کیا۔ وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟ فرمایا مرد کا۔ عرض کیا میں قیاس سے حکم کرتا تو عورت کو، مرد کا دونا حصہ دینے کا حکم کرتا۔ پھر عرض کیا۔ نماز افضل ہے کہ روزہ؟ ارشاد فرمایا نماز۔ عرض کیا قیاس یہ چاہتا ہے کہ جب نماز روزہ سے افضل ہے تو حائضہ پر نماز کی قضا، بدرجۂ اولیٰ ہونی چاہیے اگر احادیث کے خلاف قیاس سے حکم کرتا تو یہ حکم دیتا کہ حائضہ نماز کی قضاء ضرور کرے! اس پر امام باقر اتنا خوش ہوئے کہ اٹھ کر ان کی پیشانی چوم لی۔ حضرت امام اعظم نے ایک مدت تک حضرت امام باقر کی خدمت میں حاضر رہ کر فقہ وحدیث کی تعلیم حاصل کی۔

اس طرح ان کے خلف الرشید حضرت امام جعفر صادق سے بھی اکتساب فیض فرمایا ہے۔

حضرت امام اعظم کے اساتذہ ان کا اتنا ادب کرتے تھے کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں ہوجاتے تھے۔ محمد بن فضل کا بیان ہے کہ حضرت امام ایک بار خضیب کے پاس ایک حدیث سننے کے لیے حاضر ہوئے۔ خضیب نے آتے دیکھا تو تعظیماً کھڑے ہوگئے اور اپنے برابر بٹھایا۔ امام صاحب نے پوچھا کہ شتر مرغ کے انڈے کی بارے میں کیا حدیث ہے؟ خضیب نے کہا۔ **اخبرنی ابوعبیدة عن عبداللّٰہ بن مسعود، فی بیضة النعام یصیبها المحرم ان فیه قیمتها۔**

مکہ معظّمہ کے مشہور امام محدث عارف باللہ حضرت عمرو بن دینار بھی تھے۔ عمر میں حضرت امام سے تیرہ سال چھوٹے تھے مگر ان سے بھی استفادے میں حضرت امام کو عار نہ تھا۔ ان سے بھی حدیث حاصل کی۔ حضرت امام اعظم جب ان کی مجلس میں بیٹھتے تو نہایت مؤدب بیٹھتے اور ادھر حضرت عمرو بن دینار کا حال یہ تھا کہ اگر امام اعظم ہوتے تو کسی اور کی طرف مخاطب نہ ہوتے۔

ابتداء میں لوگ حضرت امام اعظم کی طرف متوجہ نہ ہوئے مگر دن بدن لوگوں کا رجوع بڑھتا گیا۔ کچھ ہی دنوں میں یہ حال ہوگیا جب حج کے لیے جاتے تو اطراف و اکناف میں دھوم مچ جاتی کہ ''فقیہ عراق'' عرب جارہے ہیں۔ جس شہر جس بستی پر گذر ہوتا ہزاروں ہزار کا مجمع

اکٹھا ہوجاتا۔ ایک بار مکہ معظمہ حاضر ہوئے تو فقہا، محدثین دونوں کی اتنی بھیڑ جمع ہوگئی کہ کہیں تل رکھنے کی جگہ نہ رہی۔ شوق کا یہ عالم کہ لوگ ایک پر ایک گرے پڑتے تھے۔ پریشان ہوکر حضرت امام اعظم نے کہا۔ کوئی ہمارے میزبان سے جاکر کہہ دیتا کہ وہ ان لوگوں کا انتظام کردیتے تو اچھا تھا۔ ابوعاصم نبیل موجود تھے۔ انہوں نے کہا میں جاکر کہہ دیتا ہوں۔ یہ چند مسئلے رہ گئے ہیں ان کے جوابات ارشاد فرمادیں۔ حضرت امام اعظم نے ان کو اور نزدیک بلاکر پوری توجہ سے سوالات سنے۔ جوابات دیئے۔ ابوعاصم سے فارغ ہوکر دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کے سوالات کے جوابات دینے لگے کچھ دیر کے بعد خیال آیا کہ کسی شخص نے میزبان سے کہنے کا وعدہ کیا تھا۔ دریافت فرمایا وہ شخص کہاں گئے؟ ابوعاصم وہیں موجود تھے۔ عرض کیا میں نے وعدہ کیا تھا۔ فرمایا تم گئے نہیں۔ ابوعاصم نے منہ لگے شوخ طالب علم کی طرح کہا۔ میں نے کب کہا تھا کہ ابھی جاؤں گا۔ امام نے فرمایا۔ عرف عام میں اس قسم کے احتمالات کی گنجائش نہیں ان الفاظ سے ہمیشہ وہی معنی مراد لیے جائیں گے جو عوام کی غرض ہوتی ہے۔ یہ ایک لطیفہ ہے مگر اس میں بھی حضرت امام نے ایک فقہی کلیہ بیان فرمادیا۔

حضرت امام اعظم نے زیادہ تر احدیث اجلۂ تابعین سے لی ہیں۔ تابعین میں انہیں سے حدیث لی جو مدت تک صحابی کی صحبت میں رہے۔ تقویٰ، علم و فضل، زہد و ورع میں جو اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ اگر معدودے چند ایسے نہیں تو وہ شاذ و نادر ہیں۔ حضرت امام کے وقار کو اپنے اساتذہ کے دلوں میں ان کی قوت اجتہاد نے بہت زیادہ بڑھا دیا تھا۔ یہ کبھی اپنی تحقیق پیش کرنے سے چوکتے نہیں تھے۔

ایک دفعہ حضرت حماد کے ساتھ امام اعمش کو رخصت کرنے کے لیے نکلے۔ مغرب کا وقت ہوگیا۔ پانی ساتھ نہیں تھا۔ تلاش کیا مگر نہیں ملا۔ حماد نے فتویٰ دیا کہ تیمم کرلیا جائے۔ امام اعظم نے کہا اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہیے۔ کچھ آگے بڑھے تو پانی مل گیا سب نے وضو کرکے نماز پڑھی۔

امام شعبی اس کے قائل تھے کہ معصیت میں کفارہ نہیں۔ ایک دفعہ یہ اور امام اعظم کہیں

کشتی پر جارہے تھے یہی مسئلہ چھڑ گیا۔ امام اعظم نے فرمایا کہ گناہ میں بھی کفارہ ہے۔ ظہار کے بارے میں ارشاد ہے:

وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَراً مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْراً۔[۹۴] یقیناً یہ لوگ بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ ظہار گناہ ہے اور اس پر کفارہ ہے۔ امام شعبی نے جھنجھلا کر کہا: اَقَيَّاسٌ اَنْتَ۔ کیا تم بہت قیاس کرنے والے ہو۔[۹۵]

عطاء بن رباح سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے۔

وَاٰتَيْنَاهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ۔[۹۶] اور ہم نے ایوب کو اس کے گھر والے بھی دیئے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور۔

حضرت عطاء نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے حضرت ایوب کی جورو اور اولاد جو مرچکی تھی وہ زندہ کردی۔ اور ان کے ساتھ اتنی ہی اور پیدا کردی۔ حضرت امام اعظم نے کہا۔ جب کوئی شخص کسی کی صلب سے نہ ہو تو وہ اس کی اولاد کیسے ہوگا۔

عظیم محدث ہونے کے شواہد: حضرت امام اعظم کے عظیم محدث ہونے کی سب سے بڑی سب سے روشن سب سے قوی دلیل فقہ حنفی ہے۔ فقہ حنفی کے کلیات، جزئیات کو اٹھا کر دیکھو اور دوسری طرف احادیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھو۔ جن جن ابواب جن جن مسائل میں صحیح غیر مؤل غیر منسوخ کتاب اللہ کے غیر معارض احادیث ہیں وہ سب کے سب فقہ حنفی کے مطابق ہیں۔ اس کی تصدیق کے لیے امام طحاوی کی معانی الاثار، علامہ عینی کی بخاری کی شرح عمدۃ القاری، ابن ہمام کی فتح القدیر کا مطالعہ کرے اور کچھ خلجان رہ جائے تو اعلحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے مجموعہ فتاوی، فتاوی رضویہ کا مطالعہ کرے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس کے حرف حرف کی تصدیق ہوجائے گی۔ اگر معاندین کی یہ بات مان لی جائے کہ حضرت امام اعظم حدیث نہیں جانتے تھے تو ان کا مذہب احادیث کے مطابق کیسے ہے؟

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح سفر السعادت میں تحریر فرمایا

ہے[۹۷] کہ حضرت امام اعظم کے پاس بہت سے صندوق تھے جن میں ان احادیث کے صحائف تھے جنہیں حضرت امام ابوحنیفہ نے سنی تھیں۔ آپ نے تین سو تابعین سے علم حاصل کیا۔ آپ کے حدیث کے شیوخ کی تعداد چار ہزار تھی۔ امام ذہبی اور علامہ ابن حجر نے بھی یہی تعداد بتائی ہے۔ مسند خوارزمی میں سیف الائمہ سے بھی یہی تعداد منقول ہے۔

امام بخاری و مسلم وغیرہ محدثین کے استاذ حضرت یحیی بن معین نے فرمایا۔ امام حدیث ابوحنیفہ ثقہ تھے۔[۹۸]

انہیں کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہ میں جرح و تعدیل کی رو سے کوئی عیب نہیں۔ وہ کبھی کسی برائی سے متہم نہ ہوئے۔[۹۹]

امام ابوداؤد صاحب سنن نے فرمایا: امام ابوحنیفہ امام شریعت تھے۔[۱۰۰]

علامہ ابن حجر مکی ہیمتی شافعی نے لکھا کہ حضرت سفیان ثوری نے فرمایا: امام ابوحنیفہ حدیث و فقہ دونوں میں ثقہ اور صدوق ہیں۔[۱۰۱]

حافظ ابن حجر مکی نے کہا کہ، علی بن مدینی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ سے، ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن العوام اور جعفر بن عون نے روایت کی۔ نیز فرمایا کہ امام ابوحنیفہ ثقہ ہیں ان میں کوئی عیب نہیں۔

حضرت یحیی بن معین نے فرمایا کہ ہمارے لوگ، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں تفریط میں گرفتار ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ امام ابوحنیفہ کی طرف حدیث یا مسائل بیان کرنے میں کسی قسم کی مسامحت یا کذب یا جھوٹ کی نسبت صحیح ہے۔ فرمایا ہرگز نہیں۔[۱۰۲]

اسرائیل بن یوسف نے کہا: امام ابوحنیفہ بہت اچھے شخص تھے۔ حدیث کو کماحقہ یاد رکھتے۔ ان کے برابر کوئی نہیں ہوا۔[۱۰۳]

امام یحییٰ بن معین سے کسی نے دریافت کیا امام ابوحنیفہ کیسے ہیں؟ فرمایا ثقہ ہیں۔ میں نے یہ نہیں سنا کہ کسی نے ان کو ضعیف کہا ہو۔[۱۰۴]

شعبہ بن الحجاج امام اعظم کو لکھا کرتے ہمارے لیے احادیث کی روایت کریں اور

فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ ثقہ اور سچے لوگوں میں سے تھے۔ کبھی ان پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگی۔ وہ اللہ کے دین میں مامون ومعتمد تھے۔ صحیح احادیث بیان فرماتے۔

یزید بن ہارون نے کہا۔ میں لوگوں سے ملا پس کسی کو امام صاحب سے بڑھ کر عاقل و فاضل و پرہیزگار نہ پایا۔[۱۰۵]

یہ امام بخاری کے استاذ ہیں۔ یہ اعظم الناس کہیں اور امام بخاری بعض الناس۔ ابومحمد بن عیاش نے کہا۔ ابوحنیفہ اپنے زمانے کے لوگوں میں افضل تھے۔ خارجہ بن مصعب نے کہا۔ میں ایک ہزار علماء سے ملا ہوں۔ مگر علم و عقل میں ابوحنیفہ جیسا کسی کو نہیں پایا۔ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کے استاذ الاستاذ حضرت عبداللہ بن مبارک کے سامنے کسی نے امام اعظم نے برائی کی تو فرمایا: تم علماء میں ایک ان کا مثل دکھاؤ۔ ورنہ ہمارا پیچھا چھوڑ دو۔ ہمیں عذاب میں مت ڈالو۔ ان کی مجلس میں بڑوں کو چھوٹا دیکھتا میں ان کی مجلس میں اپنے آپ کو جتنا کم رتبہ دیکھتا کسی کی مجلس میں نہ دیکھتا۔ اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں کہ میں افراط سے کام لے رہا ہوں تو میں ابوحنیفہ پر کسی کو مقدم نہیں کرتا۔ نیز فرمایا۔ امام اعظم کی نسبت تم لوگ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ حدیث نہیں جانتے تھے۔ اور فرمایا ابوحنیفہ کی رائے مت کہو حدیث کی تفسیر کہو۔ اگر ابوحنیفہ تابعین کے زمانے میں ہوتے تو تابعین بھی ان کے محتاج ہوتے۔[۱۰۶] نیز فرمایا: خدا کی قسم ابوحنیفہ علم حاصل کرنے میں بہت سخت تھے۔ وہی کہتے تھے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ احادیث ناسخ منسوخ کے بہت ماہر تھے۔ معتبر اور دوسری قسم کی احادیث کو تلاش کرلیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہ قول مشہور ہے۔

لولا ان اللّٰہ تعالیٰ اغاثنی بابی حنیفة وسفیان کنت کسائر الناس۔[۱۰۷]	اگر اللہ تعالیٰ نے امام اعظم اور سفیان کے ذریعہ میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں عام آدمیوں میں سے ہوتا۔

یہ عبداللہ بن مبارک وہ مسلم الثبوت امام ہیں کہ امام بخاری نے جزء رفع یدین میں فرمایا:

اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم تھے۔ اگر لوگ دوسرے کم علم لوگوں کی اتباع کے بجائے ان کیا تباع کریں تو بہتر ہوتا۔

سفیان بن عیینہ نے کہا: عبداللہ بن مبارک اپنے زمانے کے اور شعبی اپنے زمانے کے اور ان کے بعد ابوحنیفہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ میری آنکھوں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔ مکی بن ابراہیم استاذ امام بخاری نے کہا: امام ابوحنیفہ اپنے زمانے کے اعلم علماء تھے۔

غور کریں اس زمانے میں، امام مالک، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام مسعر بن کدام، امام عبداللہ بن مبارک وغیرہ سیکڑوں محدثین موجود تھے۔ انہوں نے امام اعظم کو سب سے زیادہ اعلم کہا۔ یہ مکی بن ابراہیم وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جن سے امام بخاری کو ۱۱/ ثلاثیات نصیب ہوئیں۔[۱۰۸]

امام مالک سے امام شافعی نے متعدد محدثین کا حال پوچھا۔ اخیر میں امام ابوحنیفہ کو دریافت کیا تو فرمایا۔ سبحان اللہ! وہ عجیب ہستی کے مالک تھے۔ میں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔[۱۰۹]

سعید بن عروبہ نے کئی مسائل پر امام اعظم سے گفتگو کی۔ بالآخر یہ کہا ہم نے جو متفرق طور پر مختلف مقامات سے حاصل کیا تھا وہ سب آپ میں مجتمع ہیں۔ امام ذہبی نے اس کا مطلب یہ بتایا کہ انہوں نے جو مختلف دیار و امصار کے کثیر تعداد محدثین سے احادیث حاصل کیں وہ سب امام اعظم کے پاس اکٹھی تھیں۔[۱۱۰]

خلف بن ایوب نے کہا۔ ابوحنیفہ نادر الوجود شخص ہیں۔ اللہ عزوجل کی طرف سے علم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا۔ پھر صحابہ میں تقسیم ہوا پھر تابعین میں پھر ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب میں۔[۱۱۱]

اسرائیل بن یونس نے کہا۔ اس زمانے میں لوگ جن جن چیزوں کے محتاج ہیں۔ امام ابوحنیفہ ان سب کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔[۱۱۲]

حفص بن غیاث نے کہا۔ امام ابوحنیفہ جیسا ان احادیث کا عالم میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو احکام میں مفید اور صحیح ہوں۔[۱۱۳]

ابو علقمہ نے بیان کیا میں نے اپنے شیوخ سے سنی ہوئی بہت سی حدیثوں کو امام اعظم ابوحنیفہ پر پیش کیں۔ تو انہوں نے ہر ایک ضروری حال بیان کیا۔ اب مجھے افسوس ہے کہ کل حدیثیں ان کو کیوں نہیں سنا دیں۔[۱۱۴]

یہ وہ اجلہ ائمہ محدثین ہیں جن کو درمیان سے نکال دیں یا ان کو دروغ گو کہہ دیں تو پھر صحاح ستہ ہی ختم ہوجائے۔ انہوں نے حضرت امام اعظم کے بارے میں کیا کیا کہا وہ سن چکے۔ انصاف و دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ جب آپ ان سب کو ثقہ معتمد متدین ہی نہیں حدیث میں امام مانتے ہیں تو جس طرح روایت احادیث میں صدوق تسلیم کر چکے ان کو ان کے ان اقوال میں بھی صدوق تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔

بشارت نبوی: بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، امام احمد بن حنبل سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور طبرانی معجم کبر میں، شیرازی القاب میں، قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نیز طبرانی اسی معجم میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان کے اوپر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا:

لو کان الایمان عند الثریا لناله رجال من ہولاء۔ بخاری کتاب التفسیر سورہ جمعہ۔ مسلم فضائل صحابہ ص ۳۱۲ ترمذی کتاب التفسیر سورہ جمعہ ص ۱۶۴، مناقب فصل النجم ص ۲۳۲۔

دوسرے طریقے سے یہ الفاظ ہیں۔

لو کان الدین عند الثریا لذھب به رجل من فارس او قال من ابناء فارس حتیٰ یتنادله۔ (مسلم فضائل صحابہ ص ۳۱۲)

تیسرے طریقے سے یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان کی ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا۔ یہ اور ان کے اصحاب **والذی نفسی بیدہ لو کان الایمان متوطا بالثریالتنا له رجال من فارس** (ترمذی تفسیر سورہ محمد ص ۱۵۸)

قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث الالقاب للشیرازی میں یوں ہے۔

لو کان العلم معلقا بالثریالتناله قوم من ابناء فارس۔

معجم کبیر طبرانی میں یہ الفاظ ہیں:

لو کان الایمان معلقا بالثریالاتناله العرب لنا له رجال فارس۔

اسی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ان الفاظ میں ہے۔

لو کان الدین معلقا بالثریالتناله ناس من ابناء فارس۔

ابونعیم نے خود حضرت سلمان فارسی سے یہ حدیث یوں تخریج کی۔

لو کان الدین عند الثریا۔ لذهب رجال من ابناء فارس۔ یتبعون سنتی و یکثرون الصلوٰۃ علی۔

چار صحابۂ کرام سے اس مضمون کی حدیث تھوڑے اختلاف کی ساتھ مروی کہ اگر ایمان، دین، علم ثریا کے پاس ہوتا تو بھی فارس کے مردوں میں سے کچھ مرد یا فارس کا ایک شخص اس کو حاصل کر لیتا۔

اجلہ محدثین نے اس کی تصریح کی ہے۔ کہ اس کے مصداق حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں = تبییض الصحیفہ ص ۳ میں علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ لکھتے ہیں۔

قد بشر صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم بالامام ابی حنیفه فی الحدیث الذی اخرجه ابونعیم فی الحلیة عن ابی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه (الی ان قال) فهذا اصل صحیح یعتمد علیه فی البشارة والفضیلة۔

رسول اللہ ﷺ نے امام ابوحنیفہ کی اس حدیث میں بشارت دی ہے جسے ابونعیم نے حلیہ میں ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے پھر اس حدیث کے مختلف حوالجات دے کے فرماتے ہیں۔ یہ اصل صحیح ہے جس پر بشارت اور فضیلت میں اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

علامہ سیوطی کے شاگرد سیرت شامی کے مصنف علامہ محمد بن یوسف شامی نے بھی اس کی

تائید کی۔ ردالمختار میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

فی حاشبة الشبر املسی غلی المواھب عز العلامة الشامی تلمیذ السیوطی قال ماجرم به شیخنا من ان ابا حنیفة ھوالمراد من ھذا الحدیث ظاھر لاشک فیه لانه لم یبلغ من ابناء فارس فی العلم مبلغه احد۔ ردالمختار ج۱ ص ۳۷	مواہب کے شبراملسی کے حاشیہ میں ہے کہ علامہ سیوطی کے شاگرد علامہ شامی نے کہا وہ جس پر ہمارے شیخ نے یقین کیا ہے کہ ابوحنیفہ ہی اس حدیث سے مراد ہیں۔ بالکل ظاہر ہے اس میں کچھ شک نہیں۔ اس لیے کہ ابناء فارس میں سے کوئی بھی علم میں ان کے درجے تک نہیں پہنچا۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی الخیرات الحسان میں اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فیه معجزة ظاھرة للنبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم حیث اخبر بما سیقع۔ ص ۱۵	یہ نبی ﷺ کا ظاہر معجزہ ہے کہ آئندہ ہونے والی بات کی خبر دی۔

تصانیف امام اعظم

فقہ اکبر: اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مشتمل ایک رسالہ ہے جو بہت متداول متعارف ہے۔ اس کی متعدد شرحیں بھی لکھی گئی ہیں۔ مگر ان تمام شرحوں میں سب سے زیادہ مقبول شرح حضرت ملا علی قاری کی ہے۔ جو بآسانی ہر جگہ ملتی ہے۔ حضرت مولانا بحرالعلوم فرنگی محلی کی بھی ایک فارسی شرح ہے جو چھپ گئی ہے۔

العالم والمتعلم: اس کی تفصیل نہیں معلوم ہوسکی اور نہ کہیں پتہ چلتا ہے کہ کہیں موجود ہے۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں بھی ہیں۔

کتاب السیر، الکتاب الاوسط، الفقہ الابسط، کتاب الردعلی القدریہ، رسالۃ الامام ابی

عثمان التیمی فی الارجاء۔ کتاب الرای۔ اسے ابن ابی العوام نے ذکر کیا ہے۔ کتاب اختلاف الصحابہ۔ اسے ابو عاصم عامری اور مسعود بن شیبہ نے ذکر کیا ہے۔ کتاب الجامع اسے عباس بن مصعب نے تاریخ مرو میں ذکر کیا ہے۔ مکتوب وصایا۔

مسانید: حضرت امام اعظم کے مسانید کے متعدد نسخے تھے۔ ان سب کو ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی متوفی ۶۶۵ھ نے یکجا جمع کر دیا ہے۔ مقدمے میں انہوں نے ان سب کو جمع کرنے کا سبب یہ لکھا ہے کہ شام میں بعض جاہلوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کو حدیث میں زیادہ دخل نہیں۔ اسی وجہ سے حدیث میں ان کی کوئی تصنیف نہیں۔ اس پر مجھے غیرت آئی اور میں نے ان تمام مسانید کو جنہیں علماء نے امام ابوحنیفہ کی حدیثوں سے جمع کیے تھے اکٹھا کر دیا۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) مسند حافظ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبد اللہ الاستاذ۔

(۲) مسند امام ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد۔

(۳) مسند حافظ ابوالحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ۔

(۴) مسند حافظ ابونعیم الاصبہانی۔

(۵) مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی محمد الانصاری۔

(۶) مسند امام ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی۔

(۷) مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی۔

(۸) مسند ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی۔

(۹) مسند امام ابو یوسف قاضی القضاۃ۔

(۱۰) مسند امام محمد۔

(۱۱) مسند حماد بن امام ابوحنیفہ۔

(۱۲) آثار امام محمد۔

(۱۳) مسند امام ابوالقاسم عبداللہ بن ابی العوام العدی۔

امام خوارزمی نے جن مسانید کو شمار کرائے جن کو انہوں نے یکجا کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی مسانید ہیں۔ جیسے مسند حافظ ابوعبداللہ حنین بن محمد خسرو البلخی المتوفی ۵۲۳ھ مسند امام حصکفی جس کی حضرت ملا علی قاری نے شرح لکھی ہے۔ مسند ماوردی مسند ابن البزاری متوفی ۸۲۷ھ۔ ان دونوں کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

ان مسانید کی اسناد: امام خوارزمی نے اپنی جامع المسانید جن محدثین سے لی ہے۔ ان لوگوں تک اپنی سندیں بھی بیان کردی ہیں۔ اور ان کے کوائف و مناقب بھی ذکر کیے ہیں۔ تانیب الخطیب میں کوثری صاحب نے حضرت امام اعظم کے مسانید کی تعداد اکیس بتائی ہے جن کی سندیں متصل ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے "انسان العین فی مشائخ الحرمین" میں اپنے دادا استاذ علامہ عیسی جعفری مغربی متوفی ۱۰۸۰ھ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت امام اعظم کی ایک ایسی مسند تالیف کی ہے جس میں انہوں نے اپنا سلسلہ سند سیدنا حضرت امام اعظم تک متصل تحریر کیا ہے۔

مشہور حافظ حدیث محمد بن یوسف صالحی شافعی، سیرت شافیہ کبری کے مصنف علامہ سیوطی کے تلمیذ نے، عقود الجان فی مناقب النعمان، میں حضرت امام اعظم کی سترہ مسانید کا سلسلہ روایت بالاتصال مسانید کے جامعین تک بیان کیا ہے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ کا بیان ہے کہ میں حضرت امام اعظم کی تین مسانید کے صحیح نسخوں کے مطالعے سے مشرف ہوا جن پر حفاظ احادیث کے توثیقی دستخط تھے جن کی سندیں بہت عالی اور ثقہ ہیں۔

کوثری صاحب نے تانیب الخطیب میں لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم کی مسانید کو محدثین سفر، حضر میں ساتھ رکھتے تھے۔ مسانید امام اعظم میں احکام کی احادیث کا بہت عمدہ ذخیرہ ہے جن کے رواۃ ثقہ، فقہاء محدثین ہیں۔

علامہ ذہبی نے مناقب الامام الاعظم میں کہا امام الاعظم سے محدثین اور فقہا کی اتنی بڑی جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے۔ جن کا شمار نہیں۔

علامہ مزنی نے تہذیب الاکمال میں ایک سو کے لگ بھگ ایسے کبار محدثین کو شمار کیا ہے۔ جامع المسانید دیکھیں سیکڑوں محدثین کی امام صاحب سے روایات مذکور ہیں جن میں اکثر وہ ائمہ حدیث ہیں جو ائمہ ستہ اور ان کے بعد کے دوسرے محدثین کے شیوخ و اساتذہ بواسطہ یا بلاواسطہ ہیں۔

خصوصیت: حضرت امام اعظم کے مسانید کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں وہ احادیث بھی ہیں جو حضرت امام نے براہِ راست صحابۂ کرام سے سُنی ہیں اور ثلاثیات تو اکثر ہیں جن میں حضرت امام اور حضور اقدس ﷺ تک درمیان میں صرف تین راوی ہیں اور یہ سب کو معلوم ہے کہ یہ زمانہ خیر القرون کا تھا جن میں صدق دامانت، اور ثقہ ہونا اغلب تھا۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ علو سند کی اس فن میں کتنی اہمیت ہے۔ امام بخاری کے تذکروں میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ انہوں نے امام شافعی سے روایت نہیں کہ اس لیے کہ ان کو امام شافعی کے معاصر محدثین کی روایت مل گئی۔ اور یہ بات بدیہی ہے کہ وسائط جتنے زیادہ ہوں گے خطرات اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔ اور وسائط جتنے کم ہوں گے تو ہم یا کسی اور غلطی کے احتمالات کم سے کم ہوتے جائیں گے۔

جرح و تعدیل میں حذاقت: کوئی کامل محدث اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ جرح و تعدیل کی دقتوں میں کامل نظر نہ رکھتا ہو۔ اس خصوص میں حضرت امام اعظم کو امتیازی کمال حاصل تھا۔ مسلم الثبوت محدثین ان کی جرح بطور سند پیش کرتے ہیں۔ امام ترمذی کی جلالت شان سے کون انکار کرسکتا ہے؟ انہوں نے اپنی جامع کتاب العقل میں امام اعظم کا قول، عطاء بن رباح کی تعدیل اور جابر جنفی کی جرح میں تحریر کیا۔ مدخل لعرفة دلائل النبوۃ بیہقی میں ہے۔ ابوسعد سفانی نے امام اعظم کے سامنے کھڑے ہوکر پوچھا کہ سفیان ثوری سے حدث اخذ کرنے کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ فرمایا وہ ثقہ ہیں ان کی احادیث لکھو۔ البتہ جو احادیث ابو اسحٰق عن الحارث کے یا جابر جعفی کے واسطے سے ہوں انہیں نہ لکھو۔ امام اعظم نے فرمایا طلق بن حبیب قدری ہے۔ عیاش بن ربیعہ ضعیف ہے۔ امام سفیان بن عیینہ کا بیان ہے میں جب کوفے

پہنچا تو امام ابوحنیفہ نے میرا تعارف کرایا اور توثیق کی تو لوگوں نے میری احادیث سنیں۔

محدث جلیل حماد بن زید نے کہا کہ عمرو بن دینار کی کنیت ابومحمد ہے۔ یہ مجھے امام ابوحنیفہ ہی نے بتائی۔ ورنہ صرف نام معلوم تھا۔ فرمایا عمرو بن عبید پر اللہ لعنت کرے اس نے کلامی مباحث سے فتنوں کے دروازے کھول دیئے۔ فرمایا جہم بن صفوان۔ مقاتل بن صفوان کو اللہ عزوجل ہلاک کرے۔ ایک نے نفی میں افراط کی دوسرے نے تشبیہ میں غلو کیا۔ فرمایا کسی کو حدیث کی روایت اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ سننے کے وقت سے روایت کے وقت تک اس کو یاد نہ ہو۔ امام اعظم سے دریافت کیا گیا کہ لفظ اخبرنا وغیرہ سے روایت کیسی ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں۔ ابوقطن جیسے عظیم محدث نے امام صاحب کا یہ قول بطور سند پیش کیا کہ شیخ کو حدیث سنا کر بھی حدثنی کے لفظ سے روایت کر سکتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ یہ روایت میرے نزدیک ثابت نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے پائجامہ پہنا ہے۔

قلت روایت کا سبب: میں نے اختصار کے پیش نظر حضرت امام اعظم کے عظیم، جلیل، کامل، اکمل، حاذق، ماہر محدث ہونے کے ثبوت میں چند اسلاف کے گراں قدر قابل اعتماد اقوال پیش کر دیئے۔ ہم نے اپنی طرف سے ان پر کوئی توضیح و تفصیل نہیں کی۔ اس سے ہر طالبِ انصاف فیصلہ کر لے گا کہ حضرت امام اعظم کا حدیث میں بھی اتنا بلند درجہ ہے کہ بڑے بڑے وہاں تک رسائی نہیں حاصل کر سکے۔ اس سلسلے میں حضرت امام کے معاندین اپنے ثبوت میں جو بات پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب اتنے بڑے محدث تھے تو ان سے روایتیں کیوں کم آئی ہیں؟[۱۱۵]

علماء نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ چونکہ شرائط بہت سخت تھے۔ مثلاً بھی مذکور ہوا کہ حضرت امام اعظم کے نزدیک صحت روایت کی شرط یہ ہے کہ سماع کے وقت سے روایت کے وقت تک راوی کو حدیث یاد ہو۔ دوسری شرط یہ تھی حضرت امام اعظم روایت بالمعنی کے قائل نہ تھے۔ روایت باللفظ ضروری جانتے تھے اس لیے روایت کم فرمائی ہے۔

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ جس شان کے محدث تھے اس کے لحاظ سے روایت کم ہے۔ مگر یہ ایسا الزام ہے کہ امام بخاری جیسے محدث پر بھی عائد ہے۔ انہیں چھ لاکھ احادیث یاد تھیں جن میں ایک لاکھ صحیح یاد تھیں۔ مگر بخاری میں کتنی احادیث ہیں۔ وہ آپ معلوم کر چکے۔ غور کیجئے ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے صرف ڈھائی ہزار سے کچھ زیادہ ہیں۔ کیا یہ تقلیل روایت نہیں ہے۔ [۱۱۶]

پھر ان محدثین کی کوشش صرف احادیث جمع کرنا اور پھیلانا تھا مگر حضرت امام اعظم کا منصب ان سب سے بہت بلند اور بہت اہم اور بہت مشکل تھا۔ وہ امت مسلمہ کی آسانی کے لیے قرآن وحدیث واقوال صحابہ سے منقح مسائلِ اعتقادیہ وعملیہ کا استنباط اور ان کو جمع کرنا تھا۔ مسائل کا استنباط کتنا مشکل ہے۔ یہ آگے آرہا ہے۔ اس میں مصروفیت اور پھر عوام وخواص کو ان کے حوادث پر احکام بتانے کی مشغولیت نے اتنا موقع ہی نہ دیا کہ وہ اپنی شان کے لائق بکثرت روایت کرتے۔

یہ صحیح ہے کہ محدثین نے بھی اپنی تصانیف میں ابواب قائم کر کے مسائل کا استنباط کیا ہے بلکہ جیسا کہ میں پہلے عرض کر آیا ہوں بعض حضرات کا مقصود اصلی اپنے مستنبط کیے ہوئے مسائل ہی کو بیان کرنا ہے۔ اور جمع احادیث کی حیثیت ثانوی مقصد ہے۔ لیکن مجھے عرض کرنے دیجئے کہ یہ بھی فیض ہے حضرت امام اعظم کا جیسا کہ حضرت امام شافعی نے فرمایا:

الناس عیال فی الفقه علیٰ ابی حنیفة من لم ینظر فی کتبه لم یتبحر فی العلم ولا یتفقه۔ [۱۱۷]	سب لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔ جس نے امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا اسے علم میں تبحر نہیں حاصل ہوا اور نہ وہ فقیہ ہوا۔

الاہم فالاہم کی ترتیب ہر جگہ لازم ہے۔ حضرات خلفاء راشدین سے اور دیگر اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم کرام سے روایتیں کتنی کم ہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال وکوائف اور ارشادات کو کم جانتے تھے۔ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ میں سب سے

اعلم خلفاء راشدین ہیں۔ مگر ترتیب فضیلت کے برعکس روایت کا درجہ ہے۔ یہ صرف وہی الاہم فالاہم میں مصروفیت کی وجہ سے ہے یہی بات یہاں بھی ہے۔ کہ استخراجِ مسائل اس وقت کی سب سے اہم ضرورت تھی۔ اس میں مصروفیت کی وجہ سے اتنا موقع نہ ملا کہ اپنی شان کے مطابق احادیث کی روایت کرتے۔

فقہ کی حقیقت

ہمارا مقصد اس مقدمہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات بیان کرنے سے صرف فقہ حنفی کا تعارف ہے۔ اس لیے کہ شرح میں اس سے جگہ جگہ سابقہ پڑے گا۔ جزئیات کے ضمن میں فقہ حنفی کا مفصل تعارف موجود ہے۔ مگر اس پر سب کی اس حیثیت سے نظر نہیں جائے گی۔ اس لیے بقدر ضرورت یہاں اس کا ذکر ضروری ہے۔

فضیلت فقہ: جہاد کی فضیلت اور اہمیت سے کسے انکار ہے۔ مگر قرآن کریم میں فرمایا گیا:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ۔[۱۱۸]

مسلمانوں کو یہ نہیں چاہیے کہ سب کے سب نکل پڑیں ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ میں ایک جماعت نکلے تا کہ دین کی سمجھ حاصل کرے۔

اور ارشاد ہوا:

وَمَنْ يُؤْتَ الحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْراً كَثِيراً۔[۱۱۹]

جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت بھلائی دی گئی۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد احکام ہیں۔

امام بخاری نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين۔[۱۲۰]

جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

نضر الله عبداسمع مقالتي فحفظها ودعاها واداها فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هوافقه منه۔ رواه احمد والترمذي و ابوداؤد و ابن ماجة والدارمي عن زيد بن ثابت۔[۱۲۱]

اس بندے کو اللہ عزوجل تروتازہ رکھے جس نے میرے ارشاد کو سنا پھر یاد کیا اور محفوظ رکھا اور دوسرے تک پہنچایا کتنے فقہ کے حامل نہیں کتنے فقہ کے حامل سے زیادہ فقیہ وہ ہے جس کو اس نے پہنچایا۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بات کو سن کر اسے کماحقہ یاد رکھنا کمال ضرور ہے مگر کماحقہ یاد رکھنے کے ساتھ ہی ساتھ اسے بخوبی سمجھ لینا اس سے کئی گنا زیادہ کمال ہے۔ یہی وہ حد فاصل ہے جو ایک فقیہ کو ایک محدث سے ممتاز کرتی ہے۔ محدث کا کام احادیث کو صحت کے ساتھ یاد رکھنا ہے اور فقیہ کا کام اس کے ساتھ ساتھ اسے شارع کے منشاء کے مطابق سمجھنا ہے۔[۱۲۲] پھر اس سے احکام کا استخراج ہے۔ ان دونوں باتوں کے لیے کتنی وسعت علم اور ذکاوت فطانت کی ضرورت ہے۔ یہ وہی جان سکتا ہے جو فقہ سے آشنا ہو اسی لیے علماء نے فرمایا کہ محدث ہونا علم کی پہلی منزل ہے اور فقیہ ہونا اخیر منزل۔[۱۲۳] جس کی حرف بحرف تصدیق آگے آنے والی تفصیل سے ہر منصف کو ہوجائے گی۔

قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ صحابۂ کرام عربی ہی تھی۔ ان کے سامنے قرآن نازل ہوتا تھا۔ شان نزول سے وہ واقف تھے مگر صحابہ خود اس کے محتاج تھے۔ کہ معانی قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سیکھیں۔ اسی لیے قرآن کریم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صفت یہ بیان فرمائی۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِه وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ [۱۲۴]

یہ رسول ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔

اور فرمایا:

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ۔ [۱۲۵]

یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں انہیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔

حدیث گذری کہ بہت سے حامل فقہ، غیر فقیہ ہوتے ہیں بعض فقیہ بعض سے اعلیٰ و برتر ہوتے ہیں۔ یہ سب اسی کی طرف رہنمائی ہے کہ محض حفظ انسانی کمال کی معراج نہیں بلکہ یہ خشتِ اول ہے۔ معراج علم اس کا کماحقہ سمجھنا ہے اور یہ کام صرف فقیہ کا ہے۔

ضرورت فقہ: انسان کی معاشرت کی وسعت نے اتنی چیزوں کا انسان کو محتاج بنا دیا ہے کہ ایک انسان اگر لاکھ کوشش کرے کہ وہ دوسرے سے مستغنی ہوجائے تو محال ہے۔ مسلمان چونکہ عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی شریعت کا پابند ہے اس لیے اسے عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی قدم قدم لحظہ لحظہ احکام شریعت کی ضرورت ہے۔ آپ صرف عبادات ہی کو لے لیجئے اس کے فروع و جزئیات کتنے کثیر ہیں اب ہر انسان کو اس کا مکلّف کرنا کہ وہ پورا قرآن مجید مع معانی و مطالب کے حفظ رکھے۔ اور تمام احادیث کو مع سند و مالہ و ماعلیہ یاد رکھے۔ تکلیف مالا یطاق ہے۔ [۱۲۶] اس لیے ضروری ہوا کہ انسان میں تقسیم کار ہو۔ اس کے نتیجے میں ضروری ہے کہ ایک طبقہ علم دین کی تحصیل اور پھر اس کی نشرواشاعت میں مصروف ہو جس کا صریح حکم سورہ یونس کی مذکورہ بالا آیت میں موجود ہے کہ فرمایا:

ہر گروہ سے ایک جماعت فقہ حاصل کرے۔

رہ گئے عوام تو انہیں یہ حکم ہے:

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ [۱۲۷]

علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

عوام کو اس کا مکلّف کیا گیا کہ وہ اللہ عزوجل اور رسول کے بعد علماء کی اطاعت کریں۔

ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْ الرَّسُوْلَ وَاُولِى الامر۔ [۱۲۸] اے ایمان والا! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا اور تم میں جو حکم والے ہیں ان کا حکم مانو۔

اب ایک منزل یہ آتی ہے کہ کوئی شخص ایک مسئلہ پوچھنے آیا تو کیا یہ ضروری ہے کہ اسے قرآن کی وہ آیت پڑھ کے سنائی جائے یا وہ حدیث مع سند کے بیان کی جائے جس سے یہ حکم نکلتا ہے۔ اور استخراج کی وجہ بھی بیان کی جائے اور اگر یہ ضروری قرار دیں تو اس میں کتنی وقت اور دشوار اور حرج ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ [۱۲۹] علاوہ ازیں جن جزئیات میں کوئی آیت یا حدیث نہیں ان جزئیات کے بارے میں کیا کیا جائے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے امت کا اس پر عملی طور پر اجماع ہے کہ عوام کو اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس صورت کا یہ حکم ہے۔

اس لیے ضروری ہوا کہ امت کے جن علماء کو اللہ عزوجل نے یہ صلاحیت و استعداد دی ہے کہ وہ قرآن و احادیث کے حفظ و ضبط کے ساتھ ساتھ ان کے معانی و مطالب سے کماحقہ واقف ہیں۔ اور ان کے ناسخ و منسوخ کو جانتے ہیں۔ جن میں اجتہاد و استنباط کی پوری قوت ہے۔ وہ خداداد قوت اجتہاد سے احکام شرعیہ کا ایسا مجموعہ تیار کر دیں جن میں منقح احکام مذکور ہوں۔

اس ضرورت کو سب سے پہلے حضرت امام الائمہ، سراج الامۃ، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کیا اور آپ نے اپنی خداداد پوری صلاحیت کو قرآن و احادیث و اقوال صحابہ سے مسائل کے استخراج و استنباط میں صرف فرما دیا جس کے احسان سے امت مرحومہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی خصوصاً جب کہ دور وہ شروع ہو چکا تھا کہ سیکڑوں نت نئے فتنے اٹھ رہے تھے۔ بدمذہب اسلام دشمن عناصر مسلمانوں میں گھل مل کر ہزارہا ہزار احادیث گڑھ کر پھیلا چکے تھے۔ اگر فقہ مرتب نہ ہوتی تو امت کا کیا حال ہوتا وہ کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں۔

بنیاد: ہم پہلے خود حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ذکر کر آئے ہیں کہ جب کوئے

کے علماء حضرت امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر امام صاحب کی خدمت میں گئی اور ان سے کہا کہ آپ بہت زیادہ قیاس کرتے ہیں تو فرمایا:

انی اقدم العمل بالکتاب ثم بالسنة ثم باقضیة الصحابة مقدما مااتفقوا علی ما اختلفوا وحینئذ اقیس۔[۱۳۰]

میں کتاب اللہ پر عمل سب سے مقدم رکھتا ہوں اس کے بعد احادیث پر پھر صحابۂ کرام کے متفقہ فیصلے پر اس کے بعد ان کے ان اقوال پر جو مختلف فیہ ہوں (اور ان میں جو قوی ہوں) پھر قیاس کرتا ہوں:

علامہ عینی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

ان ابا حنیفة قال لا اتبع الرائ والقیاس الا اذالم اظفر بشئی من الکتاب او السنة او الصحابة رضی اللّٰہ عنهم۔[۱۳۱]

یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رائے اور قیاس کی پیروی نہیں کرتا مگر اس وقت جب کہ حدیث یا صحابہ رضی اللہ عنہم سے کچھ نہ ملے۔

فقہ حنفی اس اجمال کی پوری تفصیل ہے۔ عمل بالحدیث کا یہ حال ہے کہ حضرت امام نے اپنا یہ بنیادی دستور بنالیا تھا۔

اذاصح الحدیث فھو مذھبی

ہر حدیث صحیح میرا مذہب ہے۔

ابوحمزہ سکری جو مسلم الثبوث محدث ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے جب کوئی صحیح حدیث مل جاتی ہے تو اسی کو لیتا ہوں اور جب صحابہ کے اقوال مل جاتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک کو لیتا ہوں۔ البتہ تابعین کا جب کوئی قول ملتا ہے اور وہ میرے فیصلے کے خلاف ہوتا ہے تو میں اس کی مخالفت کرتا ہوں۔

نیز انہیں سے منقول ہے کہ میں نے صحابۂ کرام کے بارے میں امام ابوحنیفہ سے زیادہ بہتر اور انسب طریقے پر کلام کرنے والا نہیں دیکھا۔ وہ ہر ایک صاحب کمال کے حق کو پورا پورا ادا کرتے تھے۔

اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ وفات کے وقت انہوں نے کسی صاحب فضیلت کی تنقیص یا برائی نہیں کی۔ امام بخاری کے سلسلہ اساتذہ کے مسلم الثبوت محدث بلکہ امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے۔ امام ابوحنیفہ کے ارشاد کو رائے مت کہو۔ حدیث کی تفسیر کہو۔ (مناقب موفق کردری)

اس سلسلے میں یہ واقعہ گوش گزار کرنا ضروری ہے کہ امام ابویوسف، قاضی القضاۃ، جنہیں امام بخاری کے استاذ حضرت یحیی بن معین نے صاحب الحدیث مانا۔ علامہ ذہبی نے حفاظ حدیث میں شمار کیا۔ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت امام ابوحنیفہ سے مسائل پر بحث کر لیتے اور جب کوئی منقح فیصلہ ہو جاتا تو میں وہاں سے اٹھ کر کوفے کے محدثین کے پاس جاتا ان سے اس مسئلے کے متعلق احادیث پوچھتا پھر امام اعظم کی خدمت میں واپس آ کر ان احادیث کو سناتا۔ حضرت امام ان سے کچھ حدیثوں کو قبول فرماتے۔ اور کچھ کے بارے میں فرماتے یہ صحیح نہیں۔ میں حیرت سے پوچھتا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا تو فرماتے:

کوفے میں جو علم ہے اس کا میں عالم ہوں۔ ۱۳۲

اس سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام اعظم اتنے بڑے محدث تھے کہ اس وقت کوفے جیسے علم حدیث کے مرکز میں ان کے برابر کوئی نہیں تھا۔ وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام اعظم کسی مسئلے پر اسی وقت کوئی اخیر رائے قائم کرتے تھے جب کہ اس پر ان کے تلامذہ جی کھول کر مکمل بحث کر لیں جس کو اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ کہنا ہوتا کہہ لیتا پھر فیصلہ ہوتا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ثابت ہوں کہ حضرت امام اعظم جو فیصلہ فرماتے وہ قیاس سے نہیں ہوتا تھا بلکہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں احادیث صحیحہ کے مطابق ہوتا۔

چونکہ فقہ کی بنیاد کتاب اللہ پر ہے اس کے بعد احادیث پر۔ نیز نظم قرآن اور الفاظ احادیث کے معنی پر دلالت کبھی صریح ہوتی ہے کبھی خفی۔ اور کبھی خفی تر۔ تیز صریح دلالت کے بھی مختلف مدارج ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مقصود اسی معنی کا بیان ہوتا ہے کبھی وہ معنی صریح مقصود بیان نہیں۔ مگر ہوتا صریح ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ۔[۱۳۳] مال غنیمت ان محتاج مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے۔

اس آیت میں دو باتیں "صریح" ہیں ایک یہ کہ، فقرا مہاجرین، مال غنیمت کے مستحق ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کے باوجود کہ مکے میں ان کے گھربار مال تھے۔ پھر بھی فقیر ہیں۔

اس آیت سے مقصود بیان مال غنیمت کا استحقاق ہے اور فقیر ہونا بھی صریح مذکور ہے۔ مگر یہ مقصود بیان نہیں۔ نیز اسی آیت سے ثابت ہوا کہ اگر کفار مسلمانوں کے مال پر قبضہ کر کے اس کو دارالحرب میں محفوظ کرلیں تو وہ کفار کی ملک ہوجاتا ہے۔ یہ دلالت خفی ہے۔

ظاہر ہے جو بات قرآن وحدیث سے صریح طور پر ثابت ہو اس کی حیثیت اور ہوگی اور جو خفی طور پر ثابت ہوگی اس کی حیثیت اور ہوگی یہیں دیکھ لیجئے اس آیت سے ثابت کہ مہاجرین مال غنیمت کے مستحق ہیں۔ یہ ہر شبہے سے بالاتر ہے لیکن اسی سے یہ بھی ثابت ہے کہ استیلاد کفار سبب ملک ہے۔ اس میں وہ قوت نہیں جو پہلے میں ہے۔ اس کو آپ دوسری مثال سے سمجھیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ طلاق کی عدت تین قروء ہے۔ قرود کے معنی حیض کے بھی ہیں اور طہر کے بھی۔ احناف کہتے ہیں کہ یہاں حیض کے معنی میں ہے اس لیے عدت کا شمار حیض سے ہوگا۔ شوافع کہتے ہیں کہ یہاں طہر مراد ہے۔ عدت کا شمار طہر سے ہوگا۔ قرآن مجید دونوں کا متدل ہے۔ کیا کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ جیسے آیت اول سے مہاجرین کے مال غنیمت کے استحقاق کا ثبوت ہے اسی طریقے سے عدت طلاق کا حیض یا طہر ہونا بھی ثابت ہے؟ احادیث کی ان سب احتمالات کے ساتھ ساتھ رواۃ کی قلت و کثرت کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں۔ متواتر، مشہور، خبر واحداب[۱۳۴] یہ بالکل بدیہی ہے کہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت کا ثبوت ایسا یقینی و قطعی ہے کہ اس میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں۔ اور یہی حال حدیث متواتر کا ہے۔ حدیث مشہور کا ثبوت بھی یقینی ہے مگر متواتر کی طرح نہیں اور خبر واحد میں یہ یقین اور کم درجہ کا ہوجاتا ہے۔ اس لیے کہ راوی لاکھ قوی الحافظ سہی، لاکھ متدین سہی، لاکھ محتاط اور متیقظ سہی۔ مگر ہے تو انسان ہیں۔ بہرحال اس سے سہو، نسیان، خطا، بھول چوک مستعد نہیں۔ اس لیے جو درجہ دو اور دو سے

زائد راویوں کا ہے وہ تنہا ایک کا نہیں ہوسکتا۔ اور یہ تعداد جتنی بڑھتی جائے گی قوت بڑھتی جائے گی اور تعداد گھٹنے میں قوت گھٹتی جائے گی۔ اگرچہ راوی قوی الحافظہ، صدوق، ثقہ، تام الضبط وغیرہ جامع شرائط ہو اب چونکہ فقہ کی بنیاد جن پر تھی وہ سب ایک درجے کے نہیں۔ اس لیے ضروری ہوا کہ ان سے ثابت ہونے والے امور بھی ایک درجے کے نہ ہوں بلکہ ان میں بھی مختلف مدارج ہوں۔ اس لیے احناف کے یہاں احکام کی ابتدائی تین قسمیں ہوئیں۔ مامور بہ، منہی عنہ، مباح۔ پھر مامور بہ کی سات قسمیں ہیں۔ فرض اعتقادی، فرض عملی، واجب اعتقادی، واجب عملی، سنت موکدہ، سنت غیر موکدہ، مستحب۔

منہی عنہ کی بھی پانچ قسمیں ہیں۔ حرام قطعی، مکروہ تحریمی، اسادت، مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ۔

یہ سب صرف اس لیے ہوا کہ قرآن کی عظمت اور قطعیت اپنی جگہ رہے اور احادیث کی عظمت اپنی جگہ۔ اور ثابت ہونے والے امور کی ان کے ثبوت کو نوعیت کے اعتبار سے حیثیت اپنی جگہ رہے۔

احکام کے ان فرق مراتب کے موجد حضرت امام اعظم ہیں۔ فرق مراتب کو سبھی مجتہدین نے قبول کیا ہے۔ اس تقسیم سے بہت سے وہ خلجان جو قرآن و احادیث میں بظاہر نظر آتے ہیں خود بخود ختم ہوجاتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں نماز کے سلسلے میں صرف قیام، قرات، رکوع، سجود کا حکم ہے۔ احادیث میں ان کی تفصیل ہے مثلاً قیام میں قرات ہو اور قرات میں سورہ فاتحہ ہو۔ رکوع، سجود میں تسبیح پڑھی جائے۔ فقہاء نے جتنی باتیں قرآن مجید یا احادیث متواترہ سے ثابت ہوئی ان کو فرض قرار دیا۔ بقیہ باتوں کو احادیث کی نوعیت کے لحاظ سے واجب، سنت، مستحب قرار دیا۔ اس کو آپ ایک جزئی مثال سے ذہن نشیں کیجئے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاقْرَءُوْا مَاتَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْآن۔ [۱۳۵] جتنا تم پر آسان ہو قرآن پڑھو

اس آیت کا عموم اس کا مقتضی ہے کہ نمازی قرآن کی جو بھی سورہ، آیت پڑھ لے نماز ہوجائے گی مگر احادیث میں ہے کہ لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب اور کثیر احادیث سے ثابت

کہ حضور اقدس ﷺ سورہ فاتحہ کے بعد اور بھی قرآن مجید کچھ نہ کچھ پڑھا کرتے تھے جو باعتبار معنی حد شہرت تک پہنچی ہیں۔ ان احادیث کا مفاد یہ ہوا کہ بغیر سورۂ فاتحہ اور ضم سورت کے نماز نہیں ہوگی فقہاء نے فرق مراتب سے فائدہ اٹھا کر اس تعارض کو دور فرمایا کہ مطلق قرات فرض اور خاص سورۂ فاتحہ پڑھنا اور ضم سورت واجب۔ اگر معاذ اللہ احناف احادیث کو قابل عمل نہ جانتے تو بہت آسانی کے ستھ کہہ سکتے تھے کہ چونکہ یہ احادیث قرآن کے معارض ہے لہٰذا متروک العمل ہے۔

اسی لیے احناف کے اصول فقہ کا مسلمہ کلیہ مشہورہ ہے۔ کہ جب قرآن و حدیث میں تعارض ہوتو پہلے تطبیق کی کوشش کی جائے۔ تطبیق ہوجائے فبہا ورنہ بدرجۂ مجبوری کتاب اللہ کے مقابلے میں خبر آحاد ضرور متروک ہوں گی۔ کیا کوئی اسے عمل بالحدیث کا ترک کہہ سکتا ہے لیکن عناد کا کوئی علاج نہیں۔ ورنہ بات ظاہر ہے کہ جب قرآن مجید کے قطعی الدلالت معنی کے معارض کوئی روایت ہے تو وہ حدیث ہی نہیں۔ اگر چہ وہ سب طرح سے درست ہو۔ یہ قاعدہ بھی احناف کا تراشیدہ نہیں۔ صحابۂ کرام سے منقول ہے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں کسی نے کہا کہ ابن عمر کہتے ہیں کہ:

ان المیت یعذب ببکاء الحی۔[۱۳۶] زندہ کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔

ام المومنین نے فرمایا اللہ عزوجل ابو عبدالرحمٰن پر رحم فرمائے۔ یہ یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولے مگر بھول گئے یا چوک گئے۔ قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک یہودی عورت کا جنازہ گزرا اس پر لوگ رو رہے تھے۔ فرمایا یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں حالانکہ اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ حضرت ام المومنین کی یہ تنقید اس حدیث کے قرآن کی اس آیت کے معارض ہونے کی وجہ سے تھی کہ فرمایا:

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔[۱۳۷] کوئی دوسرے کا وبال نہیں اٹھائے گا۔

قرآن و احادیث دونوں پر احناف کبھی کبھی ایسے اہم نازک موقعوں پر عمل کر لیتے ہیں
کہ ہر منصف، دیانتدار، ذی فہم داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ اس کی مثال قرات خلف امام ہے
جس کی قدرے تفصیل یہ ہے۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ جب جماعت سے نماز پڑھی جائے تو مقتدی قرات نہیں
کرے گا۔ خاموش رہے گا۔ خواہ نماز سری ہو یا جہری۔

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ مقتدی سورہ فاتحہ ضرور پڑھے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے
لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب ۔او کما قال۔

احناف کی دلیل قرآن مجید کا یہ ارشاد ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔[۱۳۸]

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

یہ آیت نماز ہی میں قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لیے یہ
اپنے مورد کے اعتبار سے نماز میں قرآن پڑھے جانے کے بارے میں اور قطعی ہو جاتی ہے۔ اور
اگر نماز کے بارے میں نہ بھی ہوتی جیسا کہ معاندین احناف کی ضد ہے تو بھی اذا قرئ القرآن
کا عموم نماز میں قرآن پڑھے جانے کو بھی بلاشبہ شامل۔ اس لیے نماز میں قرآن مجید پڑھے
جانے کے وقت استماع اور سکوت بنص قرانی ثابت۔ اور حکم صرف بغور سننے کا نہیں بلکہ خاموش
رہنے کا بھی ہے۔ حالانکہ بغور سننے کے لیے خاموش رہنا لازم ہے جو خاموش نہ رہے خود بولے
جائے وہ کیا سنے گا۔ بغور سننے کے بعد خاموش رہنے کو علیحدہ ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ کچھ
نمازوں میں قرآن مجید بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے اور کچھ میں آہستہ۔ جن میں بلند آواز سے
پڑھا جاتا ہے ان میں بغور سننے کے ساتھ خاموش رہنا پایا ہی جائے گا۔ جن نمازوں میں آہستہ
پڑھا جاتا ہے ان میں چونکہ سنائی نہیں دیتا تو بغور سننا تو نہ ہوگا مگر چپ رہنا ضروری ہوا۔ اس
لیے نماز خواہ سری ہو خواہ جہری امام جب قرات کرے تو مقتدی پر چپ رہنا بہر حال ضروری ہے

کچھ پڑھنے کی اجازت نہیں۔

اس پر ایک اعتراض امام بخاری نے جزء القراۃ میں یہ کیا کہ یہ آیت خطبے کے وقت نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی یعنی جب خطبہ ہو رہا ہو اور کوئی آئے تو دو رکعت نماز پڑھے۔ اس نماز میں یہ قرآن پڑھ رہا ہے اور حاضرین خاموش ہیں۔ مگر اس وہ کوئی سند نہیں پیش کر سکے ان کے برخلاف امام بخاری کے استاذ امام احمد نے فرمایا کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت مطلقا نماز میں قرات کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسی بنا پر وہ جہری نمازوں میں مقتدی کو قرات کی اجازت نہیں دیتے۔ اس سے قطع نظر نص جب عام ہو تو حکم مورد کے ساتھ خاص نہیں رہتا۔ عام ہی رہتا ہے جب آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی قرآن پڑھے تو تم لوگ بغور سنو اور خاموش رہو۔ قرات اور خاموش رہنے کی تاویل تو امام بخاری نے کر لی کہ آنے والا قرات کر رہا ہے لوگ چپ ہیں۔ اگرچہ یہاں حاضرین کا چپ رہنا اس کی قرات کی وجہ سے نہیں بلکہ خطبہ کی وجہ سے ہے مگر بغور سننے کا یہاں کیا محل؟ اسے امام بخاری نے نہیں بتایا۔ یہ اشکال لاینحل ہے۔ لہٰذا اگر اس آیت کو خطبے کی حالت کے ساتھ خاص کریں تو لازم آئے گا کہ ''فاستمعو لہ'' کا ارشاد حشو اور بے معنی ہو جائے۔

دوسرا اعتراض امام بخاری نے یہ کیا ہے کہ احناف خود اسے عام نہیں مانتے۔ سنت فجر میں کہتے ہیں کہ اگر جماعت ہو رہی ہو اور کوئی آئے اور اسے یقین ہو کہ سنت فجر پڑھ کر شریک جماعت ہو سکتا ہے تو پہلے سنت فجر پڑھے۔ امام بخاری تو معذور تھے انہیں احناف کے مذہب سے پوری واقفیت نہیں تھی۔ مگر حیرت امام بخاری کے ان مقلدین معاندین پر ہے جنہیں بار بار بتایا جا چکا پھر بھی اسی راگ کو الاپتے رہتے ہیں۔ احناف نے یہ تصریح کی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پڑھے مگر جہاں جماعت ہو رہی ہو وہاں سے ہٹ کر پڑھے مثلاً اگر جماعت اندر ہو رہی ہے تو باہر پڑھے تاکہ مکان بدل جائے۔ اور یہ حکم اسی بنیاد پر ہے کہ آیت کریمہ کا حکم عام ہے۔ غرض یہ کہ احناف قرآن کو احادیث آحاد پر بہرحال مقدم رکھتے ہیں۔ یہ اختیار اپنی سرشت کے مطابق ہر شخص کو ہے کہ اسے جو چاہے نام دے۔

ویسے قرات خلف امام کے سلسلے میں احناف کے پاس احادیث بھی ہیں۔ جو اپنے موقع پر مذکور ہوں گی یہاں صرف ایک حدیث ذکر کرتا ہوں۔ مؤطا امام محمد میں بسند صحیح متصل غیر مقدوح غیر معلل یہ حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

من صلی خلف الامام فان قرأة الامام له قرأة۔[139] — جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرات اس کی قرات ہے۔

واضح ہو کہ اس حدیث کے تمام رواۃ صحاح ستہ کے ہیں۔ اس حدیث کی روشنی میں معاندین کی پیش کردہ حدیث اور قرآن کی آیت میں تعارض بھی نہ رہا۔ اس حدیث نے بتا دیا کہ قرات دو ہے۔ حقیقی اور حکمی۔ جب مقتدی امام کے پیچھے ہے تو اس نے بھی حکما سورہ فاتحہ پڑھ لی۔ تو حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب پر بھی عمل ہو گیا۔ اس سلسلے میں حضرت امام اعظم کا ایک بہت مشہور مناظرہ ہے کچھ لوگ حضرت امام اعظم کی خدمت میں آئے کہ ہم آپ سے قرات خلف امام پر مناظرہ کریں گے۔ امام نے فرمایا کہ تم لوگ کئی ایک ہو میں اکیلا میں ہر ایک سے کیسے گفتگو کروں گا۔ تم لوگ کسی کو بات کرنے کے لیے چن لو کہ اس کی کہی ہوئی بات تم سب کی ہو۔ اس کا اقرار سب کا اقرار، اس کا انکار سب کا انکار ہو۔ ان لوگوں نے حضرت امام کی اس تجویز کو مان لیا اور ایک شخص کو منتخب کرلیا کہ یہ بات کرے گا۔ اس پر حضرت امام نے فرمایا یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ جب مقتدی نے ایک کو امام مان لیا تو اس کی قرات مقتدی کی بھی قرات ہے۔ اس پر وہ لوگ خاموش ہو گئے۔

اس پر ایک معاند بہت خفا ہیں کہ حدیث کے مقابلے میں قیاس سے کام لیا۔ لیکن افسوس کہ یہ صاحب زندہ نہیں رہے۔ ورنہ ہم ان سے کہتے کہ یہ قیاس عقلی نہیں قیاس حدیثی ہے جس کے آپ بھی قائل ہیں اور امام بخاری کو اس میں دنیا کا سب سے بڑا امام مانتے ہیں۔ حضرت امام اعظم نے مذکورہ بالا حدیث کی شرح کی ہے جو فرمایا کہ امام کی قرات مقتدی کی قرات ہے۔ افسوس کہ احناف کی مخالفت میں عمل بالحدیث کا دعویٰ اور ایسے گونگے اندھے کہ صحیح حدیث بھی

نظر نہیں آئی۔ اور اگر نظر آئی تو اسے سمجھ بھی نہیں سکتے۔

عمل بالحدیث: احناف عمل بالحدیث میں اتنے آگے ہیں کہ دنیا کا کوئی طبقہ اس میں ان کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ علامہ خوارزمی نے معاندین کا جواب دیتے ہوئے، جامع المسانید کے مقدمے میں لکھا ہے: امام اعظم کو حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرنے کا طعن وہی دے گا جو فقہ حنفی سے جاہل ہوگا۔ جسے فقہ حنفی سے کچھ بھی واقفیت ہوگی اور وہ منصف ہوگا تو اس کو یہ اعتراف کرنا ہی پڑے گا کہ امام اعظم سب سے زیادہ حدیث کے عالم اور حدیث کی اتباع کرنے والے تھے۔ اس کے دلائل یہ ہیں۔

(۱) امام اعظم حدیث مرسل کو حجت مانتے ہیں۔[۱۴۰] اور اسے قیاس پر مقدم جانتے ہیں۔ جب کہ امام شافعی کا عمل اس کے برعکس ہے۔ کہ وہ حدیث مرسل کے بالمقابل قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۲) قیاس کی چار قسمیں ہیں۔ قیاس موثر، قیاس مناسب، قیاس شبہ، قیاس طرد۔ امام اعظم اور ان کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ قیاس مناسب اور قیاس شبہ بالکل بے اعتبار ہیں۔ رہ گیا قیاس طرد تو یہ بھی مختلف فیہ ہے البتہ قیاس موثر کو حجت مانتے ہیں۔ مگر امام شافعی قیاس کی ان چار قسموں کو حجت مانتے ہیں اور قیاس شبہ کا تو ان کے یہاں عام استعمال ہے۔

(۳) امام اعظم کے احادیث پر عمل کا یہ حال ہے کہ ضعیف احادیث پر بھی قیاس کے مقابلے میں عمل فرماتے ہیں۔ جیسے نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ بالکل خلاف قیاس بات ہے مگر ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے لہٰذا امام اعظم نماز میں قہقہہ کو ناقص وضو مانتے ہیں۔

یہ وہ نظائر ہیں جو امام خوارزمی نے پیش کیے۔ اس قسم کے نظائر اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان سب کا استقصاء کیا جائے تو دفتر تیار ہوجائے۔ اس کی دوسری نظیر یہ ہے۔ غیر مقلدین منی کو پاک کہتے ہیں۔ احناف کے نزدیک یہ ناپاک ہے۔ غیر مقلدین کا استدلال قیاس ہے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے۔ منی کو ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں اس لیے وہ پاک ہے۔ رہ گئی ام المومنین کی وہ حدیث جو بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول

اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی دھوتی تھی دھونے کا نشان ہوتا اور حضور اقدس اسی ﷺ کپڑے کو پہنے نماز کو جاتے تھے۔ اس کے بالمعارض مسلم کی دوسری حدیث ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی مل دیتی اور حضور اسی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اولاً یہ ثابت نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے انہیں دھونے کا حکم دیا ہو۔ یہ ام المومنین کا اپنا فعل ہے۔ ثانیاً دیا بھی ہو تو یہ تھوک اور کھنکھار کی طرح گھناؤنی چیز ہے۔ اس لیے دھونے کا حکم دیا۔ ثالثاً اگر یہ ناپاک ہوتی تو مل دینے سے کیسے پاک ہوتی۔ کپڑے پر لگنے والی کوئی نجاست محض مل دینے سے پاک نہیں ہوتی۔

ہر منصف دیکھے کہ حدیث صحیح کو غیر مقلدین قیاس سے رد کر رہے ہیں اور احناف حدیث پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ وارد ہے اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسری نجاستوں کے مقابلے میں منی کی یہ خصوصیت ہے کہ جب سوکھ جائے تو ملنے سے پاک ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ نجاست سے پاکی کیسے ہوگی یہ قیاس نہیں بالکلیہ سماعی ہے۔ علاوہ ازیں منی کے نجس ہونے کے بارے میں حدیث میں صراحت ہے۔ امام ابن ہمام نے دار قطنی کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمار سے فرمایا:

انما یغسل الثوب من خمس من	کپڑا پانچ چیزوں سے دھویا جاتا ہے۔
الغائط والبول والقیٔ والدم والمنی۔	پائخانہ، پیشاب، قی اور خون اور منی سے۔

اس حدیث کی سند پر کلام کیا گیا ہے کہ اس میں ایک ربی ثابت بن حماد ہی اور یہ ضعیف ہے۔ حالانکہ یہی حدیث ثابت بن حماد کے بغیر واسطہ طبرانی میں مذکور ہے تو جو ضعف ثابت بن حماد کی وجہ سے تھا وہ دور ہوگیا۔ اسی طرح خود ایک دوسرے راوی علی بن زید پر یہ جرح ہے کہ یہ قابل احتجاج نہیں۔ مگر معترض کو یہ معلوم نہیں کہ یہ مسلم کے رجال سے ہیں۔ علاوہ ازیں عجل نے کہا لاباس به ہے۔ امام ترمذی نے اسے صدوق کہا۔ اسی طرح ایک اور راوی ابراہیم بن زکریا کو بھی کچھ لوگوں نے ضعیف کہا۔ مگر بزار نے اسے ثقہ کہا۔ چلئے یہ حدیث دونوں سند کے اعتبار سے ضعیف ہے مگر دو طریقے سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ ضرور ہوئی اور احکام

میں یہ بھی حجت۔ اور آگے چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ یہ اب بھی ضعیف ہی رہی۔ مگر احناف کا اس پر عمل ہے اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ احناف ضعیف حدیث کے ہوتے ہوئے بھی قیاس کے قریب نہیں جاتے اور اہل حدیث بننے کے مدعی صحیح حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرتے ہیں۔

(۴) جب صحیح اور ضعیف حدیث متعارض ہوں تو احناف حدیث صحیح پر عمل کرتے ہیں۔ بخلاف غیر مقلدین وغیرہ کے کہ وہ ضعیف ہی پر عمل کرتے ہیں۔ اس کی مثال یہ مسئلہ ہے کہ ماء قلیل غیر جاری میں نجاست پڑ جائے تو وہ پاک ہے یا ناپاک؟

احناف کہتے ہیں کہ وہ مطلقاً ناپاک ہے خواہ نجاست کا کوئی اثر رنگ، بو، مزہ پانی میں آئے یا نہ آئے۔

امام زہری کہتے ہیں کہ جب تک پانی میں نجاست کا اثر رنگ یا بو یا مزہ ظاہر نہ ہو پانی پاک ہے۔ امام بخاری کا یہی مذہب معلوم ہوتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ چوہا اگر گھی میں گر جائے تو کیا کیا جائے فرمایا۔ چوہے اور چوہے کے اردگرد پھینک دو اور بقیہ گھی کھاؤ۔[۱۴۱]

اس حدیث سے ان لوگوں کا مدعا کیسے ثابت ہوتا ہے۔ یہ خود محل نظر ہے کہ حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ جمے ہوئے گھی کے بارے میں ہے۔ نیز چوہے کے اردگرد کو پھینکنے کا حکم صاف بتا رہا ہے کہ چوہے کے گرنے سے گھی کا کچھ حصہ ناپاک ہوا۔ یہ لوگ یہ کہیں گے کہ یہی ہمارا مستدل ہے چونکہ چوہے کا اردگرد چوہے سے متاثر ہوگا اس لیے اردگرد ناپاک ہوگیا۔ لیکن اثر کا مطلب اگر رنگ یا بو یا مزہ کا گھی میں آجانا مراد ہے تو یہ مسلم نہیں یہ ضروری نہیں کہ چوہے کے مرتے ہی اس کا رنگ یا مزہ یا بو گھی میں آجائے۔ ہاں اگر دیر تک رہے گا تو آسکتا ہے مگر پھر اردگرد کی تخصیص نہ ہوگی۔ جہاں تک اثر پہنچے سب کو ناپاک ہوجانا چاہیے۔ اور اگر اثر سے نجس ہونا مراد ہے تو ہمارا مدعا ثابت کہ نجاست کے گرنے سے کسی چیز کے ناپاک ہونے کے لیے رنگ یا بو یا مزہ کا سرایت کرنا ضروری نہیں۔ محض نجاست کے گرنے ہی سے وہ چیز ناپاک

ہوجائے گی۔ پھر یہ حکم منجمد کا ہے اور پانی رقیق ہے تو منجمد پر رقیق کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ پھر آخر یہ قیاس ہی تو ہے لہٰذا آپ نے عمل قیاس پر کیا۔

امام شافعی وغیرہ یہ تفریق کرتے ہیں کہ اگر وہ پانی دو قلے ہے یعنی دو مٹکے ہے تو پاک ہے اس سے کم ہے تو ناپاک۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

اذا کان الماء قلتین لا یحمل الخبث۔[۱۴۱] جب پانی دو مٹکے ہو تو وہ نجاست سے متاثر نہیں ہوتا یعنی ناپاک نہیں ہوتا۔

حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ پھر مٹکے کی تعیین بہت مشکل ہے۔ مٹکا چھوٹا بھی ہوتا ہے اور بڑا بھی۔ کس مقدار کا شکار ہوگا؟ دونوں فریق کے بالمقابل احناف کی دلیل یہ حدیث صحیح ہے۔ جسے امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا:

لایبولن احدکم فی الماء الراکدالذی لایجری ثم یغتسل فیه۔[۱۴۲] اس پانی میں جو ٹھہرا ہوا ہو بہتا نہ ہو ہرگز پیشاب مت کرو۔ پھر اسی میں غسل کرو۔

اب انصاف کرنے والے انصاف کریں کہ حدیث صحیح پر احناف عمل کررہے ہیں۔ امام شافعی اس کے بالمقابل حدیث ضعیف پر اور امام بخاری قیاس پر پھر بھی احناف تارک حدیث اور عامل بالقیاس ہیں؟

(۵) اگر دو مضمون کی احادیث متعارض ہوں اور دونوں صحیح ہوں تو احناف ترجیح اس روایت کو دیتے ہیں جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں۔ اس کی نظیر رفع یدین کا مسئلہ ہے۔ امام اوزاعی اور حضرت امام اعظم سے مکہ معظمہ میں دارالخیاطین میں ملاقات ہوئی۔ امام اوزاعی نے امام اعظم سے کہا۔ کیا بات ہے کہ آپ لوگ رکوع میں جاتے ہوئی اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کرتے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح روایت نہیں۔ امام اوزاعی نے کہا کیسے نہیں۔ حالانکہ مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی وہ سالم سے، سالم اپنے والد ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے جب

رکوع میں جاتے جب رکوع سے اٹھتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں حضرت امام اعظم نے فرمایا۔ ہم سے حماد نے حدیث بیان کی وہ ابراہیم نخعی سے وہ علقمہ سے وہ اسود سے وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ اس کے بعد پھر نہیں کرتے تھے۔ اس پر امام اوزاعی نے کہا کہ میں عن الزھری عن سالم عن ابیہ حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ کہتے ہیں حدثنی حماد عن ابراھیم عن علقمة حضرت امام اعظم نے فرمایا۔ حماد، زہری سے افقہ ہیں اور ابراہیم سالم سے افقہ ہیں اور علقمہ فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں۔ اگرچہ صحابی ہونے کی وجہ سے علقمہ سے اصل ہیں۔ اسود اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی فقہ میں برتری سب کو معلوم ہے۔ امام اوزاعی نے حدیث کو علو سند سے ترجیح دی۔ اور امام اعظم نے راویوں کے افقہ ہونے کی بنیاد پر۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر دو متضاد باتیں دو فریق سے مروی ہوں دونوں ثقہ ہوں مگر ایک فریق کے راوی زیادہ عالم زیادہ ذہین سمجھ دار ہوں تو ہر دیانت دار عاقل اسی بات کو ترجیح دے گا جو فریق ثانی سے مروی ہو۔

اس سلسلے میں ایک لطیفہ بھی سنتے چلئے۔ غیر مقلدیت کے معلم اول میاں اسماعیل دہلوی جب رفع یدین کرنے لگے تو کسی نے انہیں ٹوکا تو فرمایا کہ یہ سنت مردہ ہو چکی تھی۔ میں اس کو زندہ کر رہا ہوں۔ اور حدیث میں مردہ سنت زندہ کرنے پر سو شہیدوں کے ثواب کی بشارت ہے۔ ٹوکنے والے تو چپ رہے مگر جب یہ بات شاہ عبدالقادر نے سنی تو کہا میں تو سمجھتا تھا کہ پڑھنے لکھنے کے بعد اسماعیل کو کچھ آتا ہوگا مگر اسے کچھ نہیں آیا۔ حدیث میں یہ بشارت اس وقت ہے جب سنت کے مقابلے میں بدعت ہو سنت نہ ہو یہاں تو دونوں سنت ہیں۔ [۱۴۴]

شُبہات اور جوابات

اگر ہم چاہیں تو اس قسم کی صدہا نظیریں پیش کردیں مگر مقدمہ طویل سے طویل تر ہوتا

جارہا ہے۔ اس قسم کے ابحاث کے لیے پوری کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ بات اس وقت تک مکمل نہ ہوگی جب کہ معاندین کے اعتراضات میں سے چند نقل کر کے ان کی قلعی نہ کھول دی جائے۔ اس لیے اب ہم چند اعتراضات کو پیش کر کے اس کے جوابات ہدیۂ ناظرین کررہے ہیں۔

پہلا اعتراض: حدیث مصراۃ کی خلاف ورزی کا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے۔ ایک حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

لا تَصَرُّ والابل والغنم فمن ابتاعها بعد ذلک فانّه بخیر النظرین بعد ان یحلبها ان شاء امسک وان شاء ردھا وصاع من تمر۔ [۱۴۵]

بیچنے کے لیے اونٹ اور بکری وغیرہ کا دودھ دوہنا نہ چھوڑو۔ جس نے اس کے بعد خریدا تو دوہنے کے بعد اسے اختیار ہے اگر راضی ہے تو جانور روک لے ورنہ جانور واپس کردے اور ایک صاع کھجور بھی دے

یہ بخاری کی راویت ہے۔ مسلم شریف میں یہ زائد ہے کہ اسے تین دن تک خیار حاصل ہے اگر لوٹائے تو ایک صاع طعام دے گیہوں نہیں۔ اُس عہد میں طعام کا اطلاق جَو پر ہوتا تھا۔ جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی بخاری میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

کان طعامنا یومئذ الشعیر

ان دنوں ہمارا کھاتا جوتھا۔

لوگوں کی عادت تھی کہ جب جانور بیچنا ہوتا تو کچھ دن پہلے ہی سے اس کا دودھ دوہنا بند کردیتے تاکہ خریدار جب دوہے تو سمجھے کہ یہ جانور اتنا زیادہ دودھ والا ہے۔ تاکہ قیمت زیادہ سے زیادہ دے۔ یہ ایک طرح کا دھوکہ تھا۔ اس لیے منع فرمایا گیا۔ اور چونکہ اس میں تنازع بھی اماکن قوی ہے اس لیے اس کا حل ارشاد ہوا۔

اس خصوص میں امام شافعی کا مسلک وہی ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے مگر امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں خیار نہیں۔ بظاہر یہ حدیث کے صریح منطوق کے خلاف ہے۔

مگر حقیقت کچھ اور ہے۔ امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس پر بہت محققانہ مفصل بحث کی ہے کہ امام اعظم کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے لکھتے ہیں:

ذھبوا الیٰ ان ماروی عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فی ذلک مما تقدم ذکرنا لہ فی ھذا الباب منسوخ۔	یعنی امام اعظم کی تحقیق یہ ہے کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ مروی ہے وہ منسوخ ہے۔

اور اس پر اجماع ہے کہ حدیث منسوخ پر عمل جائز نہیں اور ثابت فرمایا کہ یہ اس حدیث سے منسوخ ہے جو حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ فرمایا:

نھی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم عن بیع الکالی بالکالی۔	نبی ﷺ نے ایسی بیع سے منع فرمایا جس میں مبیع اور ثمن دونوں ادھار ہوں۔

اور یہاں ایک عوض دودھ ہے جو ادھار ہے کہ ابھی وہ موجود ہی نہیں۔ اور دوسرا عوض ایک صاع کھجور یا جو ہے۔ وہ بھی مشتری ابھی نہیں دے رہا ہے۔ اس لیے یہ اگر بیع ہے تو یہ بیع الدین بالدین ہوئی۔ اور فرمایا نیز اس کا نسخ اس حدیث سے بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الخراج بالضمان	مبیع سے مشتری جو فائدہ حاصل کرے وہ مشتری ہی کا ہے۔

اس حدیث کو تمام امت نے قبول کیا حتی کہ امام شافعی نے بھی۔ وہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ اگر بیع کے بعد مشتری مبیع میں کسی عیب پر مطلع ہو جس کی وجہ سے اسے واپس کر دیا تو مشتری نے مبیع سے جو فائدہ حاصل کیا اس کا کوئی عوض نہیں۔ مثلاً بکری خریدی۔ تین چار دن اس کا دودھ کھایا پھر کسی عیب پر واقف ہوا اور اسے واپس کر دیا تو جو دودھ کایا ہے اس کا کوئی عوض مشتری نہیں دے گا۔ دلیل یہی حدیث ہے۔ اسی طرح مصراۃ میں بھی کوئی ضمان نہیں ہونا چاہیے۔ اگر بالفرض تاریخ نہ معلوم ہونے سے نسخ کا دعوی نہ بھی درست ہو تو اتنا ظاہر ہے کہ یہ

حدیث مصراۃ، دوسری حدیثوں کے معارض ہے تو ایک حدیث کا ترک دوسری حدیثوں پر عمل کے لیے ہوا۔ تو یہ الزام کہ قیاس سے حدیث کو ترک کیا سراسر غلط ہے۔

یہ حدیث امت کے کئی مسلمات کے خلاف ہے۔ اولاً یہ بات پوری امت کو مسلم ہے کہ جب کسی چیز کو کسی کا عوض قرار دیا جائے تو عوضین کی مقدار اور کم از کم جنس معلوم ہونی ضروری ہے یہاں دودھ کی جنس تو معلوم ہے مگر مقدار معلوم نہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر جانور ایک ہی مقدار میں دودھ نہیں دیتا۔ سوچئے اونٹ اور بھیڑ بکری برابر ہی دودھ دیتے ہیں؟ پھر جانور کی واپسی ایک دن کے بعد بھی ہوسکتی ہے اور تین دن کے بعد بھی۔ ایک دن اور تین دن میں دودھ کی کتنی مقدار بڑھ جائے گی۔ گھٹ جائے گی۔ اور معاوضہ صرف ایک صاع کھجور یا جو ہے۔ خواہ اونٹ خواہ بھیڑ، بکری، گائے، بھینس۔ ایک دن میں واپس کرے خواہ تین دن کے بعد۔

ثانیاً یہ ایک صاع کھجور یا جو اس دودھ کا ضمان ہے جو مشتری نے کھایا ہے اور ضمان کی شارع صرف دو ہی صورت رکھی ہے۔ مثلی چیزوں میں مثل اور غیر مثلی میں قیمت۔ ظاہر ہے کہ اگر دودھ کو مثلی مانو جیسا کہ حقیقت ہے تو اس کا ضمان اتنا دودھ لازم تھا۔ نہ کھجور یا جو۔ اور اگر اسے مثلی نہ مانیں ذوات القیم سے مانیں تو ظاہر ہے کہ اس قضیئے کی مختلف صورتوں میں دودھ کی قیمت ہمیشہ ایک صاع کھجور یا جو نہ ہوگی کم وبیش ہوگی۔ فرض کرو یہ جانور اونٹ ہے اور تین دن کے بعد واپس کیا تو ظاہر ہے کہ دودھ کی مقدار زیادہ ہوگی۔ اور اگر فرض کرو یہ جانور بکری ہے اور اسے دوسرے ہی دن واپس کیا تو دودھ کی مقدار بہت کم ہوگی۔ پھر بہرصورت ہر جانور میں ایک صاع کھجور یا جو ضمان دینا کیسے درست ہوگا۔

ثالثاً اس قسم کے عقد کی ممانعت فریقین کے نزدیک مسلم الثبوت احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً فرمایا کہ جو کھجور درخت پر ہو اسے کسی مقررہ مقدار کھجور سے نہ بیچو۔ کھیتی کو مقررہ غلے کے عوض نہ بیچو۔ اگرچہ یہاں کھیتی سامنے ہے۔ کھجور نظر کے سامنے ہے ایک ماہر قریب قریب صحیح اندازہ لگا سکتا ہے مگر چونکہ کھیتی میں کتنا غلہ ہے۔ درخت پر کتنی کھجوریں ہیں ان کی صحیح مقدار معلوم نہیں اس لیے منع فرما دیا۔ یہاں بھی جہالت ہے۔ دودھ کی مقدار کیا ہے یہ معلوم نہیں۔

حدیث مُصرَّاۃ عندالفریقین، مسلم احادیث کے معارض ہے۔اس لیے اس کی صحت میں شبہ ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اگر مزابنت اور محاقلت میں سود کا اندیشہ ہے تو یہاں بھی ہے اس لیے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سود کی بنیاد طعم اور ثمنیت ہے۔ دودھ اور کھجور یا جو میں دونوں باتیں مشترک ہیں۔ یہ حدیث کا قیاس سے ترک نہ ہوا بلکہ حدیث کا حدیث مسلم عندالکل کے ساتھ معارض ہونے کی وجہ سے ترک ہوا۔ اور اس کی کثیر نظیریں عہد صحابہ میں موجود ہیں۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کی طرف یہ منسوب کیا کہ حضور نے فرمایا:

الوضو مما مست النار — جسے آگ نے چھویا ہو اس سے وضو ہے۔

مثلاً آگ پر پکی ہوئی کوئی چیز کھائی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اسی بناء پر بعض ائمہ اس کے قائل ہیں کہ گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ ح حدیث بیان کی تو وہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی موجود تھے۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہ کے سامنے یہ معارضہ پیش کیا:

انتوضأ من الدھن انتا ضوصأ من الحمیم — کیا تیل کے استعمال سے یا گرم پانی کے استعمال سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

اس کے جواب میں حضرت ابوہریرہ نے فرمایا۔ اے بھتیجے! جب حدیث رسول بیان کروں تو مثالیں نہ دیا کرو۔[۱۴۶] مگر حضرت ابن عباس اپنی رائے پر قائم رہے۔ اور یہی جمہور کا مذہب ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو نہیں جاتا۔ کیا جمہور امت کو یہ الزام دیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے قیاس کی بنا پر حدیث کو ترک کر دیا۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے حضرت ابن عباس کے یہ حدیث بیان کی کہ جو جنازہ اٹھائے وضو کرے۔ اس پر حضرت ابن عباس نے کہا:

ھل یلزمنا الوضوع من حمل عیدان یا بستہ۔ — کیا سوکھی لکڑیاں اٹھانے سے ہم پر وضو لازم ہے۔[۱۴۷]

بعض حضرات نے ابوہریرہ کی اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ جنازہ اوٹھانے والا وضو کر کے جنازہ اٹھائے۔ تا کہ نماز جنازہ پڑھنے میں تاخیر نہ ہو۔ لیکن اگر حضرت ابوہریرہ کی مراد یہ تھی تو انہیں جواب دینا چاہیے تھا۔ کہ میری مراد یہ ہے اپنی بیان کردہ حدیث کے مفہوم کو وہ بہتر سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عباس کے مواخذہ پر خاموشی اس کی دلیل ہے کہ ان کی مراد یہی تھی کہ جنازہ اٹھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ معاندین احناف ابن عباس کو کیا کہیں گے؟

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص نے نکاح کیا اور مہر کچھ مقرر نہیں کیا۔ پھر مر گیا۔ اس کی یہ زوجہ مہر پائے گی یا نہیں؟ پائے گی تو کتنی؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مہینہ تک غور وخوض کیا پھر یہ فتوی دیا۔ میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ نہیں سنا۔ میں اپنی رائے بتاتا ہوں اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر درست نہیں تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے۔ اس عورت کو مہر مثل دیا جائے نہ کم نہ زیادہ۔ اسی مجمع میں معقل بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے۔ کھڑے ہوئے اور کہا۔ میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ بَرْدع بنت واشق کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے یہی حکم دیا تھا۔ یہ سن کر حضرت ابن مسعود اتنے خوش ہوئے کہ کبھی اتنے مسرور نہیں دیکھے گئے تھے۔[۱۴۸] لیکن حضرت علی نے معقل بن سنان کی یہ حدیث نہیں تسلیم کی اور یہ کہہ کر اسے مسترد کر دیا۔

ما نصغی بقول اعرابی بوال علی عقیبیه و حسبها المیراث ولا مهرلها۔	اپنی ایڑیوں پر پیشاب کرنے والے گنوار کی بات پر ہم کان نہیں دھرتے۔ اس عورت کو صرف میراث ملے گی۔ مہر اس کے لیے نہیں۔

حضرت علی کا یہ قول نہ بھی ثابت ہو تو اتنا تو طے ہے کہ حضرت علی کا قول یہی ہے کہ ایسی عورت کو صرف میراث ملے گی اور کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اور یہی حضرت زید بن ثابت اور ابن

عباس اور ابن عمر کا بھی مذہب ہے۔ اب بتایئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان تینوں فقہاء صحابہ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ یہ اہل رائے تھے یا اہل حدیث؟

(۴) ترمذی میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس نے یہ حدیث بیان کی کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے شوہر سے انہیں نہ عدت کا نفقہ دلایا اور نہ رہنے کے لیے مکان دلایا۔ راوی حدیث مغیرہ کا بیان ہے کہ میں نے جب یہ حدیث ابراہیم سے ذکر کی تو انہوں نے کہا اس پر حضرت عمر نے یہ فرمایا:

لاندع کتاب اللّٰہ و سنۃ نبینا صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم بقول امرأۃ لا ندری احفظت ام نسیت فکان عمر جعل لھا السکنیٰ والنفقۃ۔	ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے۔ پتہ نہیں اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔ حضرت عمر نے ایسی عورت کو نفقہ بھی دلایا اور مکان بھی۔

شارحین نے کہا کہ کتاب اللہ سے مراد سورہ طلاق کی یہ دونوں آیتیں ہیں:

(۱) وَلَا تُخۡرِجُوۡهُنَّ مِنۡ بُيُوۡتِهِنَّ۔ وَلَا يَخۡرُجۡنَ۔	انہیں (عدت کے دوران) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔
(۲) اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ۔ مِنۡ وُجۡدِكُمۡ۔	جہاں خود رہتے ہو وہیں انہیں رکھو اپنی طاقت بھر۔

لیکن گزارش یہ ہے کہ ان آیتوں میں یہ تصریح نہیں ہے کہ طلاق والی کے لیے ہے اور آپ کے نزدیک خبر واحد سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز تو کیوں نہ اسے فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے حضرت عمر نے خاص فرمایا۔ آپ لوگوں کی زبان میں یہ حضرت عمر کا قیاس تھا کہ انہوں نے ان آیتوں کو اپنے عموم میں رکھا تو یہ قیاس سے حدیث کا رد کرنا ہوا۔ بولئے حضرت عمر کے بارے میں کیا تحقیق ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت عمر نے صحابۂ کرام کے مجمع عام میں یہ فیصلہ فرمایا۔ سب نے سکوت کیا۔ کیا سب صحابۂ کرام قیاس تھے۔

رہ گئی وہ ہدیث جو اس کے معارض ہے۔ وہ ترمذی میں مذکور نہیں۔ البتہ احناف کے اصول فقہ میں مذکور ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ایسی عورت کے لیے نفقہ اور سکنی ہے یہاں بھی احتمال ہے کہ کہیں جو حضرت عمر نے سنا وہ مطلق مطلقہ کے لیے ہو اور اسی پر مطلقہ ثلثہ کو قیاس فرمایا۔ جیسا کہ کتاب اللہ کے سلسلے میں ظاہر ہو گیا اور اگر بالفرض یہ ارشاد خاص مطلقہ ثلثہ کے بارے میں ہی ہو تو ایک حدیث کی دوسرے پر ترجیح کی وجہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا افقہ ہونا ہے۔ اور یہی احناف بھی کہتے ہیں کہ تعارض کے وقت ترجیح اس روایت کو ہوگی جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں۔ لیکن اب ہمیں یہ بتایئے کہ حضرت امام مالک امام شافعی لیث بن سعد کا مذہب یہ ہے کہ اسے رہنے کے لیے مکان ملے گا مگر نفقہ نہیں ملے گا۔ ترمذی ہے:

قال بعض العلم لها السکنیٰ ولا نفقة لها وهو قول مالک بن انس واللیث بن سعد والشافعی	بعض اہل علم نے کہا۔ اسے رہنے کے لیے مکان ملے گا نفقہ نہیں ملے گا۔ یہ مالک بن انس، لیث بن سعد اور شافعی کا مذہب ہے۔

ان تینوں ائمہ کو کس زمرے میں داخل مانتے ہو۔ اہل رائے کے یا اہل حدیث کے؟

ایک اور الزام: حدیث مُصراۃ کی طرح احناف کو حدیث کے بالمقابل قیاس پر عمل کرنے کا بہت زیادہ طعن، اِشعار کی کراہت کے قول سے دیا جاتا ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ ایام حج میں جو جانور مکہ معظمہ قربانی کے لیے جائے جاتے ہیں جنہیں ہَدی کہتے ہیں انہیں شناخت کے لیے یا تو گردن میں کچھ پہنا دیا جاتا ہے یا پھر ان کے کوہان میں معمولی سا زخم لگا دیا جاتا ہے۔ اُسے اِشعار کہتے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اشعار کیا۔ حضرت امام اعظم نے اشعار کو منع فرمایا۔ اس پر قیامت سر پر اٹھالی گئی۔ حالانکہ ہم اس کی بھی بکثرت نظیریں پیش کر سکتے ہیں کہ احادیث کی صحت تسلیم کرتے ہوئے صحابۂ کرام نے حدیث کے صریح منطوق کی خلاف اپنی رائے دی۔ مثلاً صحیح حدیث میں ہے کہ فرمایا:

لا تمنعوا آماء اللہ مساجد اللہ — اللہ کی کنیزوں کو اللہ کی مسجدوں میں حاضر ہونے سے مت روکو۔

اور عیدین کی حاضری کے لیے فرمایا:

ولیشھدن الخیر و دعوۃ المسلمین — بھلائی اور مسلمانوں کی دعاء میں حاضر ہوں

لیکن اما لمومنین حضرت صدیقہ نے فرمایا:

لورأی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما احدثت النساء لمنعھن کما منعت نساء بنی اسرائیل — آج عورتوں نے جو بنا رکھا ہے اگر نبی ﷺ دیکھتے انہیں مسجدوں سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔

اور بالآخر آج پوری امت نے بالاتفاق عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا ہے۔ بولئے پوری امت نے بھی وہی جرم کیا یا نہیں جو جرم ابوحنیفہ نے کیا۔ جو اس کا جواب ہے وہی ہمارا جواب ہے۔

اشعار کے کراہت کی وجہ: اشعار جو مسنون تھا وہ صرف یہ تھا کہ اونٹ کے دائیں یا بائیں کوہان کے نیچے تھوڑا سا چمڑے میں شگاف لگا دیں کہ کچھ خون بہہ جائے لیکن جب لوگوں نے اس میں تعدی کی اور گہرے گہرے زخم لگانے لگے جو گوشت پر پہنچ جاتا۔ اس میں بلا ضرورت شرعیہ جانور کو ایذاء بھی دینی تھی اور یہ بھی خطرہ تھا کہ یہ زخم بڑھ کر جانور کے ہلاک ہونے کا سبب نہ بن جائے تو امام اعظم نے اپنے زمانے کے اشعار، کو مکروہ بتایا۔ مذہبی ارکان کی ادا میں کبھی کبھی عوام کا جوش تعدی کی حد تک بڑھ جاتا ہے۔ یہی حال اشعار میں بھی ہونے لگا تھا۔ اس لیے سد الباب الفتنہ امام اعظم نے اسے مکروہ بتایا۔ جیسے عورتوں کو اس زمانے میں مسجد میں نماز کے لیے جانے سے روکنا حدیث لاتمنعوا آماء اللہ مساجد اللہ۔ کے منافی نہیں۔ اسی طرح اشعار میں تعدی کی بنا پر اشعار کو مکروہ کہنا حدیث کے منافی نہیں۔ یہ لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہے۔

اس قسم کے الزامات حضرت امام اعظم کے عہد میں بھی لگائے گئے جس سے بڑے

بڑے ائمہ متاثر بھی ہوئے مگر جب روبرو گفتگو ہوئی تو لوگوں کے شکوک وشبہات دور ہو گئے جس کی مثالیں اوپر گزر چکی ہیں۔

زیادہ غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ اصول فقہ میں ایک قاعدہ عام طور پر لکھا ہے کہ اگر راوی فقیہ ہے تو اس کی حدیث قیاس کے بالمقابل راجح ہوگی اور اگر فقیہ نہیں تو قیاس کی ترجیح ہوگی۔ لیکن کوئی یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ یہ حضرت امام اعظم نے کہیں بھی فرمایا ہو۔ فقہ، اصول فقہ کے لاکھوں صفحات میں نے دیکھ ڈالے مگر کہیں یہ نہیں ملا کہ یہ امام اعظم نے فرمایا ہے۔ اصول فقہ میں یہ تصریح ہے کہ یہ صرف عیسیٰ بن ابان اور ان کے کچھ متبعین کی ذاتی رائے ہے۔ امام ابوالحسن کرخی وغیرہ اس کے مخالف ہیں۔ مسلم الثبوت اٹھا کر دیکھو انہوں نے امام ابوالحسن کرخی ہی قول کو ترجیح دی ہے۔ یہ کتنی بڑی جرأت ہے کہ اگر کوئی بات کسی ایک یا چند حنفی عالم نے کہہ دی تو بلا ثبوت اس کو امام اعظم کے سر تھوپ دیا گیا جب کہ خود احناف اس کے مخالف ہوں اور اسے غیر صحیح کہہ رہے ہوں۔

(۱) پھر احناف کے نزدیک اس قاعدے کے ناقابل اعتبار ہونے کے نظائر بھی بکثرت ہیں۔ مثلاً نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ قیاس کی خلاف ہے اور یہی امام مالک وغیرہ کا مذہب بھی ہے کہ یہ ناقص وضو نہیں۔ امام محمد اس پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لولا ماجاء من الاثار کون القیاس علیٰ ماقال اھل المدینة لکن لا قیاس مع الاثرو الینبغی الا ان ینقاد الاثار۔

اگر حدیث نہ ہوتی تو قیاس وہی تھا جو اہل مدینہ کہتے ہیں۔ لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کچھ نہیں۔ صرف احادیث ہی کی اتباع کرنی چاہیے۔

(۲) رمضان میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ یہ حدیث سے ثابت ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ جب کھا پی لیا تو روزہ ختم۔ مگر امام اعظم نے فرمایا:

لولا ماجاء فی ھذا من الاثار لاموت بالقضاء

اگر اس بارے میں احادیث نہ ہوتیں تو میں ایسے روزے کی قضاء کا حکم دیتا۔

احادیث کے علل قادحہ خفیہ: یہاں ایک نکتہ یہ قابل لحاظ ہے کہ احادیث کی صحت و عدم صحت میں بھی اختلاف رائے ہوا ہے۔ ایک ہی حدیث دسیوں محدثین کے نزدیک صحیح ہے مگر دوسرے محدثین اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ جس حدیث کو صحیح کہتے ہوں وہ واقع میں بھی صحیح ہو۔ یا وہ دوسرے محدثین کے نزدیک بھی صحیح ہو۔ اور جسے آپ ضعیف کہتے ہوں وہ واقع میں ضعیف ہی ہو یا دوسرے محدثین کے نزدیک ضعیف ہی ہو۔ اس کی ایک مثال وہ احادیث ہیں کہ جن سے آمین بالجہر ثابت کیا جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی حدیث امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں اس لیے کہ اگر ان میں ایک بھی ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو جب کہ امام بخاری نے آمین بالجہر کا باب باندھا ہے تو اسے ضرور ذکر فرماتے آمین بالجہر کا باب باندھنے کے باوجود بھی ان حدیثوں میں سے کسی حدیث کو ذکر نہ کرنا اس کی دلیل ہے کہ یہ احادیث امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں۔ مگر دوسرے محدثین اسے صحیح مانتے ہیں۔

دوسری مثال یہ حدیث ہے:

من صلی خلف الامام فان قرأة الامام له قرأة	جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

معاندین اس حدیث میں طرح طرح کے کیڑے نکالتے ہیں مگر یہ حدیث صحیح پر قدح ہر قلت سے پاک ہے۔ امام محمد نے موطا[١٥٠] میں ایسی سند کے ساتھ جس کے تمام رجال صحاح ستہ کے رجال ہیں روایت کیا۔ امام ابن ہمام نے فرمایا۔[١٥١] یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ محدثین نے صحت کے معیار الگ الگ قائم کیے ہیں۔ مثلاً حضرت امام اعظم کے نزدیک دیگر اور شروط کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ راوی حدیث کو سننے کے وقت سے لے کر اداء کے وقت تک یاد رکھے۔ یہ کڑی شرط امام بخاری اور مسلم کے یہاں بھی نہیں۔ امام بخاری کے یہاں حدیث معنعن میں معاصرت کے ساتھ لقاء شرط ہے۔ امام مسلم کے یہاں لقاء کی شرط نہیں صرف معاصرت کافی ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان قول و فعل نہیں۔ امام بخاری اس کی حدیث نہیں لیتے۔ بقیہ تمام محدثین لیتے ہیں۔ احناف اور جمہور محدثین کے یہاں حدیث

مرسل حجت ہے۔ کچھ محدثین کے یہاں حجت نہیں۔ اس شرائط کے اخلاف سے احادیث کی صحت اور عدم صحت میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ بلکہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ رواۃ کے بارے میں مختلف نظریات ہیں۔ ان کی وجہ سے بھی اختلاف پیدا ہوا ہے۔ پھر ان ظاہر وجوہ سے ہٹ کر کبھی بظاہر حدیث صحیح ہے۔ متصل السند ہے۔ تمام راوی ثقہ ہیں۔ کوئی خرابی نہیں نظر آئی دیگر ایک ماہر حدیث کا نقاد، حاذق اسے کسی خفی علت کی بنا پر ضعیف کہہ دیتا ہے۔ پھر لطف یہ کہ محدثین خود ہی تصریح کرتے ہیں کہ کبھی خود ناقد وہ وجہ نہیں نہیں بیان کرسکتا جو اس کے معلل ہونے کی ہے۔ جیسے ایک صراف سونے چاندی کو پرکھ کے خود جان لیتا ہے کہ کھری ہے کہ کھوٹی۔ مگر دوسرے کو بتا نہیں پاتا۔ مشہور محدث ابوحاتم سے کسی نے چند حدیثوں کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے بعض کو صحیح بعض کو مُسدرج بعض کو منکر بتایا۔ سائل نے عرض کیا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ کیا راویوں نے آپ کو یہ تفصیل بتائی ہے؟ ابوحاتم نے کہا نہیں۔ مجھے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کہا۔ کیا آپ غیب جانتے ہیں؟ فرمایا تم دوسرے ماہرین سے پوچھ لو اگر وہ میری موافقت کریں تو مانو۔ اس نے جاکر انہیں کے معاصر دوسرے محدث ابوزرعہ سے پوچھا۔ انہوں نے بھی وہی کہا جو ابوحاتم نے کہا تھا۔ اب اس کو اطمینان ہوا۔ [۱۵۲] امام بخاری کے استاذ اور مسلم الثبوت محدث علی بن مدینی نے کہا:

هی الهام ولو قلت للقیم بالعلل من این لک هذا لا تکن له حجة۔ [۱۵۳]

یہ الہام ہے اگر علل کے ماہر سے پوچھو کہ تم نے کس بنا پر اسے معلل کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں پیش کرسکتا۔

بعض محدثین نے اسی کو یوں کہا ہے۔

اثر یهجم علیٰ قلوبهم لا یمکنهم رده وهیئة نفسانیة لامعدل لهم۔

یہ ایک اثر ہے جو محدثین کے دل میں وارد ہوتا ہے جسے وہ رد نہیں کرسکتے اور ایک نفسیاتی تاثر ہے جس سے وہ صرف نظر نہیں کرسکتے۔

اور کچھ حضرات نے یہ کہا کہ صحیح احادیث میں ایک خاص نورانیت ہوتی ہے۔ وہ جب کسی میں نہیں ملتی تو محدث جان جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

محدثین کو من جانب اللہ ایسا ملکہ حاصل ہونا بعید از قیاس نہیں۔ کہ وہ اپنی فراست ایمانی سے یہ فرق کرسکیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے یا نہیں۔ یہ حضور اقدس ﷺ کا فعل ہے یا نہیں۔ حضرت امام اعظم اپنے وقت کے ہی نہیں بلکہ بعد کے اعتبار سے بھی ایک عظیم ہی نہیں اعظم جلیل ہی نہیں اجل کبیر ہی نہیں اکبر محدث بھی تھے۔ اور ایسے ماہر حاذق کہ احادیث سے متعلق تمام اسرار و رموز سے کماحقہ واقف تھے۔ اور ساتھ ساتھ بے مثال مجتہد بھی۔ انہوں نے اپنے اس خداداد ملکہ سے کام لے کر کچھ احادیث علل خفیہ قادحہ کی بنا پر معلل ہونے کی وجہ سے ترک کردیا۔ تو یہ حقیقت میں عمل بالحدیث کا ترک نہ ہوا۔ لیکن معاندین کا کوئی علاج نہیں۔

معانی حدیث کی فہم: پھر قرآن و حدیث کے معانی کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں۔ حدیث گزر چکی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا۔ اللہ عزوجل جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے۔ اسی بخاری کتاب العلم میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مذکور ہے۔

فهم اُعطِيه رجل مسلم۔[۱۵۴] — سمجھ جو کسی مسلمان کو دی گئی ہو۔

پھر سمجھنے والے بھی مختلف مدارج کے ہوتے ہیں۔ ایک چیز سے ایک بات ایک کے سمجھ میں آتی ہے اور دوسرے لوگ اسے نہیں سمجھ پاتے ہیں۔

(۱) حضور اقدس ﷺ نے اخیر عمر مبارک دوران خطبہ فرمایا۔

ان اللّٰه خير عبدا بين الدنيا و بين ماعنده فاختار ذلک العبد ماعنده۔ — اللہ نے ایک بندے کو یہ اختیار دیا کہ دنیا پسند کرے یا حضور بارگاہ اس بندے نے حضوری بارگاہ پسند کیا۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر رونے لگے۔ حضرت ابوسعید خدری راوی حدیث کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اس پر تعجب ہوا۔ رو کیوں رہے ہیں۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بندۂ مختار خود حضور

اقدس ﷺ تھے۔ اور ابو بکر ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔[۱۵۵]

(۲) حضرت فاروق اعظم، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے قریب رکھتے تھے۔ یہ بات دوسرے بزرگوں کو ناپسند ہوئی کہ ہمارے لڑکوں کو اتنا قریب کیوں نہیں کرتے۔ خدمت میں عرض کیا۔ حضرت عمر نے سب کے صاجزادوں کو اور ابن عباس کو بھی بلایا۔ اور دریافت کیا کہ سورۂ نصر اِذَا جَاءَ سے کیا سمجھتے ہو۔ کچھ صاجزادے تو بالکل خاموش رہے۔ کچھ نے عرض کیا۔ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب ہماری مدد ہوئی ہمیں فتح نصیب ہوئی تو ہم اللہ کی تسبیح وتحمید کریں۔ استغفار کریں۔ یعنی اس کا شکر کریں۔ حضرت عمر نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو تو انہیں نے عرض کیا۔ اس میں حضور اقدس ﷺ کے وصال کے قریب کی خبر دی جارہی ہے۔

کچھ اسی قسم کا معاملہ حضرت امام اعظم اور ان کے معاصرین و معاندین کا بھی ہے۔ حضرت امام اعظم کو اللہ عزوجل نے قرآن واحادیث کے معانی کے سمجھنے کی ایسی قوت وصلاحیت عطا فرمائی تھی جو دوسروں میں نہ تھی۔ دوسروں کی نظریں الفاظ کی سطح تک رہتیں۔ اور حضرت امام اعظم کی نکتہ رس فہم معانی کے دقیق سے دقیق ادق سے ادق بطون تک پہنچ جاتی۔ جس پر یہ لوگ خود حیران رہ جاتے۔ ان میں جنہیں اللہ چاہتا۔ امام کی جلالت کو تسلیم کر لیتا۔ ورنہ وہ معاندانہ روش پر اڑا رہتا۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی نے الخیرات الحسان میں خطیب کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام ابو یوسف نے فرمایا۔ حدیث کی تفسیر اور حدیث میں جہاں جہاں فقہی نکات ہیں ان کا جاننے والا میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے جب کبھی ان کا خلاف کیا پھر غور کیا تو ان کا مذہب آخرت میں زیادہ نجات دہندہ نظر آیا۔ ایک بار حضرت امام اعظم، حضرت سلیمان اعمش کے یہاں تھے۔ امام اعمش سے کسی نے کچھ مسائل دریافت کیے۔ انہوں نے امام اعظم سے پوچھا۔ آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظم نے ان سب کے حکم بیان فرمائے۔ امام اعمش نے پوچھا کہاں سے یہ کہتے ہو۔ فرمایا۔ آپ ہی کی بیان کردہ احادیث

سے اور ان احادیث کو مع سندوں کے بیان کردیا۔ امام اعمش نے فرمایا۔ بس بس، میں نے آپ سے جتنی حدیثیں سو دن میں بیان کیں آپ نے وہ سب ایک دن میں سنا ڈالی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ ان احادیث پر عمل کرتے ہیں۔

یا معشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصيادلة و انت ايها الرجل اخذت بكلا الطرفين۔[۱۵۶] اے گروہ فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطاء اور آپ نے دونوں کو حاصل کرلیا۔

اللہ عز وجل حضرت سلیمان اعمش کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ انہوں نے ان تمام مباحث کو جو آج تک محدثین اور فقہاء کے مراتب کی تعیین میں چلی آرہی ہے۔ ان چند لفظوں میں سمیٹ کے رکھ دیا ہے۔ اب ہم بھی اس گفتگو کو انہیں الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔

ایک لطیفہ: حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالت شان گھٹانے کے لیے ایک جاہلانہ سوال بہت اچھالا جاتا ہے۔ آج کل کے غیر مقلدین اسے بطور وظیفہ پڑھتے بھی ہیں اور اپنے غیر مقلد طلبہ کو پڑھاتے بھی ہیں۔ اس کا خاص سبب یہ ہے کہ حضرت امام بخاری سے باآں جلالت شان کہیں کہیں لغوی، صرفی لغزش ہوگئی ہے۔ جن پر شارحین نے کلام کیا ہے۔ علامہ عینی نے بھی ان لغزشوں کا تذکرہ اپنی شرح میں کردیا ہے۔ بس کیا تھا بھڑ کے چھتے میں لکڑی چلی گئی۔ ساری دنیا امام بخاری پر اعتراض کرے تو کرے ایک حنفی کیوں کچھ کہے۔ دیانت خدا ترسی سب کو بالائے طاق رکھ کر امام اعظم پر لعن طعن سب وشتم پر اتر آئے۔ امام بخاری سے بڑی عقیدت تھی۔ تو ان لغزشوں کی تصحیح کرتے۔ یہ تو ان سے ہو نہ سکا۔ کیا یہ کہ حضرت امام اعظم کا ایک قول ڈھونڈ نکالا۔ جو ان معاندین کی پڑھی ہوئی نحو کے خلاف ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ابو عمرو علاء نحوی مقری نے حضرت امام اعظم سے پوچھا کہ قتل بالمثقل سے قصاص واجب ہے یا نہیں؟ فرمایا نہیں۔ اس پر ابو عمرو نے کہا اگر وہ منجنیق کے پتھر سے مارے پھر بھی نہیں فرمایا۔

لو قتله بابا قبيس — اگرچہ (جبل) ابی قبیس سے قتل کرے۔

چونکہ ابوقبیس پر، با، حرف جار داخل ہے۔ اس لیے اس کو یاء کے ساتھ ''بابی قبیس''

ہونا چاہیے تھا اور حضرت امام اعظم نے اسے الف کے ساتھ فرمایا۔ یہ نحو کے قاعدے سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

حالانکہ حقیقت اس کی برعکس ہے۔ اس سے ایک طرف حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نحوی تبحر ثابت ہوتا ہے تو دوسری طرف معاندین کی جہالت اور علم نحو میں ان کی بے مائیگی ثابت ہوتی ہے۔ اور حد یہ ہے کہ بخاری سے بھی واقفیت نہیں۔ بخاری قتل ابی جھل میں ہے۔ کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوجہل کا سر قلم کرنے گئے تو اس سے کہا۔ انت اباجھل۔ جو روایت بطریق محمد بن مثنیٰ ہے۔ اس میں معتمد روایت یہی ہے جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔ حالانکہ ہونا چاہیے ابوجہل۔ اپنے مخالف پر اعتراض کرنے چلے تھے۔ اور وہ ان کے ہی امام پر لوٹ آیا۔ اولیاء اللہ کے ساتھ عداوت کا یہی حال ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ ''بابا قبیس'' غلط ہے۔ اور نہ ''انت اباجھل'' غلط۔ اسمائے ستہ بکرہ میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ ''جب غیر یائے متکلم کی جانب مضاف ہوتو ہر حالت میں الف کے ساتھ ان کا اعراب ہوگا۔'' چنانچہ اسی لغت پر مندرجہ ذیل شعر ہے ؎

ان اباھا وابااباھا قد بلغا فی المجد غایتاھا

مگر ان غریبوں کو یہی معلوم ہے کہ چونکہ نحو میر میں اسمائے ستہ بکرہ کا اعراب یہ لکھا ہے کہ حالت جر میں ''یا'' کے ساتھ اور حالت رفع میں ''واؤ'' کے ساتھ اس لیے ''انت اباجھل'' ''ولو قتلہ بابا قبیس'' غلط ہے۔

ایک اور طعن اور اس کا جواب

فقہ حنفی ہی نہیں مطلقا فقہ پر امام بخاری کا ایک طعن برابر چلا آ رہا ہے اور آج کل کے معاندین امام بخاری کے کاندھے پر بندوق رکھ کر اس کا احناف کو نشانہ بناتے ہیں۔ وہ یہ کہ فقہاء احادیث کو چھوڑ کر اقوال رجال سے احکام نکالتے ہیں اسی میں پھنسے رہتے ہیں۔

پہلا جواب: اس کا یہ ہے کہ خود امام بخاری نے بھی اقوال رجال سے احکام استنباط فرمایا اور انہیں دلیل بنایا بلکہ کہیں کہیں صرف اقوال رجال ہی کو دلیل بنایا۔ ان کے ابواب کو اٹھا کر دیکھئے کہ کتنے ابواب میں حدیث سے پہلے اقوال رجال ذکر کرتے ہیں پھر حدیث اور کہیں کہیں تو باب کے تحت کوئی حدیث نہیں صرف اقوال رجال ہی ہے۔ بلکہ ایک عامی کو امام بخاری کی طرز سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ ان کے نزدیک اقوالِ رجال کی حیثیت حدیث سے زائد ہے۔ اس لیے کہ امام بخاری کی ترتیب یہ ہے کہ وہ باب کی تائید میں پہلے آیت ذکر کرتے ہیں۔ اگر اس کی مؤید کوئی آیت ہو۔ پھر اقوال رجال پھر حدیث اگر کوئی ان کے پاس ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید سب پر مقدم۔ اس سے کسی کا ذہن اس طرف جاسکتا ہے کہ یہ ترتیب الاہم فالاہم کی ہے۔

دوسرا جواب: جن امور کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی حکم نہ ملے کہ غیر مجتہد کیا کرے اسے آپ بتائیں۔

تیسرا جواب: یہ بات تحقیق ثابت ہوچکی کہ فقہ کی اصل بنیاد قرآن و احادیث ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہوچکا کہ فقہاء نے احکام کو قرآن و احادیث ہی سے استخراج فرمایا ہے جو احکام قرآن و حدیث میں نہ مل سکے ان میں انہوں نے قرآن و حدیث سے متخرج احکام کو سامنے رکھ کر اجتہاد سے احکام معلوم کیے ہیں۔ تو آپ بتائیں کہ پھر فقہاء کے اقوال کیوں قابل قبول نہ ہوں گے۔ اور یہ حقیقت میں اقوال فقہاء پر اعتماد کرنا نہیں بلکہ اصل اعتماد قرآن و حدیث پر ہے۔ یہ اقوال فقہاء قرآن و احادیث سے ماخوذ ہیں۔ اس لیے یہ قابل اعتماد ہیں۔ جیسے آپ لوگ بھی ایک ہی صدی میں غیر مقلدیت کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار جانتے ہوئے بھی فتاویٰ نذیریہ، فتاویٰ ثنائیہ پر اعتماد کرتے ہیں۔ جیسے آپ لوگ بھی ایک ہی صدی میں غیر مقلدیت کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار جانتے ہوئے بھی فتاویٰ نذیریہ، فتاوی ثنائیہ پر اعتماد کرتے ہیں اور وہی آپ لوگوں کا معمول یہ ہے۔ کیا امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کے اقوال پر اعتماد جائز نہیں۔ اور میاں نذیر حسین دہلوی اور مولوی ثناء اللہ امرتسری کے اقوال کا درجہ

قرآن و احادیث کے برابر ہے کہ ان پر اعتماد درست ہے۔

اقوال فقہاء پر اعتماد یقیناً اس وقت ناجائز وحرام ہوتا جب یہ ان کی ذاتی رائے ہوتی اور قرآن و احادیث کے معارض ہوتی۔ مگر جب ان کے اقوال قرآن و حدیث کے مطابق ہیں تو ان پر اعتماد اصل میں قرآن و احایث ہی پر اعتماد ہے۔

چوتھا جواب: اصل معاملہ یہ ہے کہ جو مجتہد نہیں اسے کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کرنی فرض ہے۔ اس قدر پر امت کا اجماع ہے اور یہ قرآن و احادیث سے بھی ثابت ہے۔ مجتہد کون ہے یا کون ہوسکتا ہے۔ اس کو آپ اس سے سمجھ لیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام میں سے مجتہد کتنے ہوئے ان کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔ یہ تفصیل کا موقع نہیں۔ اب جو مجتہد نہیں لامحالہ اسے کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کرنی ہے اور جب وہ مقلد ہے تو اسے امام کے اقوال پر اعتماد کرنا لازم ہے جس کا وہ مقلد ہے۔ اسے براہ راست قرآن و احادیث سے مسائل کے استخراج کی کوشش جائز نہیں۔ امت کی اکثریت بلکہ غالب اکثریت غیر مجتہد ہے۔ اس لیے وہ لوگ اقوال فقہاء سے احکام تلاش کرتے ہیں۔ اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ عمل خود اجلّہ محدثین مصنفین صحاح ستہ حتی کہ شیخین کے اساتذہ کا تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو اسے فقہاء کی طرف رجوع کا حکم دیتے یا یہ خود فقہاء کی طرف رجوع کرتے۔

ابھی گزرا کہ ایک سائل حضرت سلیمان اعمش کی خدمت میں آیا انہوں نے امام اعظم سے فرمایا کہ آپ اسے مسئلہ بتائیے۔ حضرت سفیان ثوری سے جب کوئی دقیق مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے اس مسئلہ پر سوائے اس شخص کے جس سے لوگ حسد کرتے ہیں کوئی اچھی تقریر نہیں کرسکتا یعنی امام اعظم۔ پھر حضرت امام اعظم کے شاگردوں سے پوچھتے کہ اس بارے میں تمہارے شیخ کا کیا قول ہے؟ یہ لوگ بتاتے اسی کے مطابق فتوی دیتے۔ اگر کبھی حضرت امام کے ساتھ ہوتے تو ہمیشہ امام صاحب کو آگے بڑھاتے۔ اگر ان لوگوں کی رائے امام اعظم کی رائے کے متصادم ہوئی تو ہمیشہ یہی ثابت ہوا کہ امام صاحب کی رائے صحیح ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص سے اس کی بیوی کا جھگڑا ہوا شوہر یہ قسم کھا بیٹھا کہ جب تک تونہیں

بولے گی میں بھی نہیں بولوں گا۔ بیوی کیوں پیچھے رہتی۔ اس نے بھی برابر کی قسم کھائی جب تک تو نہیں بولے گا میں نہیں بولوں گی۔ جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اب دونوں پریشان شوہر حضرت سفیان ثوری کے پاس گیا کہ اس کا حل کیا ہے۔ فرمایا کہ بیوی سے بات کرو وہ تم سے بات کرے اور قسم کا کفارہ دے دو۔ شوہر حضرت امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا جاؤ تم دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرو۔ کفارہ کی ضرورت نہیں۔ جب سفیان ثوری کو یہ معلوم ہوا تو بہت خفا ہوئے۔ امام اعظم کے پاس جا کر یہاں تک کہہ دیا کہ تم لوگوں کو غلط مسئلہ بتاتے ہو۔ امام صاحب نے اسے بلوایا اور اس سے دوبارہ پورا قصہ بیان کرنے کو کہا۔ جب وہ بیان کر چکا تو امام صاحب نے حضرت سفیان ثوری سے کہا۔ جب شوہر کے قسم کے بعد عورت نے شوہر کو مخاطب کر کے وہ جملہ کہا تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتداء ہوگئی۔ اب قسم کہاں رہی۔ اس پر حضرت سفیان ثوری نے کہا۔ واقعی عین موقع پر آپ کی فہم وہاں تک پہنچ جاتی ہے جہاں ہم لوگوں کا خیال نہیں جاتا۔

ایک دفعہ کوفے کے ایک شخص نے اپنے دو بیٹیوں کی شادی کی اور کوفے کے تمام علماء فقہاء کو بھی مدعو کیا۔ امام اعظم، سفیان ثوری، مسعر بن کدام، حسن بن صباح سبھی دعوت میں شریک تھے۔ لوگ ابھی کھانا کھا ہی رہے تھے کہ میزبان پریشان حال آیا۔ اور کہا بڑی مشکل ہوگئی۔ عورتوں کی غلطی سے زفاف میں دو بہنیں بدل گئیں۔ اب کیا کیا جائے؟ حضرت سفیان نے کہا۔ حضرت معاویہ کے زمانے میں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا ہر ایک کی زوجہ اس کے پاس بھیج دی جائے۔ البتہ دونوں کو مہر دینا پڑے گا۔ مسعر بن کدام نے حضرت امام اعظم سے عرض کیا آپ کیا کہتے ہیں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ دونوں لڑکوں کو بلاؤ دونوں لڑکے آئے تو امام صاحب نے ہر ایک سے پوچھا کہ جو لڑکی رات تمہارے ساتھ تھی وہ تم کو پسند ہے ہر ایک نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اب ایسا کرو کہ تم دونوں ان لڑکیوں کو جن سے تمہارا نکاح ہوا تھا طلاق دے دو۔ اور جس کے ساتھ رات گزاری تھی اس سے نکاح کر لو۔ حضرت سفیان کا جواب بھی اپنی جگہ درست تھا اس لیے کہ وطی بالشبہہ

سے نکاح نہیں ٹوٹتا امام صاحب بھی اس کو جانتے تھے مگر سوال یہ تھا کہ کیا دونوں شوہر اسے پسند کرتے؟ کیا یہ غیرت کے منافی نہ تھا؟

مخالفت کے اسباب: ایک تو وہی حسد چونکہ جب امام صاحب کے فضل و کمال کی شہرت ہوئی تو ساری مجلسیں سونی ہو گئیں۔ عوام و خواص سب کے مرجع اعظم حضرت امام ہی ہو گئے۔ یہ بات معاصرین کے لیے بہت تکلیف دہ تھی۔ اس سے لوگ امام کا وقار گرانے کے لیے ان پر بے جا تنقیدات کرنے لگے۔

دوسرا سبب: معاصرین سے اگر کوئی لغزش ہوتی تو اظہار حق کے لیے حضرت امام اس کو ظاہر کرتے۔ اس سے لوگ چڑھ جاتے۔ محمد بن عبدالرحمٰن جو قاضی ابن ابی لیلیٰ کے نام سے مشہور ہیں۔ کوفے کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ بتیس برس کوفے کے قاضی رہے۔ ان سے کبھی کبھی فیصلوں میں غلطی ہو جاتی تھی۔ حضرت امام ان کی اصلاح کے لیے انہیں تنبیہ فرما دیا کرتے تھے۔ انہیں یہ بات ناپسند تھی۔ اس لیے وہ حضرت امام سے ایک خلش رکھتے تھے۔ وہ مسجد میں بیٹھ کر مقدمات دیکھتے تھے۔ ایک دن مجلس قضاء سے فارغ ہو کر کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک عورت کا کسی سے جھگڑا ہو رہا تھا۔ عورت نے اس شخص کو یا ابن الزانیین کہہ دیا۔ (یعنی اے زانی اور زانیہ کے بیٹے) قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت کو پکڑ کر مجلس قضاء میں لے چلو! یہ بھی واپس آئے اور حکم دیا کہ عورت کو کھڑی کر کے قذف کی دوہری سزا دی جائے۔ اسی ۸۰ اسی ۸۰ یعنی ایک سو ساٹھ کوڑے مارے جائیں۔ جب امام صاحب کو اس کی اطلاع ملی تو فرمایا۔ ابن ابی لیلیٰ نے اس میں چھ غلطیاں کی ہیں۔ مجلس قضا سے اٹھنے کے بعد دوبارہ فوراً واپس آ کر فیصلے کے لیے بیٹھے۔ مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں حد جاری کرنے سے منع فرمایا ہے۔ عورت کو بٹھا کر حد مارنی چاہیے۔ انہوں نے کھڑے کرا کر درّے لگوائے۔ ایک ہی حد لازم تھی انہوں نے دو جاری کیں۔ ایک ہی ساتھ دو حدیں لگوائیں۔ حالانکہ اگر کسی پر دو حد لازم بھی ہو تو ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہیے جب اس کے زخم اچھے ہو جائیں تو دوسری حد لگانی چاہیے۔ جسے عورت نے ابن الزانیین کہا تھا اس نے

جب مطالبہ نہیں کیا تھا۔ تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنے کا حق نہ تھا۔ اس تنقید کی اطلاع جب قاضی صاحب کو ہوئی تو سخت ناراض ہوئے۔ کوفے کے گورنر سے شکایت کی کہ ابوحنیفہ نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ گورنر نے حضرت امام پر پابندی لگا دی کہ امام ابوحنیفہ فتوی نہیں دے سکتے۔ کوفے میں اور بہت سے فقہاء تھے۔ اس صورت میں فتوٰی دینا فرض کفایہ تھا۔ امام صاحب نے فتوی دینا بند کر دیا۔ اسی اثنا ایک دن گھر میں تشریف رکھتے تھے کہ ان کی صاحبزادی نے پوچھا کہ آج میں روزے سے ہوں۔ دانت سے خون نکلا اور میں نے بار بار تھوکا یہاں تک کہ تھوک بالکل سفید ہو گیا اس میں خون کا اثر بالکل ظاہر نہیں ہوتا اب اگر میں تھوک گھونٹ لوں تو میرا روزہ رہے گا یا جاتا رہے گا۔ تو امام صاحب نے فرمایا بیٹی تم اپنے بھائی حماد سے پوچھ لو۔ مجھے آج کل فتوی دینے سے روک دیا گیا ہے۔ ابن خلکان نے اس پر لکھا ہے کہ اطاعت امیر اور دیانت و امانت کی اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔[۱۵۷] لیکن جب سائل میں خود کوفے کے گورنر کو دشواریاں پیش آنی شروع ہوئیں اور کوئی حل نہ کر سکا تو اسے بھی مجبور ہو کر حضرت امام کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ اور حکم امتناعی اٹھا لینا پڑا۔ امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں۔

وکان هذا المنع للامام رضی الله تعالیٰ عنه قبل اجتماعه به و معرفته بمقام الامام فی العلم۔[۱۵۸]	یعنی امام صاحب کو فتوی دینے سے منع کرنا آپ کی ملاقات اور آپ کے پایۂ علمی کی معرفت سے پیشتر تھا۔

اور جب امام صاحب کے پایۂ علمی اک علم ہوا تو پکار اٹھا۔

هذا عالم الدنیا الیوم۔[۱۵۹]	یعنی یہ آج دنیا کے عالم ہیں۔

یحیی بن سعید، شہنشاہ منصور عباسی کے یہاں بہت رسوخ رکھتے تھے۔ کوفے کے قاضی تھے۔ مگر کوفے میں ان کو وہ قبول عام نہ حاصل ہو سکا جو حضرت امام اعظم کا تھا۔ اس پر ان کو بہت تعجب ہوتا تھا۔ کہا کرتے تھے کہ کوفے والے عجیب کم عقل ہیں۔ تمام شہر ایک شخص یعنی امام ابوحنیفہ کی مٹھی میں ہے۔ اس پر امام اعظم نے امام ابویوسف امام زفر اور چند اور شاگردوں کو بھیجا

کہ قاضی صاحب سے مناظرہ کریں۔ امام ابویوسف نے قاضی یحیی سے پوچھا۔ ایک غلام دو آدمیوں میں شریک ہے۔ ان میں سے ایک شخص آزاد کرنا چاہتا ہے تو آزاد کرسکتا ہے یا نہیں؟ قاضی صاحب نے کہا کہ نہیں کرسکتا۔ اس میں دوسرے حصہ والے کا نقصان ہے۔ حدیث میں ہے لا ضرر ولا ضِرار ۔جس کام سے دوسرے کو ضرر پہنچے جائز نہیں۔ امام ابویوسف نے پوچھا اگر دوسرا آزاد کردے تو؟ اس پر قاضی صاحب نے کہا اب آزاد ہوجائے گا۔ امام ابویوسف نے کہا۔ آپ نے اپنے قول کا رد کردیا۔ پہلے نے جب غلام آزاد کیا تو اس کا آزاد کرنا بے اثر رہا۔ یہ غلام، پورا کا پورا غلام ہی رہا۔ اب دوسرے نے آزاد کیا تو وہی پہلی پوزیشن لوٹ آئی۔ اب کیسے آزاد ہوگیا؟

تیسرا سبب: یہ ہے کچھ ناخدا ترس ایسے بھی تھے جو حضرت امام کے خلاف جھوٹے قصے وضع کر کے منسوب کرتے تھے۔ مثلاً نعیم بن حماد، یہ وہ بزرگ ہیں جنہیں امام نسائی نے، ضعیف کہا۔ ابو الفتح ازدی وغیرہ نے کہا کہ یہ وضاع کذاب تھا۔ امام ابوحنیفہ کی تنقیص کے لیے جھوٹی روایتیں گڑھا کرتا تھا۔ اور حدیثیں بھی وضع کرتا تھا۔ اور بہانہ یہ بناتا کہ میں ایسا تقویت سنت کے لیے کرتا ہوں۔ ایسے لوگوں پر حیرت نہیں۔ حیرت امام بخاری پر ہے کہ انہوں نے ایسے کذاب وضاع کی حدیثوں پر اعتماد کر کے اپنی کتابوں میں اسے جگہ دی۔ اس سلسلے میں علامہ سخاوی کا فیصلہ نقل کر کے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

حافظ ابو الشیخ بن حبان نے کتاب السنہ میں، یا حافظ ابن عدی نے کامل میں، یا ابوبکر خطیب نے تاریخ بغداد میں، یا ابن ابی شبیہ نے اپنے مصنف میں، یا بخاری اور نسائی نے، بعض ائمہ کے بارے میں جو لکھا۔ یہ ان کی شان علم و اتقان سے بعید ہے۔ ان باتوں میں ان کی پیروی نہ کی جائے۔ اس سے احتراز کیا جائے۔ بحمدہ تعالیٰ ہمارے مشائخ کا یہی طریقہ تھا۔ کہ اسلاف کی اس قسم کی باتوں کو مشاجراتِ صحابہ کی قبیل سے مانتے تھے اور سب کا ذکر خیر سے کرتے تھے۔

تلامذہ: حضرت امام اعظم کے تلامذہ کی صحیح تعداد معین کرنا مشکل ہے۔ یہ تلامذہ تین قسم کے

تھے۔ ایک وہ جن کی شہرت صرف فقہ میں ہوئی ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کا کوئی شمار نہیں۔ دوسرے وہ جن کی شہرت بحیثیت محدث ہوئی ان کی بھی تعداد ہزاروں ہے۔ تیسرے وہ جو دونوں حیثیت سے ممتاز ہوئے۔ ان سب تفصیلی بحث تو دفتر چاہتی ہے۔ صرف اسماء کی فہرست تیار کرنے کے لیے سیکڑوں صفحات چاہیے۔ ناظرین کی طمانیت خاطر کے لیے اتنا ہی ذکر کافی ہے کہ امام اعظم کے تلامذہ میں ایک بہت بڑی تعداد ان محدثین کی ہے جو اصحاب صحاح ستہ اور امام احمد یحیی بن معین وغیرہ کے بھی شیخ یا شیخ الشیخ ہیں۔ ان میں خصوصیت سے قابل ذکر مکی بن ابراہیم ملجی ہیں جو امام بخاری کی بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات کے شیخ ہیں۔ بلخ کے امام ہیں۔ ان کا قول ہے امام ابوحنیفہ اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم سب سے بڑے زاہد سب سے بڑے حافظ تھے۔ حافظ اُس عہد میں محدث کو کہتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک امام صاحب سب سے بڑے محدث تھے۔ مشہور محدثین نے خاص اس سند سے بھی احادیث اپنی تصنیفات میں لی ہیں جن کے راویوں میں حضرت امام اعظم بھی ہیں۔ امام دارقطنی نے اس کے باوجود کہ امام اعظم سے تعصب رکھتے تھے۔ اپنی سنن میں ۳۳ جگہ ایسی روایت لی ہیں۔ حاکم کی مستدرک، طبرانی کی معجم صغیر، مسند ابوداوٗد وطیالسی میں امام اعظم کے واسطے سے مروی حدیثیں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ صاحب خلاصہ نے امام اعظم کے ترجمے میں، ترمذی، نسائی، جزءالبخاری کی علامت لگائی ہے۔ مجمع البحار میں ہے کہ ترمذی اور نسائی نے بھی امام صاحب کی روایت لی ہے۔ علامہ ابن حجر نے تقریب میں امام اعظم کے حالات میں نسائی اور ترمذی کی علامت لگائی اور تہذیب التہذیب میں ان روایتوں کا ذکر کیا۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ امام بخاری امام ترمذی، ابوداوٗد طیالسی، طبانی، حاکم حتی کہ دارقطنی تک امام صاحب کے تلامذہ میں سے ہیں۔ اگرچہ کچھ درجے نیچے آکر حضرت امام اعظم کی حدیث دانی پر کچھ معاندین نے نکتہ چینی کی ہے مگر حضرت امام اعظم کے تلامذہ میں ایسے ایسے جلیل القدر محدث گزرے ہیں کہ ان کی حدیث دانی میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ خصوصیت سے حضرت امام ابویوسف، حضرت امام محمد، حضرت عبداللہ بن مبارک حضرت فضیل بن عیاض، حفص بن غیاث، ابوعاصم النبیل، داوٗد

طائی، مسعر بن کدام، یزید بن ہارون، یحیی بن القطان، ہشام بن عروہ یحیی بن زکریا بن زائدہ وغیرہ وغیرہ۔ کیا کوئی عقل والا یہ مان سکتا ہے کہ یہ اجلہ محدثین نے کسی ایسے ہی شخص کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا ہے جو حدیث سے نابلد ہو اور تک بندی کو احکام شریعت بتا کر دنیا کو گمراہ کر گیا ہو۔ ع

آواز دو انصاف کو، انصاف کہاں ہے

وفات

بنی امیہ کے خاتمے کے بعد سفاح پھر منصور نے اپنی حکومت جمانے اور لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت بٹھانے کے لیے وہ مظالم کیے جو تاریخ کے خونی اوراق میں کسی سے کم نہیں۔ منصور نے خصوصیت کے ساتھ سادات پر جو مظالم ڈھائے ہیں وہ سلاطین عباسیہ کی پیشانی کا بہت بڑا بدنما داغ ہیں۔ اسی خونخوار نے حضرت محمد بن ابراہیم دیباج کو دیوار میں زندہ چنوا دیا۔ آخر تنگ آمد بجنگ آمد۔ ان مظلوموں میں سے حضرت محمد نفس ذکیہ نے مدینہ طیبہ میں خروج کیا۔ ابتداء ان کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ تھے۔ بعد میں بہت بڑی فوج تیار کرلی۔ حضرت امام مالک نے بھی ان کی حمایت کا فتوی دے دیا۔ نفس ذکیہ بہت شجاع فن جنگ کے ماہر قوی طاقتور تھے۔ مگر اللہ عزوجل کی شان بے نیازی کہ جب منصور سے مقابلہ ہوا تو ۱۴۵ھ میں داد مردانگی دیتے ہوئے شہید ہوگئے۔

ان کے بعد ان کے بھائی ابراہیم نے خلافت کا دعوی کیا۔ ہر طرف سے ان کی حمایت ہوئی۔ خاص کوفے میں لگ بھگ لاکھ آدمی ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے۔ بڑے بڑے ائمہ علماء فقہاء نے ان کا ساتھ دیا۔ حتی کہ حضرت امام اعظم نے بھی ان کی حمایت کی بعض مجبوریوں کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہوسکے جس کا ان کو مرتے دم تک افسوس رہا۔ مگر مالی امداد کی لیکن نوشتۂ تقدیر کون بدلے۔ ابراہیم کو بھی منصور کے مقابلے میں شکست ہوئی اور ابراہیم

بھی شہید ہو گئے۔

ابراہیم سے فارغ ہوکر منصور نے ان لوگوں کی طرف توجہ کی جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا تھا۔ ۱۴۶ھ میں بغداد کو دارالسلطنت بنانے کے بعد منصور نے حضرت امام اعظم کو بغداد بلوایا۔ منصور انہیں شہید کرنا چاہتا تھا مگر جواز قتل کے لیے بہانہ کی تلاش تھی۔ اسے معلوم تھا کہ حضرت امام میری حکومت کے کسی عہدے کو قبول نہ کریں گے۔ اس نے حضرت امام کی خدمت میں عہدۂ قضا پیش کیا۔ امام صاحب نے یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ میں اس کے لائق نہیں۔ منصور نے جھنجھلا کر کہا تم جھوٹے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر میں سچا ہوں تو ثابت کہ میں عہدۂ قضا کے لائق نہیں، جھوٹا ہوں تو بھی عہدۂ قضا کے لائق نہیں اس لیے کہ جھوٹے کو قاضی بنانا جائز نہیں۔ اس پر بھی منصور نہ مانا اور قسم کھا کر کہا کہ تم کو قبول کرنا پڑے گا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز نہیں قبول کروں گا۔ ربیع نے غصے سے کہا ابوحنیفہ تم امیر المومنین کے مقابلے میں قسم کھاتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا۔ ہاں یہ اس لیے کہ امیر المومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا بہ نسبت میرے زیادہ آسان ہے۔ اس پر منصور نے جُز بُز ہوکر حضرت امام کو قید خانے میں بھیج دیا۔ اس مدت میں منصور حضرت امام کو بلا کر اکثر علمی مذاکرات کرتا رہتا تھا۔ منصور نے حضرت امام کو قید تو کر دیا مگر وہ ان کی طرف سے مطمئن ہرگز نہ تھا۔ بغداد چونکہ دارالسلطنت تھا۔ اس لیے تمام دنیائے اسلام کے علماء، امراء، تجار، عوام، خواص بغداد آتے تھے۔ حضرت امام کا غلغلہ پوری دنیا میں گھر گھر پہنچ چکا تھا۔ قید نے ان کی عظمت اور اثر کو بجائے کم کرنے اور زیادہ بڑھا دیا۔ جیل خانے ہی میں لوگ جاتے اور ان سے فیض حاصل کرتے۔ حضرت امام محمد اخیر وقت تک قید خانے میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ منصور نے جب دیکھا کہ یوں کام نہیں بنا تو خفیہ زہر دلوا دیا۔ جب حضرت امام کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو خالق بے نیاز کی بارگاہ میں سجدہ کیا سجدے ہی کی حالت میں روح پرواز کر گئی۔ ع

جتنی ہو قضا ایک ہی سجدے میں ادا ہو

تجہیز و تدفین: وصال کی خبر بجلی کی طرح پورے بغداد میں پھیل گئی۔ جو سنتا بھاگا ہوا چلا

آتا۔ قاضی بغداد عمارہ بن حَسن نے غسل دیا۔ غسل دیتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے واللہ! تم سب سے بڑے فقیہ سب سے بڑے عابد سب سے بڑے زاہد تھے۔ تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کردیا ہے کہ وہ تمہارے مرتبے کو پہنچ سکیں۔ غسل سے فارغ ہوتے ہوئے جم غفیر اکٹھا ہوگیا۔ پہلی بار نماز جنازے میں پچاس ہزار کا مجمع شریک تھا۔ اس پر بھی آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا چھ بار نماز جنازہ ہوئی۔ اخیر میں حضرت امام کے صاجزادے، حضرت حماد نے نماز جنازہ پڑھائی۔ عصر کے قریب دفن کی نوبت آئی۔

حضرت امام نے وصیت کی تھی کہ انہیں خیزران کے قبرستان میں دفن کیا جائے اس لیے کہ یہ جگہ غصب کردہ نہیں تھی۔ اسی کے مطابق اس کے مشرقی حصے میں مدفون ہوئے۔ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ حضرت امام کی نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ ایسے قبول عام کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔

اس وقت ائمہ محدثین وفقہاء موجود تھے۔ جن میں بعض حضرات امام کے استاذ بھی تھے سب کو حضرت امام کے وصال کا بے اندازہ غم ہوا۔ مکہ معظّمہ میں ابن جریج تھے۔ انہوں نے وصال کی خبر سن کر، انا للہ پڑھا اور کہا۔ بہت بڑا عالم چلا گیا۔ بصرہ کے امام اور خود حضرت امام کے استاذ امام شعبہ نے بہت افسوس کیا اور فرمایا۔ کوفے میں اندھیرا ہوگیا۔ امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک وصال کی خبر سن کر بغداد حاضر ہوئے۔ جب امام کے مزار پر پہنچے۔ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔ ابوحنیفہ! اللہ عزوجل تم پر رحمت برسائے۔ ابراہیم گئے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ حماد نے وصال کیا تو تمہیں اپنا جانشین چھوڑا۔ تم گئے تو پوری دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہیں چھوڑا۔

حضرت امام کا مزار پُرانوار اس وقت سے لے کر آج تک مرجع عوام وخواص ہے۔ حضرت امام شافعی نے فرمایا۔ میں امام ابوحنیفہ کے توسل سے برکت حاصل کرتا ہوں۔ روزانہ ان کے مزار کی زیارت کو جاتا ہوں جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو ان کے مزار کے پاس دو رکعت نماز پڑھ کر دعاء کرتا ہوں تو مراد پوری ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر مکی رحمۃ

اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اعلم انه لم يزل العلماء و ذوالحاجات يزورون قبره و يتوسلون عنده فى قضاء حوائجهم ويرون نجح ذلک منهم الامام الشافعى رحمة الله عليه انتهىٰ۔[۱۶۰]	یعنی جان لے کہ علماء و اصحاب حاجات امام صاحب کی قبر کی زیارت کرتے رہے اور قضاء حاجات کے لیے آپ کو وسیلہ پکڑتے رہے اور ان حاجتوں کا پورا ہونا دیکھتے رہے ہیں ان علماء میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

سلطان الپ ارسلاں سلجوقی نے ۴۵۹ھ میں مزار پاک پر ایک عالیشان قبہ بنوایا۔ اور اس کے قریب ہی ایک مدرسہ بھی بنوایا۔ یہ بغداد کا پہلا مدرسہ تھا۔ نہایت شاندار لاجواب عمارت بنوائی۔ اس کے افتتاح کے موقع پر بغداد کے تمام علماء و عمائد کو مدعو کیا۔ یہ مدرسہ ''مشہد ابوحنیفہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ مدت تک قائم رہا۔ اس مدرسہ سے متعلق ایک مسافر خانہ بھی تھا جس میں قیام کرنے والوں کو علاوہ اور سہولتوں کے کھانا بھی ملتا تھا۔ بغداد کا مشہور دارالعلوم نظامیہ اس کے بعد قائم ہوا۔ حضرت امام کا وصال اس سال کی عمر میں شعبان کی دوسری تاریخ کو ۱۵۰ھ میں ہوا۔

حواشی

۱۔ ماوراء النہر وسط ایشیاء کے ایک علاقے کو کہا جاتا ہے جس میں موجود ازبکستان تاجکستان اور جنوب مغربی قازقستان شامل ہیں۔ جغرافیائی طور اس کا مطلب آمودریا اور دریا کے درمیان کا علاقہ ہے۔ ماوراء النہر کے اہم ترین شہر ثمرقند اور دونوں شہر جنوبی حصے میں واقع ہیں۔

۲۔ المستدرک للحاکم کتاب الفرائض دارالفکر بیروت ۳۴۱/۴۔

۳۔ ترمذی ابن ماجہ دارمی مشکوٰۃ ص ۲۶۴۔

۴۔ طبقات کبریٰ ج ۲، ص ۲

۵۔ طبقات الکبری ج ۲، ص ۴

۶۔ طبقات الکبری ج ۲، ص ۴

۷۔ طبقات الکبری ج ۲، ص ۴

۸۔ طبقات الکبری ج ۲، ص ۳

۹۔ طبقات الکبری ج ۲، ص ۵

۱۰۔ طبقات الکبری ج ۲، ص ۵

۱۱۔ مقدمہ فتح الباری

۱۲۔ طبقات الشافعہ الکبریٰ ج ۲ ص ۶

۱۳۔ طبقات الشافعۃ الکبری ج ۲ ص ۵

۱۴۔ یہاں حدیث سے مراد حدیث کی سند ہے۔

۱۵۔ بعض اوقات القاء ربانی اور شرح صدر کی بنا پر معلل حدیث کی کسی خفیہ علت کا پتہ چل جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر نزھۃ النظر میں لکھتے ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ محدث معلل ہونے

کی عبارت کے اسی دعوے پر دلیل قائم کرنے سے قاصر ہوتا ہے جیسے صراف درہم و دینار کے پرکھ میں کھوٹ کو پہچانتے ہیں لیکن نشاندہی نہیں کر سکتے۔

۱۶۔ ارشاد الساری ج ۱، ص ۳۰ وایضا مقدمہ فتح الباری، ص ۴۸۵

۱۷۔ مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۶

۱۸۔ ایضاً ص ۴۸۶ و ارشاد الساری ج ۱، ص ۳۰

۱۹۔ مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۲، وایضاً طبقات الشافعیۃ الکبری ج ۲ ص ۹

۲۰۔ غیر مقلدین وھابی دیوبندی تبلیغی ہر اس کام کو بدعت کہتے ہیں جس کا ثبوت بخاری و مسلم سے نہ مل سکے یعنی پورے دین کو بخاری و مسلم میں محصور جانتے مانتے ہیں۔ حالانکہ امام بخاری و امام مسلم بھی یہ عقیدہ نہ رکھتے تھے جیسا کہ تمام ہی محدثین نے نقل فرمایا کہ امام بخاری نے ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل فرمایا اور پھر دو رکعت نماز نفل پڑھی۔ (دیکھیں مقدمہ فتح الباری ص ۵) اب یہ وھابی تبلیغی بتائیں کیا امام بخاری کو صحابہ اکرام سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے محبت تھی صحابہ میں سے تو کسی کا ایسا کرنا بخاری و مسلم سے ثابت نہیں اور جب صحابہ سے ثابت نہیں تو پھر وہابیوں کے اصول کے مطابق بدعت اور ہر بدعت جہنم میں لے جانے والی اور اللہ کے غضب کا شکار بنانے والی اب آپ ہی بتائیں امام بخاری سے محبت کا دعویٰ کرنے والے امام بخاری کو کہاں پہنچا رہے ہیں۔ (معاذ اللہ)

۲۱۔ مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۲

۲۲۔ قسطلانی ج ۱ ص ۳۱

۲۳۔ ابن ماجہ باب الحکمۃ صفحہ ۳۱۷

۲۴۔ مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۲

۲۵۔ مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۳

۲۶۔ مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۴

۲۷۔ مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۴

۲۸۔ امام بخاری کا وصال ۲۵۶ھ میں ہوا آج محبت اور عقیدت کے ہر عمل کے لیے ہم سے دلیل مانگی جاتی ہے اور دلیل کے بہانے عشق و محبت سے روکا جاتا ہے کہ ہم اپنے اسلاف سے محبت نہ کریں عقیدت نہ رکھیں یقیناً انگریز اور ان کے ایجنٹ اپنی کوششوں میں ناکام رہے ہیں محبت کرنے والے کل بھی تھے اور آج بھی ہیں۔
کل امام بخاری کے مزار کی مٹی لے جانے والے اگر مشرک و بدعتی نہ تھے تو آج بھی کسی ولی اللہ کے مزار جانے والے وہاں سے پھول، دھول یا نُقل لانے والے کس طرح مشرک و بدعتی بن گئے۔

۲۹۔ مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۴

۳۰۔ یعنی مزار پر حاضر ہوکر صاحب مراد کے وسیلے سے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا مانگنے والے ۲۵۷ ہجری میں بھی موجود تھے۔ لوگ خواہ مخواہ اعلیٰ حضرت کی جان کو روتے ہیں اگر فتوی لگانا ہی ہے تو ۲۵۷ ہجری کے مسلمانوں پر لگائیں پھر اعلیٰ حضرت پر آئیں۔

۳۱۔ طبقات الشافیۃ الکبری ج ۲ ص ۱۵

۳۲۔ ابن حبان عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۳۔ مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۴

۳۴۔ الطبقات الشافعیہ ج ۲

۳۵۔ اس بات پر توجہ رہے یہ بہت اہم بات ہے جسے غیر مقلدین نظر انداز کردیتے ہیں امام اعظم ابوحنیفہ اور امام بخاری کے مراتب میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعی ہیں۔

۳۶۔ قسطلانی ج ۱ ص ۳۱

۳۷۔ ابجد العلوم ص ۸۱۱

۳۸۔ تیسر القاری فی شرح البخاری، الجزء الاول ص ۳

۳۹ـ حافظ ابن صلاح علوم الحدیث میں لکھتے ہیں:

امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے سب سے پہلے احادیث صحیحہ کا مجموعہ تصنیف کیا اور ان کے بعد امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری متوفی ۲۶۱ھ نے احادیث صحیحہ کا مجموعہ پیش کیا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم، کتاب اللہ کے بعد کتابوں میں سب سے زیادہ صحیح ہیں اور ان دونوں میں صحیح بخاری زیادہ صحیح ہے، حافظ نیشاپوری اور بعض مغاربہ (علماء اندلس) نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے، اس کا محمل یہ ہے کہ صحیح مسلم میں صرف احادیث صحیحہ ہیں جب کہ صحیح بخاری کے تراجم میں بعض غیر صحیح احادیث بھی موجود ہیں لیکن صحت اور قوت کے لحاظ سے صحیح بخاری کی احادیث صحیح مسلم پر راجح ہیں۔

امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی کتابوں میں تمام احادیث صحیحہ کو منحصر کرنے کا التزام نہیں کیا، امام بخاری نے خود کہا ہے میں نے اپنی کتاب جامع میں صرف احادیث صحیحہ کو درج کیا ہے اور طوالت کی وجہ سے میں نے اکثر احادیث صحیحہ کو ترک کر دیا اور امام مسلم نے کہا ہے کہ میں نے اپنی صحیح میں صرف ان احادیث کو درج کیا ہے جن کی صحت پر اجماع ہے۔

حافظ ابو عبداللہ بن اخرم نے کہا کہ امام بخاری اور امام مسلم سے جو احادیث رہ گئی ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے، لیکن یہ قول صحیح نہیں، یہ متروکہ احادیث کم نہیں ہیں کیونکہ امام حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری کی مستدرک علی الصحیحین، بہت بڑی کتاب ہے (یہ جہازی سائز کی چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے) اور اس میں ان احادیث صحیحہ کی بہت بڑی تعداد ہے، جو امام بخاری اور امام مسلم کی شرطوں کے موافق ہونے کے باوجود ان کی کتابوں میں نہیں ہے، اور خود امام بخاری نے کہا ہے کہ مجھے ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ حفظ ہیں، جب کہ ان کی کتاب صحیح بخاری میں درج کل احادیث صحیحہ کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتر ہے اور ان میں سے احادیث مکروہ کو حذف کرنے کے بعد کل احادیث کی تعداد چار ہزار ہے۔ ہاں اگر آثار صحابہ اور تابعین کو بھی شمار کیا جائے تو یہ تعداد اس سے زیادہ ہے اور محدثین کی اصطلاح میں جو حدیث واحد دو سندوں سے روایت کی گئی ہو اس کو بھی دو حدیثیں قرار دیا جاتا ہے، (حافظ ابن حجر

عسقلانی نے اس طرح کل احادیث کی تعداد نو ہزار بیاسی بتائی ہے اور حذف مکررات کے بعد کل احادیث مرفوعہ کی تعداد دو ہزار چھ سو تیئس بتائی ہے۔) (علوم الحدیث ص ۱۱۷)

توجہ رہے کہ حافظ ابن الصلاح متوفی ۶۴۳ ہجری ساتویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں اور اپنی کتاب میں لکھ رہے ہیں کہ امام بخاری فرماتے ہیں میں نے طوالت کی وجہ سے اکثر احادیث صحیحہ کو ترک کر دیا۔ اب غیر مقلدین اور ان کی باتوں میں آنے والے سوچیں کہ بخاری کا اصرار کرنا اور بخاری کا حوالہ نہ ملنے پر حدیث کا انکار کر دینا کتنا خطرناک فعل ہے۔

۴۰ اشعۃ اللمعات ج ۱، ص ۱۰

۴۱ مقدمہ فتح الباری وغیرہ ص ۴۹۰

۴۲ مقدمہ فتح الباری وغیرہ ص ۴۹۰

۴۳ یعنی امام مسلم یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ ملاقات ہونے سے یہ ثابت تو نہیں ہوتا کہ ضرور ملاقات کے وقت اس حدیث کا بھی ذکر ہوا ہو کیونکہ ہوسکتا ہے ملاقات ہوئی ہو لیکن اس حدیث کا ذکر نہ ہوا ہو۔

۴۴ مقدمہ فتح الباری ص ۴۷۹

۴۵ نصوص کی اپنے معانی پر دلالت مندرجہ ذیل طریقوں سے ہوتی ہے۔

۱۔ عبارت النص ۲۔ اشارۃ النص ۳۔ دلالۃ النص ۴۔ اقتضاء النص

انہیں متعلقات نصوص کہتے ہیں۔

عبارۃ النص کی تعریف: کسی حکم کو ثابت کرنے کے لیے جو کلام چلایا جائے اسے عبارۃ النص کہتے ہیں۔

مثال: اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ (الحشر: ۸) ترجمہ کنز الایمان: ''ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لیے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے۔'' یہ کلام اس بات (حکم) کو ثابت کرنے کے لیے لایا گیا ہے کہ جو مہاجر فقیر ہیں مالِ غنیمت میں ان کا بھی حق ہے لہٰذا مال غنیمت کے مستحق افراد کے

بیان میں یہ عبارۃ النص ہے۔

عبارۃ النص کا حکم: یہ قطعیت کا فائدہ دیتی ہے جبکہ عوارض سے خالی ہو اور تعارض کے وقت اسے اشارۃ النص پر ترجیح حاصل ہوگی۔

اشارۃ النص کی تعریف: نص سے بغیر کسی زیادتی کے جو معنی و حکم اشارۃ سمجھ میں آرہا ہو اسے اشارہ النص کہتے ہیں۔ نیز اس کے لیے کلام نہیں چلایا جاتا۔

اشارۃ النص کی مثال: جیسے مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کافی مسلمان کے مال پر قبضہ کرے تو مسلمان کے مال پر کافر کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اس لیے کہ اگر مسلمان کا مال اس کی اپنی ہی ملکیت میں رہے اور کفار کی اس میں ملکیت ثابت نہ ہوتو پھر مسلمان کا فقر ثابت نہیں ہوگا، حالانکہ آیت میں مسلمانوں کو ایسی صورت میں فقراء فرمایا گیا ہے۔

دلالۃ النص کی تعریف: ایسا معنی جو لغوی طور پر حکمِ منصوص علیہ کی علت سمجھا جائے۔

دلالۃ النص کی مثال: اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: **فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا** (الاسراء: ۲۳) ترجمۂ کنز الایمان: ''تو ان سے ہوں نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا۔'' لغت کا جاننے والا اس آیت کو سنتے ہیں یہ بات جان لے گا کہ ماں اور باپ کو اف کہنا اس لیے حرام ہے کہ اس میں ان کو اذیت ہوتی ہے اس سے دلالۃ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ انہیں مارنا بھی حرام ہے کیونکہ یہ بھی اذیت کا سبب ہے۔

نوٹ: مذکورہ آیت میں اف کہنے اور مارنے میں علتِ مشترکہ اذیت ہے اور مارنا ایسی شئ ہے جو کلام میں مذکور نہیں۔

دلالۃ النص کا حکم: منصوص علیہ میں پائی جانے والی علت جہاں پائی جائے گی اس کا حکم بھی وہاں پایا جائے گا۔

نوٹ: دلالۃ النص صریح نص کے قائم مقام ہے نیز احناف کے نزدیک یہ اقتضاء النص سے قوی ہے۔

اقتضاء النص کی تعریف: وہ معنی جسے مقدر مانے بغیر کلام کی دلالت درست نہ ہو۔
اقتضاء النص کی مثال: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُم ترجمہ کنز الایمان: ''حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں۔'' حالانکہ مائیں نہیں بلکہ ان سے نکاح حرام ہے لہٰذا کلام کے تقاضے کے مطابق یہاں ''نِكَاحُهُن'' کے الفاظ محذوف ہیں اور یہ اقتضاء النص ہے۔
اقتضاء النص کا حکم: اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے ثابت ہونے والی چیز بقدرِ ضرورت ہی ثابت ہوتی ہے۔ جیسے کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے ''أَنْتِ طَالِق'' اور اس سے وہ تین طلاق کی نیت کرے تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ مذکورہ طلاق بطریق اقتضاء ہی مقدر ہوگی اور ضرورت بقدرِ ضرورت ہی ثابت ہوتی ہے اور یہ ایک طلاق سے پوری ہوجائے گی۔

۴۶ تلخیص از مقدمہ فتح الباری ص ۶۵ تا ۷۰

۴۷ توجیہ النظر ص ۹۴

۴۸ ثلاثیات بخاری اس کتاب کے آخر میں لکھی ہوئی ہیں۔

۴۹ یہاں غالباً کمپوزنگ کی غلطی ہے یا مفتی صاحب کا سہو ہے کیونکہ امام اعظم کی عام روایات تابعی اور خاص روایات صحابہ اکرام علیہم رضوان سے ہیں جس کو خود مفتی صاحب نے آگے درج فرمایا ہے۔

۵۰ مقدمہ ارشاد الساری ص ۲۵

۵۱ الضوء اللامع ج ا ص ۱۳۴

۵۲ لسان المیزان جلد اول صفحہ ۱۷

۵۳ یعنی امام بخاری نے ایسے راویوں سے روایت بیان کی جن سے بیان کرنے سے حدیث ضعیف ہوجاتی ہے۔

(۱) جہمی: انہیں معطلہ بھی کہتے ہیں یہ صفات متاشابہات سے یکسر منکر ہی ہوگئے یہاں تک کہ ان کا پہلا پیشوا جعد بن دوہم مردود کہتا ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا نہ موسیٰ کلیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کلام فرمایا۔ یہ گمراہ لوگ اپنے افراط کے باعث

امنا به کل من عد ربنا (ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے کی طرف سے ہے) سے بے بہرہ ہوئے۔ (ماخوذ از فتوئی رضویہ ج ۲۹ ص)

(۲) قدریہ: ان کا عقیدہ قضا وقدر کچھ چیز نہیں نہ پہلے کچھ لکھا گیا ہے ہم مستقلا قادر مطلق ہوکر اعمال کرتے ہیں پھر ان کی تحریر ہوتی ہے یہ سخت بے دین ہے۔ (ماخوذ از مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ جلد اول)

(۳) رافضی: ان کے مذہب کی کچھ تفصیل اگر کوئی دیکھنا چاہے تو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کتاب تحفہ اثناء عشریہ دیکھے چند مختصر باتیں یہاں گزارش کرتا ہوں۔ صحابہ اکرام علیہم رضوان ان کی شان میں یہ فرقہ نہایت گستاخ ہے یہاں تک کہ ان پر سب وشتم (لعن طعن) ان عام شیوہ ہے بلکہ چند کے علاوہ سب کو معاذ اللہ کا فر ومنافق قرار دیتا ہے۔

ایک عقیدہ یہ ہے کہ آئمہ اطہار انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور یہ کفر ہے۔ (ماخوذ از بہار شریعت جلد اول)

(۴) ناصبی: وہ فرقہ جو اپنے سینوں میں حضرت علی اور حسن وحسین اور ان کی اولاد سے دشمنی رکھتا ہے۔

(۵) خارجی: ان کی مختصر تعریف یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کفار کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں بخاری شریف جلد دوم میں امام بخاری نے باب باندھا باب الخوارج والملحدین یعنی خارجیوں اور بے دینوں کا باب اور آگے یہ رقم فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کو مخلوق میں بدترین جانتے تھے جو کفار کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے تھے۔

اسلام میں پہلا فرقہ یہی ہے جنگ صفین کے موقع پر یہ فرقہ سب سے پہلے ظاہر ہوا یہ لوگ حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو کافر کہتے ہوئے جنگ صفین میں جنگ سے علیحدہ ہوگئے۔

اس گروہ کی ابتدا از والخویصرہ تمیمی سے ہوئی جس کا ذکر بخاری شریف میں ہے اور آج

کے دور میں وھابی دیوبندی مسلمانوں کو کافر قرار دینے کے لیے وہی آیتیں استعمال کرتے ہیں جو کافروں بت پرستوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔

معتزلہ: دوسری صدی ہجری کے شروع میں یہ فرقہ معرض وجود میں آیا اس فرقے کا بانی واصل بن عطاء الغزال تھا اس کا سب سے پہلا پیروکار عمر بن عبید تھا معتزلہ کے مذہب کی بنیاد عقل پر ہے۔

۵۴ یہ رسالہ فتاوی رضویہ جلد دوم میں شائع ہو چکا ہے۔

۵۵ بخاری ج ۱ ص ۲۷

۵۶ کتاب الضعفاء ص ۲۷۱

۵۷ بخاری ج ۲ ص ۶۲۳

۵۸ کتاب الضعفاء الصغیر ص ۲۵۳

۵۹ کتاب الضعفاء الصغیر ص ۲۵۲

۶۰ مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۱۵۱

۶۱ فتح الباری ج ۱ ص ۲۹

۶۲ بخاری ج ۲ ص ۶۰۴

۶۳ مقدمہ فتح الباری ص ۳۶۸

۶۴ بخاری ج ۱ ص ۱۹۱

۶۵ بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۰

۶۶ بخاری ج ۱ ص ۲۹

۶۷ فتح الباری ج ۱ ص ۲۴۳

۶۸ بخاری شریف ج ۱ ص ۴۴

۶۹ فتح الباری ص ۳۴۷

۷۰ یہ رسالہ مبارکہ فتاوی رضویہ جلد دوم میں شائع ہو چکا ہے۔

۱؎ فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۲۹۷۔۲۹۶

۲؎ فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۲۹۸۔۲۹۹

۳؎ فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۲۹۹۔۳۰۰

۴؎ فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۲۰۵،۲۰۶

۵؎ بخاری شریف ج ۱ ص ۱۵۳

۶؎ بخاری شریف جلد ۱ ص ۹۰

۷؎ بخاری شریف جلد ۱ ص ۴۹

۸؎ تدلیس کرنے والے کو مدلس کہا جاتا ہے فقیر کی کتاب شرح مقدمہ مشکوٰۃ سے پہلے مولس کے بارے اور پھر تدلیس کے بارے میں کچھ تفصیل لکھی جا رہی ہے۔

مدلس

لغوی تعریف: مدلس تدلیس سے اسم مفعول کا صیغہ ہے لغت میں تدلیس کہتے ہیں سامان کے عیب کو خریداری پوشیدہ رکھنا یا تدلیس دلس سے مشتقت ہے دلس کے معنی اندھیرے میں خلط ملط ہونا ہے چونکہ مولس (تدلیس کرنے والا حدیث کے معاملہ کو تاریخ رکھتا ہے اس لیے اس کو مدلس کہتے ہیں حافظ ابن حجر اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سمی بذلک اشتراکهما فی الخفاء ویرد والمدلس بصیغة من صیغة الاداء تحتمل وقوع النفی بین المدلس ومن اسنه عنه کعن و کذا قال ومتی وقع بصیغة صریحة لاتجوز فهیا کان کذبا۔(نزہۃ النظر مع نخبۃ الفکر ص ۶۶)

حافظ ابوبکر لطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

التدلیس للحدیث مکروہ عند اکثر اهل العلم وقد عظم بعضم الشان فی ذمه و تبیح بعضم بابرائة منه۔(الکفایہ ص ۳۵۵)

''اکثر اھل علم کے نزدیک حدیث میں تدلیس ناپسندیدہ ہے بعض نے تو اس کی بہت مذمت کی ہے اور بعض نے اس سے برائت کا اعلان کیا ہے۔''

خطیب تدلیس کی مذمت میں لکھتے ہیں:

وذموا من دلمسه والتدلیس یشتمل علی ثلاثة احواله تقتضی ذم المدلس و توهینه فاحدها ماذکر ناه ایها مه السماع ممن لمن یمسمع عنه وزلک مقارب الاخبار بالسماع ممن لم یسمع منه والثانیة عدوله عن الکشف الی الاحتمال وزلک خلاف موجب الورع والامانة والثالثة ان المدلس انمالم یبین من بینه وبین من روی عنه لعلمه بانه لو ذکره لم یکن مرضیا مقبولا عنه اهل النقل فلذلک عدل عن ذکره وفیه ایضا انه انما لا یذکر من بینه وبین من دلس عنه طلباء لتوهیم علوا الا سناد والانفة من الروایة عن حدثه وذلک خلاف موجب العدالة ومقتضی الدیانة من التواضع فی طلب العلم وترک الحمیة فی الاخبار باخذالعلم عمن اخذه والمرسل المبین بری من جمیع ذلک۔ (الکفایہ ص ۳۵۸)

''علماء نے تدلیس کرنے والے کی مذمت کی ہے۔ تدلیس کے تین پہلو ہیں جو اس امر کے متقاضی ہیں کہ مدلس کی مذمت اور اہانت کی جائے ایک تو وہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے یعنی راوی کا اس مروی عنہ سے سماع کا ابہام جس سے اس نے اس حدیث کو نہیں سنا۔ ایسا کرنا مروی عنہ سے نہ سُنی ہوئی حدیث کو سماع کے طور پر بیان کرنے کے قریب ہے دوسرا یہ کہ ایسا کرنا احتمال کو ظاہر کرنے سے اجتناب کرنا ہے جو تقویٰ و امانت کے خلاف ہے، تیسرا یہ کہ مدلس اپنے اور مروی عنہ کے واسطے کو بیان نہیں کرتا کیونکہ اسے علم ہے کہ اس کا ذکر کرنا اہل روایت کے ہاں غیر مقبول اور ناپسندیدہ ہوگا لہٰذا اس نے اس کے ذکر سے اجتناب کیا۔ مزید یہ کہ اپنے اور مدلس عنہ کے واسطے کو اس لیے بیان نہیں کیا تاکہ عُلو اسناد اور مروی عنہ سے ترک روایت کا تاثر دے۔ حالانکہ جس سے علم حاصل کیا اس کا ذکر نہ کرنا ترک حمیت، عدالت و دیانت و تقاضوں اور طالب علم کے لیے مطلوبہ تواضع کے خلاف ہے۔

حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے:

لان ازنی احب الی من ان ادلیس ۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۷۵)

"میرے نزدیک زنا تدلیس سے قابلِ ترجیح عمل ہوگا۔"

حافظ ابن الصلاح نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

هذا من شعبة افراط محمول على المبالغة فى الزجر عنه والتفير۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۷۵)

"شعبہ کا یہ قول افراط پر مبنی ہے جو تدلیس سے روکنے اور نفرت دلانے کے مبالغہ پر محمول کیا جاتا ہے۔"

حافظ ابن حجر "القواطع" کے حوالے سے ابن السمعانی کا قول نقل کرتے ہیں جس سے عدم قبول کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

ان كان ان استكشف لم يخبر باسم من يروى عنه۔ فهذا يسقط الاحتجاج بحديثه لان التدليس تزوير و ايهام لما لاحقيقة له وذلك يرثر فى صدقه وان كان يخبر۔ (النکت ۲ / ۶۳۲)

"اگر یہ منکشف ہوجائے کہ (راوی) مروی عنہ کا نام نہیں بتاتا تو یہ بات اس کی حدیث کو درجہ استثناء سے ساقط کردے گی کیونکہ تدلیس فریب اور ایسے تاثر کا نام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں اور یہ امر اس کی صداقت پر اثر انداز ہوگا ہاں اگر وہ مروی عنہ کا نام بتادے تو پھر کوئی اثر نہیں ہوگا۔"

حافظ ابن حجر اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

والصوابب الذى عليه جمههورالمحدثين خلاف ذلك ۔ (النکت ۲ / ۶۳۳)

"اور درست رائے وہی ہے جس کو جمہور محدثین نے اختیار کیا ہے اور وہ اس کے برعکس ہے۔"

تدلیس کی قسمیں: تدلیس کی دو بڑی اور بنیادی قسمیں یہ ہیں۔

⊙ تدلیس الاسناد ⊙ تدلیس الشیوخ

تدلیس الاسناد: تدلیس الاسنادیہ ہے کہ راوی اپنے معاصر سے کوئی حدیث سنے یا کسی شیخ سے چند حدیثیں سننے کے بعد اس کا نام چھوڑ کر اوپر کے شیخ سے روایت کرے اور تعبیر ایسے الفاظ سے کرے جس سے یہ معلوم ہورہا ہو کہ اس نے اسی سے سنا ہے جس کا نام لے دیا ہے حالانکہ اس سے سماع نہیں ہے۔

تدلیس اسناد پر اُبھارنے والے مقاصد:

- سند کے عالی ہونے کا وہم دلانے کے لیے تدلیس کی جاتی ہے۔
- جس شیخ سے لمبی حدیث سنی اب اس سے کچھ حصہ فوت ہوگیا۔
- شیخ کا غیر ثقہ ہونے کی وجہ سے بھی تدلیس کی جاتی ہے۔
- شیخ کا چھوٹی عمر کا ہونا۔

تدلیس الشیوخ: یہ تدلیس کی دوسری قسم ہے اس میں راوی اپنے شیخ کا ایسا نام صفت یا کنیت یا نسبت بیان کرے جو غیر معروف ہے علامہ جلال الدین سیوطی شافعی تدریب الراوی میں اس کی تعریف یوں لکھتے ہیں۔

ان یسمی شیخه او یکنیه او یلقب او یصفه بمالایعرف

''یعنی اپنے شیخ سے نقل کرے مگر اس کا ایسا نام ایسی کنیت یا ایسا لقب وصفت ذکر کرے جس سے وہ مشہور اور متعارف نہیں۔''

حافظ ابن الصلاح تدلیس الشیوخ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

تدلیس الشیوخ وهو ان یروی عن شیخ حدیثا سمعه من فیسمیه او کنیه او نبیه او یعفه بما لا یعرف به لایعرف ۔(مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۴)

''تدلیس الشیوخ یہ کہ وہ ایک شیخ سے ایسی حدیث بیان کرے جسے اس نے شیخ سے سنا پھر وہ اس کا ایسا نام کنیت یا نسبت یا وصف بیان کرے جس سے وہ معروف نہیں تا کہ اس شیخ کو پہنچانا نہ جاسکے۔''

تدلیس الشیوخ کی مثال: ابوبکر بن مجاہد نے روایت کرتے ہوئے کہا حدثنا عبداللہ بن ابی

عبداللہ اور اس سے ان کی مراد ابوبکر بن ابی داوٗد سجتانی ہیں۔

تدلیس شیوخ کا حکم: تدلیس الشیوخ الاسناد کی نیت ہلکی اور خفیف ہے کیونکہ اس میں مدلس کسی کو ساقط نہیں کرتا بلکہ اس میں راوی نے اس کی اسناد کو مشکل بناتا ہے اور پہچان کے راستے کو دشوار کر دیتا ہے۔

تدلیس التسویہ: تدلیس التسویہ یہ ہے کہ راوی ضعیف واسطے کو ساقط کر کے اتصال کا تاثر دے اور اس کے بجائے ظاہر یہ کیا جائے کہ حدیث ثقات سے مروی ہے تا کہ ایسے صحیح اور مقبول قرار دیا جائے یہ تدلیس کی بدترین قسم ہے کیونکہ اس میں شدید ترین دھوکہ پایا جاتا ہے۔ ولید بن مسلم اس قسم کی تدلیس میں مشہور تھے چنانچہ اوزاعی کے ضعیف نیوخ کو حذف کر کے صرف ثقات کا نام ذکر کرتے جب اس ضمن میں حلیہ سے سوال کیا گیا تو اس نے کہا اوزاعی کا مقام اس سے کہیں بلند ہے کہ وہ ایسے ضعیف راویوں سے حدیث روایت کریں۔

پھر حلیہ سے کہا گیا کہ جب اوزاعی ان ضعیف راویوں سے روایتیں نقل کریں اور آپ ان کو حذف کر کے ان کی جگہ ثقہ راویوں کے نام ذکر کریں تو پھر اوزاعی کو ضعیف راوی قرار دینا چاہیے۔ حلیہ یہ سن کر خاموش ہو گیا اور کچھ جواب نہ دے سکا۔

۷۹ قسطلانی جلد اول ص ۱۶

۸۰ جب تک مندرجہ ذیل معلومات حاصل نہ ہوں اس وقت تک حدیث کی سند کے بارے میں کوئی حکم لگانا انتہائی مشکل امر ہے۔ کیونکہ راویوں کی مکمل معلومات انتہائی ضروری ہے۔

طبقات: اصطلاح میں طبقہ ایسی جماعت کے لیے بولا جاتا ہے جو عمر یا ملاقات میں شریک یا صرف عمر میں یا صرف ملاقات کرنے میں شریک ہوں مثلاً حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کرنے والوں کا طبقہ، صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ملاقات کرنے والوں کا طبقہ وغیرہ وغیرہ۔

طبقات جاننے کے فوائد:

(۱) ایسے مشتبہ راوی جن کے نام ایک ہوں یا کنیت ایک ہو ان راویوں کو پہچاننا آسان

ہوجاتا ہے۔

(۲) ایسی روایت جس میں راوی نے عن عن کر کے روایت اس میں سماع یا عدم سماع کا اندازہ ہوجاتا ہے۔

(۳) تدلیس کے پتہ چلنے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔

روایت کرنے والوں کے حالات کو جاننا:

(۱) یہ ضروری ہے کہ روایت کرنے والوں کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات معلوم ہو اور ان کے وطن کو جاننا چاہیے نیز ان کے دیگر احوال بھی جاننے چاہئیں مثلاً انہوں نے کہاں تعلیم حاصل کی کن کن شہروں کا سفر کیا کن کن مشہور مشائخ سے ملاقاتیں کیں کیونکہ اس طرح ہم دو نام میں مشترک اور طبقہ میں مختلف یا نام میں مشترک شہر میں مختلف راوی میں تمیز کرلیں گے۔

(۲) اس کے ذریعے ہم تدلیس کے بارے میں بھی جان جائیں گے کیونکہ اگر ایک راوی جو بصرہ میں رہتا ہے ایسے شیخ سے روایت کرے جو مکہ میں رہتا ہو شیخ کا بصرہ آنا ثابت نہیں اس کا مکہ جانا ثابت نہیں اور کسی اور جگہ بھی ان کی ملاقات ثابت نہیں۔

(۳) ایک راوی نے عن فلاں عن فلاں کہہ کر روایت کردیا ہے لیکن عن فلاں کہہ کر جس سے روایت کررہا ہے اس راوی کا انتقال اس راوی کی پیدائش سے ۵ سال پہلے ہوچکا ہے یقیناً درمیان سے کوئی راوی ساقط ہے۔

مختلف طبقات: محدثین نے مختلف انداز میں طبقات کو ترتیب دیا ہے کسی نے صحابہ کو ایک طبقہ، تابعین کو دوسرا اور تبع تابعین کو تیسرا طبقہ شمار کیا تو کسی نے صرف صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ۳ طبقات میں شمار کیا کبار صحابہ کا طبقہ درمیانی صحابہ کا طبقہ اور صغار صحابہ کا طبقہ، علامہ ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری نے صحابہ کے بارہ طبقات مقرر کیے ہیں۔

(۱) وہ صحابی جو مکہ میں اسلام لائے مثلاً خلفاء اربعہ۔

(۲) وہ صحابی جو دارالندوہ میں مشاورت سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔

(۳) مہاجرین حبشہ۔

(۴) اصحابہ عقبہ اولیٰ۔

(۵) اصحابہ عقبہ ثانیہ۔

(۶) مہاجرین اولین وہ حضور اکرم ﷺ کے قبا پہنچے سے پہلے مدینہ پہنچ گئے۔

(۷) اہل بدر۔

(۸) بدر اور حدیبیہ کے درمیانی عرصے میں ہجرت کرنے والے۔

(۹) اہل بیعت رضوان۔

(۱۰) حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصے میں ہجرت کرنے والے صحابہ مثلاً خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن عاص۔

(۱۱) فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والے صحابہ۔

(۱۲) وہ بچے جنہوں نے فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے دن آپ ﷺ کی زیارت کی (علیہم الرضوان)

راویوں کی پیدائش اور وفات: اس کا تعلق تاریخ سے ہے جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے اس کا جاننا بھی ضروری ہے تاکہ اگر کوئی راوی کسی شیخ سے روایت کرے تو پیدائش کا وقت جاننے سے اس کا جھوٹ کھل جائے گا مثلاً ایک شخص جو ۲۰۰ھ میں پیدا ہوا وہ امام مالک سے روایت کرے تو یقیناً یہ شخص غلطی پر ہے کیونکہ امام مالک کا وصال ۱۷۹ھ میں ہوا یا راویوں کے سلسلے میں سے کسی اور کی غلطی سے بیچ کا ایک نام رہ گیا ہے تو پتہ چلا کہ پیدائش اور وفات کے وقت جاننے سے اتصال سند اور انقطاع سند کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

راویوں کے شہر اور راویوں کے حالات کا جاننا: شہروں کا جاننا اس لیے ضروری ہے کہ بعض مرتبہ دو ہم نام راویوں میں شہر کی نسبت کی وجہ سے پہچان ہو سکے یا راوی ایک ایسے شیخ سے روایت کرے جو دوسرے شہر میں رہتا ہو اور راوی کبھی اس شہر میں نہ گیا ہو پھر بھی اس شیخ سے روایت کرے یہ سب جاننے کے لیے ہر راوی کے مکمل احوال کا جاننا ضروری ہے کیونکہ

حدیث کے مرتبہ کا فیصلہ راوی کے احوال پر موقوف ہوتا ہے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں کہ فنِ حدیث کے طالب علم کو مندرجہ ذیل امور کا جاننا ضروری ہے۔

نام والوں کی کنیتیں: طالب علم حدیث کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کیونکہ اگر وہ راوی کی کنیت سے واقف نہ ہوگا تو دوسری جگہ راوی کی کنیت دیکھ کر گمان کرے گا یہ دوسرا شخص ہے اس طرح وہ دھوکا کھا جائے گا لہٰذا ضروری ہے کہ نام والوں کی کنیتیں جانی جائیں اسی طرح کنیت والوں کے نام۔ متعدد کنیتیں یا متعدد صفات وغیرہ وغیرہ ان سب میں دھوکا کھا جانے کا اندیشہ ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ان سب باتوں کو جانا جائے۔

(۱) بعض راوی ایسے ہوتے ہیں جن کے نام ہی ان کی کنیت ہوتے ہیں مثلاً ابو بلال اشعری ان کا نام اور کنیت ایک ہی ہے۔

(۲) بعض راویوں کی متعدد صفات یا متعدد القاب ہوتے ہیں ان کا جاننا بھی ضروری ہے مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو القاب ہیں صدیق اور عتیق۔

۸۱ یہ تحریر مفتی شریف الحق رحمۃ اللہ علیہ کی شرح بخاری ''نزھۃ القاری'' کے مقدمے سے لی گئی ہے۔

۸۲ طبقات ابن سعد وفتوح البلدان وغیرہ۔

۸۳ حاشیہ خلاصۃ التہذیب۔

۸۴ تہذیب التہذیب۔

۸۵ معجم البلدان ج ۴ ص ۴۹۳ ذکر کوفہ۔

۸۶ استیعاب

۸۷ حاکم

۸۸ مشکوٰۃ شریف

۸۹ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۲۲ اصابہ ج ۲ ص ۱۳

۹۰ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۱۳

۹۱ مناقب للموفق کردری

۹۲ مشکوٰۃ راوہ الترمذی وابوداؤد والدارمی ص ۳۲۴

۹۳ سیرت بخاری ص ۲۵،۲۶

۹۴ مجادلہ آیت

۹۵ عقود الجمان باب ثامن

۹۶ انبیاء آیت (۸۴)

۹۷ شرح سفر السعادت مطبوعہ پاکستان ص ۱۹

۹۸ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۵۰

۹۹ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۲

۱۰۰ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۲

۱۰۱ الخیرات الحسان ص ۱۳

۱۰۲ الخیرات الحسان فصل ۴۸

۱۰۳ ایضاً

۱۰۴ بنایہ شرح ہدایہ ج ۱ جزء اول ص ۷۹

۱۰۵ تبییض الصحیفہ ص ۲۱

۱۰۶ موفق کردوی

۱۰۷ تہذیب التہذیب جزء عاشر ص ۴۵۰ وایضاً فی تبییض الصحیفہ ص ۱۶

۱۰۸ تبییض الصحیفہ ص ۱۸

۱۰۹ الخیرات الحسان

۱۱۰ مناقب کردوی

۱۱۱ کردوی و تبییض الصحیفہ ص ۲۳

۱۱۲ ایضا

۱۱۳ موفق کردوی

۱۱۴ موفق کردوی

۱۱۵ امام اعظم سے روایتیں کم کیوں آئیں؟

اس کا جواب فقیہہ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فقہہ الفقیہہ میں یوں دیتے ہیں:

روایت حدیث: جناب رسول کریم علیہ السلام سے شریعت اخذ کرنے کے دو طریقے تھے:

ایک بطور ظاہر (یعنی اسناد کے ساتھ) جس میں نقل کی ضرورت ہے متواتر ہو یا غیر متواتر۔

دوسرا بطریق دلالت۔ اس طرح کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کو کوئی کام کرتے دیکھا یا کوئی حکم فرماتے سنا تو انہوں نے حضور علیہ السلام کے اس قول یا فعل سے حکم وجوب یا مذب سمجھ کر اس حکم سے لوگوں کو خبردار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حکم کا انتساب نہ کیا۔ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال و تقریر سے صحابی نے جو مسئلہ سمجھا اُسے اپنے شاگردوں کے سامنے بغیر انتساب بیان کر دیا جیسے عام لوگوں میں دستور ہے کہ عالم سے مسئلہ پوچھتے ہیں تو عالم مسئلہ کا جواب دے دیتا ہے اور جو حکم ہوتا ہے بتا دیتا ہے مثلاً ایک شخص پوچھتا ہے کہ مذی سے یا بول سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ٹوٹ جاتا ہے۔ کوئی حدیث پڑھ کر نہیں سناتے تو جس حدیث میں بول یا مذی نکلنے سے وضو کا ٹوٹ جانا آتا ہے یہ فتویٰ اسی کی روایت ہے۔ لیکن بطریق ظاہر نہیں بلکہ بطریق دلالت چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ ص ۱۰۴ فرماتے ہیں:

اعلم ان تلقے الامة منه الشرع علی وجھین احدھما تلقی الظاھر ولا بلان یکون بنقل امامتواترا وغیر متواتر و ثانیھما التلقی ولالة وھی ان یری الصحابة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول اوجفعل فاستنبطوا من ذالک حکما من

الوجب وغیرہ فاخبرو ابذلک الحکم (ھ)

صحابہ کا روایت حدیث سے جھجکنا: پہلی قسم کی روایت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت جھجکتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی روایت کرنے سے منع کرتے تھے اور جو مکثر تھے وہ بھی بہت احتیاط کرتے تھے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ: نے پانچ سو حدیثیں جمع کیں اور ساری رات کروٹیں بدلتے رہے۔ صبح اس مجموعہ کو جلا دیا اور فرمایا:

خشیت ان اموت وھی عندی فیکون فیھا احادیث عن رجل قد ائتمنتہ وثقت ولم یکن کما حدثنی۔

میں ڈر گیا کہ مرجاؤں اور یہ مجموعہ رہ جائے اور اس میں کسی ایسے شخص کی روایت سے حدیثیں ہوں جسے میں نے ثقہ اور امین سمجھا ہو اور حقیقت میں جس طرح اس نے مجھے حدیث بیان کی ہو اس طرح نہ ہو (تو اس کا مجھے مواخذہ نہ ہو)

اسی طرح آں حضرت ﷺ کی وفات شریف کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو جمع کیا خطبہ پڑھا اور فرمایا:

انکم تحدثون احادیث تختلفون فیھا والناس بعد کم اشد اختلافاً فلا تحدثوا۔ (تذکرہ ذھبی)

تم احادیث بیان کرتے ہو اور ان میں اختلاف کرتے ہو اور تمہارے بعد لوگ بہت اختلاف میں پڑیں گے اس لیے تم حدیثیں نہ بیان کیا کرو۔ یعنی یہی حدیثیں اختلاف کا باعث ہیں۔ اگر تم ان کی روایت کی کثرت چھوڑ دو گے تو اختلاف کم ہوگا۔ ورنہ اختلاف شدید پیدا ہوجائے گا۔

عمر رضی اللہ عنہ: آپ کے زمانہ میں احادیث کا بکثرت روایت کرنا قانونی جرم تھا۔ مصنف عبدالرزاق میں لکھا ہے:

لما ولی عمر قال اقلوالروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الافیما

يعمل به۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خلافت کے زمانہ میں فرمایا ہے کہ بجز ان احادیث کے جن پر عمل کیا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے روایت کم کردو۔ (تذکرہ اعظم)

امام ذہبی نے تذکرہ ا ظ میں لکھا ہے:

ان عمر حبس ثلاثة ابن مسعود وابا الدرداء و ابا مسعود الانصاری فقال لقد اکثرتم الاحادیث عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود ابو درداء و ابو مسعود انصاری رحمہم اللہ کو قید کر دیا۔ اس جرم میں کہ تم رسول کریم ﷺ سے حدیث بکثرت روایت کرتے ہو۔

خطیب نے بھی شرف اصحاب الحدیث کے صفحہ ۸۹ میں اس کو روایت کیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

فجسهم حتى استشهد۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تینوں صحابہ کو اپنی شہادت تک قید رکھا۔

یہی خطیب اپنی سند کے ساتھ قرظہ بن کعب سے نقل کرتا ہے۔ کہا اس نے کہ ہم نکلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیں رخصت کرنے کے لیے صرار تک آئے پھر پانی منگوا کر وضو کیا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیوں آیا ہوں انہوں نے عرض کی کہ ہاں آپ ہمیں رخصت کرنے اور ہماری عزت افزائی کے لیے تشریف لائے ہیں۔ فرمایا ہاں لیکن اس کے ساتھ ایک اور حاجت بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ تم ایسے شہر میں جاؤ گے جہاں لوگوں کو قرآن شریف کی تلاوت کے ساتھ شہد کی مکھی کے آواز کی طرح آواز ہے (یعنی بہت محبت ہے اور بکثرت تلاوت کرتے ہیں) تم ان کو حدیثیں سُنا کر نہ روک دینا قرظہ کہتا ہے کہ میں نے اس کے بعد کوئی حدیث رسول کریم ﷺ سے روایت نہیں کی۔ اسی مضمون کو شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب انصار کی ایک جماعت کو کوفہ بھیجا تو فرمایا کہ تم کوفہ جاتے ہو اور وہاں ایسی قوم ہوگی جو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے روتے ہوں گے۔ وہ تمہارے پاس

آئیں گے اور کہیں گے کہ محمد ﷺ کے اصحاب آئے ہیں پھر وہ تم سے حدیثیں پوچھیں گے۔ تو تم حدیثوں کو بہت کم روایت کرنا۔

امام ذہبی نے تذکرہ میں لکھا ہے۔ ابو سلمہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابو ہریرہ کو کہا کہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اس طرح حدیثیں روایت کیا کرتا تھا۔ انہوں نے فرمایا:

لو کنت احدث فی زمان عمر مثل ما احد ثکم لضربنی بمخفقه۔

یعنی اگر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس طرح حدیثیں بیان کرتا جس طرح تمہارے زمانہ میں بیان کرتا ہوں تو عمر رضی اللہ عنہ مجھے دُرّے لگاتے۔

فائدہ: سیّدنا امام اعظم رحمۃ اللہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے اس قانون پر عمل کیا اور حدیث کی پہلی قسم کی روایت میں کثرت نہ کی۔ **رحم اللّٰہ ابا حنیفه کیف عمل بقول صلی اللّٰہ علیه وسلم اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر و عمر۔** (ترمذی)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: کوفہ کے مفتی و مدرس مقرر ہوئے۔ فتوے دیا کرتے تھے۔ مگر جب حدیث مسند متصل بیان کرتے تو پیشانی پسینہ پسینہ ہوجاتی۔ کانپنے لگتے اور فرماتے ان شاء اللہ کذالک یا ہکذا اونحوہ۔ ابن مسعود کے شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم لوگ سال سال بھر تک ان کے پاس روزانہ درس میں حاضر ہوتے تھے مگر کسی دن قال رسول اللہ نہ سنتے۔ ان کے بدن پر لرزہ طاری ہوجاتا۔ (طبقاتِ بن سعد) اسی طرح حجۃ اللہ میں ص ۱۲۱ میں لکھا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ: صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے۔

قال ابن عباس انا کنا نحدث عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اذلم یکن یکذب علیه فلما رکب الناس الصعب والذلول ترکنا الحدیث عنه۔

ابن عباس فرماتے ہیں ہم رسول کریم ﷺ سے حدیثیں بیان کیا کرتے تھے۔ جب کہ ان پر جھوٹ نہیں باندھا جاتا تھا۔ اور جب لوگ نرم سخت پر سوار ہوئے (یعنی اچھے بُرے مسلک پر چلنے لگے نیک بد کی تمیز نہ رہی) تو ہم نے آنحضرت ﷺ سے روایت کرنا چھوڑ

دیا۔

ایک سوبیس صحابہ: دارمی میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا قول ہے کہ ایک سوبیس صحابہ کو کوفہ کی مسجد میں دیکھا وہ سب حدیثوں کے بیان کرنے سے جھجکتے تھے۔ اسی طرح حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما و حضرت انس و جابر و صہیب و عمران بن حصین و زید بن ارقم رضی اللہ عنہم سب حدیثوں کی روایت سے گھبراتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی منع کرتے تھے۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ: فرماتے ہیں۔

علے من دون النبی صلی اللہ علیہ وسلم احب الینا فان کان فیہ زیادۃ او نقصان کان علی من دون النبی صلی اللہ علیہ وسلم (حجۃ اللہ)

یعنی حضور علیہ السلام کی طرف نسبت کرنے سے کسی دوسرے کی طرف جو آپ سے نیچے کا ہو نسبت کرنا ہمیں بہت پسند ہے کیونکہ روایت میں اگر زیادت یا نقصان ہو تو حضور علیہ السلام کے سوا دوسرے کی طرف منسوب ہوگا اور یہ بھی فرماتے ہیں۔

لوددت ان لم اتعلم من ھذاالعلم شیئا

کاش کہ میں علم حدیث نہ سیکھتا۔ (خطیب)

ابراہیم نخعی: فرماتے ہیں۔

اقول قال عبداللہ وقال علقمہ احب الینا۔

یعنی یہ کہنا کہ عبداللہ نے کہا یا علقمہ نے کہا یہ ہمیں بہت پسند ہے۔ (حجۃ اللہ)

مکثرین کا رجوع: شعبہ جو امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ سات یا دس ہزار حدیث کے راوی ہیں اخیر میں کہا کرتے تھے:

وددت انی وقاد الحمام ولم اعرف الحدیث۔

کاش میں حمام کا ایندھن ہوتا اور حدیث کو نہ پہنچانتا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

ابوالولید کہتے ہیں۔ میں نے سنا شعبہ فرماتے تھے۔

ان ھذا الحدیث یصد کم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون۔

کہ یہ حدیث تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے کیا تم اس سے باز نہ رہو گے۔ (شرف للخطیب ص ۱۱۵) نیز فرمایا:

ماانا مقیم علی شئی اخوف علی ان یدخلنی النارعنه یعنی الحدیث کہ میں اپنے اعمال میں سے کسی سے اتنا خائف نہیں جتنا کہ حدیث سے کہ یہ مجھے جہنم میں داخل نہ کرے۔ (شرف الخطیب)

سفیان ثوری رحمۃ اللہ: فرمایا کرتے تھے میں کسی عمل سے اتنا خائف نہیں ہوں جتنا کہ حدیث سے (تذکرہ ذہبی) اور فرمایا:

لوددت انی لم اکن دخلت فی شی منه

یعنی الحدیث یعنی کاش میں حدیث میں داخل نہ ہوتا اور فرماتے ہیں:

وددت ان کل حدیث فی صدری و کل حدیث حفظه الرجال عنی نسخ من صدری و صدورهم۔

یعنی کاش جو حدیث میرے سینے میں ہے یا جو مجھ سے لوگوں نے حفظ کی ہے وہ میرے اور ان کے سینوں سے جاتی رہے۔ اور فرمایا:

لوکان هذا من الخیر لنقص کما نیقص الخیر۔ یعنی الحدیث اگر حدیث بھلائی ہوتی تو اور بھلائیوں کی طرح یہ بھی کم ہوتی۔ یہ فرماتے ہیں میں دیکھتا ہوں ہر قسم کی بھلائیاں کم ہوتی جاتی ہیں اور یہ حدیث زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ تو میں گمان کرتا ہوں کہ یہ اسباب خیر سے ہوتی تو یہ بھی کم ہوتی (الکل من شرف الحدیث ص ۱۲۲)

عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ: نے اہل حدیث اور ان کی انبوہی کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم نے علم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس کا نور گھٹا دیا۔

لوادرکنا و ایاکم عمر لاوجعلنا ضربا۔

اگر ہمیں تمہیں حضرت عمر پاتے تو سزا دیتے۔ (شرف الخطیب)

مغیرہ بن مقسم: فرماتے ہیں:

کان مرة خیار الناس یطلبون الحدیث فصار الیوم شرار الناس یطلبون الحدیث لو استقبلت من امری ما استدبرت ماحدثت۔

یعنی پہلے تو اچھے لوگ حدیث طلب کرتے تھے اب بُرے لوگ طلب کرتے ہیں اگر میں پہلے یہ جانتا تو حدیثیں بیان نہ کرتا۔ (شرف ص ۱۲۱)

امام اعمش: فرماتے ہیں:

مافی الدنیا قوم شر من اصحاب الحدیث۔

یعنی اہل حدیث سے زیادہ بُری قوم دنیا میں کوئی نہیں۔ اور فرمایا

لو کانت لی اکلب کنت ارسلها علی اصحاب الحدیث

اگر میرے پاس کتے ہوتے تو میں اہلحدیث پر چھوڑتا۔ (شرف الخطیب)

ان اقوال کا کوئی بھی سبب ہو۔ بہرحال یہ لوگ روایت سے ڈرتے تھے اور جنہوں نے روایت بکثرت کی انہوں نے بھی اس پر خوف ظاہر کیا۔

پس جو لوگ احادیث کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کرنے سے ڈرتے تھے اس جماعت کا طریقہ یہ تھا کہ افعال و اقوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ وہ سمجھتے تھے اس پر اطمینان کر لیتے اور اس کو شاگردوں کے سامنے بغیر انتساب بیان کرتے۔ یہی سلسلہ اخیر میں فقہ کے نام سے موسوم ہوا۔

یہ طریقہ پہلے طریقہ سے مضبوط اور محکم تھا۔ اس کے راوی کے لیے ضرور ہے کہ فہم و فراست سے بہرہ وافر رکھتا ہو ہر ایک حکم کی اصلیت کو سمجھتا ہو۔ اس لیے اس طریق کے مبلغین کی تعداد بہت کم ہے۔ صحابہ میں بھی کم رہی۔ صحابہ میں چند ممتاز رہے حضرت عمر، ابن مسعود، علی، ابن عباس رضی اللہ عنہم بہت مشہور تھے۔ تابعین میں سے بھی بہت کم بھی مکہ میں عطاء بن ابی ریاح۔ مدینہ میں فقہاء سبعہ۔ کوفہ میں ابراہیم نخعی۔ بصرہ میں حسن۔ یہ لوگ بلا انتساب مسئلہ بتا دیا کرتے تھے ان کے سلسلے تلامذہ بھی اسی پر عامل رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک رفع نہیں کرتے تھے۔ اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ فقہ بھی دراصل حدیث ہے۔

فقہ اور حدیث مسند میں فرق: احادیث فقہ پہلے سے بہت زیادہ قوی قابل اطمینان ہے بوجوہات ذیل:

(۱) مسند احادیث کے رواۃ کی عادت تھی۔ ناسخ منسوخ متعارض غیر متعارض واجب مستحب ضروری غیر ضروری حالات وقرائن مقامات کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا تھا صرف مقصود روایت ہوتی تھی۔ بلاسند روایت فقہ میں اس کا اہتمام ہوتا تھا۔ ان سب کا اعتبار کر کے نفس مسلمہ کا بتانا مقصود ہوتا تھا۔ امت تک مسائل محقق طور پر پہنچتے تھے۔ مثلاً حدیث نہی عن المز ارعۃ یا نہی عن بیع الثمار قبل ان یبد وصلاحا پہلے قسم کے راوی عموماً بیان کردیا کرتے تھے۔ لیکن فقہا صحابہ فرماتے رہے کہ یہ حکم بطور مشورہ تھا۔ (حجۃ اللہ)

(۲) مسند حدیث کے لیے صرف راوی کی قوت حفظ دیانت کی ضرورت ہے۔ دوسرے طریقہ (فقہ) میں انتہائے فقاہت اور سمجھ کی ضرورت تھی۔ اس لیے اس کا سلسلہ حفاظ وثقات وفقہا کبار کا ہوتا تھا۔

(۳) مسند میں صرف لفظ نقل ہوتا ہے۔ وہ بجنسہ مشکل ہے۔ اکثر روایت بالمعنے ہے۔ لفظی روایت بہت نادر ہے۔ سفیان ثوری کہتے ہیں:

لو اردنا کم ان نحدثکم الحدیث کما سمعناہ ماحدثنا کم بحدیث واحد۔

کہ اگر ہم ارادہ کریں کہ جس طرح حدیث کو سُنا ہے اسی طرح روایت کریں تو ایک حدیث بھی روایت نہ کرسکیں۔ روایت بالمعنی میں اختلاف الفاظ ضروری ہے۔ پھر استنباط احکام میں خلل ہونا لازم۔ ایک مَا اور لَا میں بڑا فرق ہے۔ اب فرق سمجھ لو کہ مسند احادیث میں اکثر الفاظ رواۃ کے ہیں۔ پھر اس کو فقہ پر جو کہ مستند حدیثوں کا مجموعہ ہے کس وجہ سے فضیلت ہوسکتی ہے۔

امام اعظمؒ کے مرویات: اس تقریری سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سند حدیثوں کو کیوں کم روایت کرتے تھے۔ اور فتاویٰ مسائل کی کیوں کثرت تھی۔ جب ان کے دادا استاد (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) روایت حدیث سے کانپتے تھے تو امام ابوحنیفہ کیوں احتیاط

نہ کرتے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ نے تو سنت خلفاء پر عمل کیا اور کبار صحابہ کی روش پر رہے۔ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ابوحنیفہ سے زیادہ کثیر الروایت شخص دنیا میں نہیں ہوا۔ ان کے مرویات آج فقہ حنفی کے نام سے تمام عالم کے سامنے ہے۔

۱۱۶ اس بات پر توجہ دے کہ ایک لاکھ میں سے ڈھائی ہزار سے کچھ زیادہ احادیث بخاری شریف میں رقم فرمائیں یعنی ۹۷ ہزار سے زائد صحیح حدیثیں صحیح بخاری میں درج نہ فرمائیں۔

اس بات سے یہ نتیجہ نکلا کہ بخاری کے علاوہ ہر حدیث کو رد کردینا انتہائی غلط رویہ ہے اور علم حدیث سے ناواقفی ہے۔

۱۱۷ تبییض الصحیفہ ص ۱۸ وایضافی الخیرات الحسان۔

۱۱۸ سورہ یونس آیت (۱۳۲)

۱۱۹ سورہ بقرہ آیت (۲۶۸)

۱۲۰ بخاری شریف ج ۱ ص ۱۶

۱۲۱ مشکوٰۃ شریف ص ۳۵

۱۲۲ شارع یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا چاہتے تھے کیونکہ بہت سارے اقوال وہ ہوتے ہیں جن کے ظاہری معنی کچھ ہوتے ہیں لیکن دراصل وہ بات اپنے اندر صدر یا مقاصد اور مفہوم رکھتی ہے۔

۱۲۳ فقیہہ اعظم مولانا ابویوسف محمد شریف محدث کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فقیہہ الفقیہہ میں لکھتے ہیں۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ فقہا علیہم الرحمۃ نے جو کام کیا کس قدر ضروری تھا اور ان کی جاں فشانیاں کس قدر قابل داد ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اعلیٰ درجہ میں واقع ہے جس کو مخالفین نے بھی تسلیم کیا ہے کیونکہ جب دعوے سے کہا گیا کہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِثْلِهٖ تو کسی سے نہ ہوسکا کہ ایک دوسطر لکھ کر پیش کرے جو فصاحت و بلاغت میں

قرآن کریم کا جواب ہو سکے اور کلام بلیغ کا یہ خاصہ ہے کہ باوجود عام فہم ہونے کے کچھ مضامین اس میں ایسے بھی ہیں جو خاص خاص لوگ اس پر مطلع ہو سکیں۔ اسی واسطے کہا جاتا ہے الکنایۃ ابلغ من التصریح تو کنایہ کے ابلغ ہونے کی کوئی وجہ سوائے اس کے نہیں کہ اس کا پورا پورا مضمون سمجھنا خاص لوگوں کا ہی حصہ ہے۔ پھر جس طرح عبارت النص سے مسائل سمجھے جاتے ہیں دلالت، اشارت اور اقتضاء سے بھی سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے سوائے نظم و معانی سے اتنے مباحث متعلق ہیں کہ ان کے بیان میں خاص ایک فن اصول فقہ مدوّن ہو گیا۔

پھر اسی قسم کی دقتیں احادیث کے سمجھنے میں بھی ہیں اور احادیث میں بہت کچھ اختلاف واقع ہے۔ ناسخ منسوخ حقیقت، مجاز، عموم خصوص مجمل مفسر وغیرہ معلوم کرنا پھر مقصود و شارع کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں بلکہ ہر ایک کلام کے سمجھنے میں قرائن سے مدد لی جاتی ہے گو الفاظ مساعدت نہ کریں اور یہ ہر کسی کا کام نہیں۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے خالد بن ولید کو بنو خذیمہ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے صاف طور پر یہ نہ کہا کہ اَسْلَمْنَا یعنی ہم اسلام لائے بلکہ صَبَانَا صَبَانَا کہا۔ یعنی ہم اپنے دین سے پھر گئے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل اور قید کرنا شروع کر دیا اور ایک ایک قیدی ایک ایک شخص کے حوالہ کیا۔ ہر ایک کو حکم دیا کہ ہر ایک شخص اپنے قیدی کو قتل کر ڈالے میں نے کہا:

وَاللّٰهِ لَا اَقْتُلُ اَسِيْرِیْ وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِیْ اَسِيْرَه

خدا کی قسم میں اور میرے ساتھی ہرگز قتل نہ کریں گے۔

پھر جب ہم حصور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے ہاتھ اٹھا کر دُعا کی اور فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَبْرَءُ اِلَيْکَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَيْن

اے خدا خالد نے جو کیا ہے۔ میں اس سے بری ہوں یہ الفاظ دو مرتبہ فرمائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معنے سمجھنے کے لیے قرائن سے مدد لینے کی بہت ضرورت

ہے۔ مطلب ظاہر الفاظ سے سمجھا جاتا ہے ہمیشہ وہی مقصود نہیں ہوتا اس لیے قرآن وحدیث کا پورا پورا مطلب سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں۔

حضور علیہ السلام نے جو فرمایا: اُوتِیتُ جَوَامِعَ الْکِلَمِ۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ حدیث کی عبارتوں میں کئی پہلو ہوتے ہیں جن سے مسائل کا استنباط مختلف طور پر ہوسکتا ہے۔ ان کا معلوم کرنا بھی ہر ایک کا کام نہیں۔ پھر اکثر احکام میں علتیں ملحوظ ہوا کرتی ہیں اور علت کا متعین کرنا بہت مشکل کام ہے۔ غرض اس قسم کے مختلف اسباب سے ایسے علماء کی ضرورت ہوئی جو شارع کے مقصود کو قرائن اور جودت طبعیت سے معلوم کرسکیں۔ ان ہی کو فقیہ اور مجتہد کہتے ہیں۔

ترمذی نے کتاب الجنائز میں فقہا علیہم الرحمۃ کی نسبت لکھا ہے:

وهم اعلم بمعانی الحدیث۔

یعنی فقہاء احدیث کے معانی کو زیادہ جانتے ہیں۔

ترمذی کے اس قول کی تصدیق حدیث کے اس جملہ سے بھی ہوسکتی ہے جو حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے:

نضر الله عبداسمع مقالتی فحفظها ورعاها وادها فرب حامل فقه غیر فقیه ورب حامل فقه الی من هو افقه منه کو خدا تعالیٰ تروتازہ رکھے اس بندے کو جس نے میرے اقوال سُنے اور یاد رکھ کر لوگوں کو پہنچایا۔ جنہوں نے سنا نہیں کیونکہ بہت روایت کرنے والے سمجھدار نہیں ہوتے اور بعض سمجھدار ہوتے ہیں مگر جن کو وہ پہنچاتے ہیں وہ ان سے افقہ ہوتے ہیں۔

بلکہ دارمی کی روایت ہے:

فرب حامل فقه ولا فقه له

جس کا مطلب یہ ہے کہ اکثر روایت کرنے والے محدثین کو سمجھ نہیں ہوتی۔

تو معلوم ہوا کہ محدثین کا اتنا ہی کام ہے کہ وہ روایتیں فقہا کو پہنچا دیں تا کہ وہ خوض وفکر

کر کے مسائل۔ استنباط کریں جن سے راویوں کی سمجھ قاہر ہو کیونکہ ظاہر ہے جو افقہ ہوگا۔ وہ حدیث کے مطالب بہ نسبت غیر فقیہ کے زیادہ سمجھے گا۔

اسی حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حدیث میں سوائے لفظی ترجمہ کے اور بھی بہت خفی راز ہیں جن کی طرف اوتیت جوامع الکلم میں اشارہ ہے۔ اگر بجز الفاظ کوئی اور خفی راز نہ ہوتا تو حامل حدیث کا غیر فقیہ ہونا بہ نسبت محمول الیہ کے یا بہ نسبت اس کے کم فقیہ ہونا کیسے درست ہوسکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یقیناً احادیث نبویہ میں علاوہ مدلولات ظاہر یہ کے اور بھی مدلولات خفیہ ہیں جن کو بعض علماء سمجھ سکیں گے اور بعض نہیں کیوں کہ انسانی فطرت میں تفاوت جب کہ علماً وعملاً موجود ہے جس کی طرف آیت قرآنی فوق کل ذی علم علیم کا اشارہ ہے۔

جب یہ حال ہے تو مستنبطین کا استنباط بھی یکساں نہ ہوگا۔ کسی کا ماخذ لطیف و دقیق ہوگا اور بعض کا جلی و ظاہر۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کا استنباط جو نہایت ادق ہے ظاہر بینوں کی نظروں میں خلاف معلوم ہوتا ہے۔

اس حدیث میں صرف پہنچانے کا یہ ثواب بیان کیا گیا ہے تو تخریج مسائل کا ثواب اسی پر قیاس کرلو۔ ترمذی کے اس قول کی تائید اس روایت سے ہوسکتی ہے جو عالمگیر میں بحر الرائق سے لکھی ہوئی ہے۔

کہ عیسیٰ بن ابان بڑا جلیل القدر محدث تھا وہ کہتا ہے کہ میں حج کے مہینہ کے اول میں مکہ شریف آیا اور ایک مہینہ مکہ شریف رہنے کا ارادہ کر کے چار رکعت فرض پڑھنے لگا تو امام اعظم رحمۃ اللہ کا ایک شاگرد ملا اور کہا کہ تو نے خطا کی کیونکہ تم منا کی راتیں شہر مکہ سے باہر رہو گے۔ اس لیے تمہاری نیّت اقامت درست نہیں ہوئی پھر میں نے دوگانہ شروع کیا جب منا سے واپس آئے تو بھی دوگانہ شروع رکھا۔ پھر وہی فقیہ ملا۔ اس نے کہا کہ اب تو نے دوبارہ خطا کی کیونکہ اب تم مکہ معظمہ میں مقیم ہو جب تک وہاں سے الوداع نہ ہو چار پڑھو۔ عیسیٰ بن اُبان کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات سُن کر طلب حدیث کو چھوڑ کر فقہ کی طلب اختیار کی اور پورا فقیہ ہوا۔

اور اس قول کی تائید یہ روایت بھی کرتی ہے جو خیرات الحسان ص ۶۷ میں لکھی ہے:

ایک بار اعمش رحمہ اللہ سے کسی نے چند مسائل پوچھے۔ اس مجلس میں امام اعظم رحمہ اللہ بھی حاضر تھے۔ اعمش نے امام اعظم رحمہ اللہ کو فرمایا کہ آپ کا ان مسائل میں کیا قول ہے۔ امام صاحب نے ان سب مسائل کا جواب دیا۔ اعمش نے کہا اس پر کیا دلیل ہے۔ امام صاحب نے فرمایا وہی احادیث جو آپ سے مجھے پہنچی ہیں اور چند حدیثیں مع اسناد پڑھ کر سنا دیں اور طریق استنباط بھی بتا دیا۔ اعمش نے نہایت تحسین کی اور فرمایا جو روایتیں میں نے سو دن میں بیان کی تھیں تم نے ایک ساعت میں سب سنا دیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم ان احادیث پر عمل کرتے ہو گے۔ پھر فرمایا:

يَامَعْشَرَ الْفُقَهَاءِ اَنْتُمُ الْاَطِبَّاءُ وَنَحْنُ الصَّيَادِلَة

یعنی اے گروہ فقہا تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطا ہیں جن کے پاس دوائیں ہر قسم کی موجود رہتی ہیں اور تم دونوں کے جامع ہو۔ یعنی محدّث بھی ہو اور فقیہ بھی ہو۔

اسی طرح علامہ علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں نقل کیا ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ سے چند مسائل امام اوزاعی نے پوچھے انہوں نے سب کے جواب دیئے۔ اوزاعی نے دلیل پوچھی تو فرمایا انہی احادیث و اخبار سے جو آپ روایت کرتے ہیں پھر وہ پڑھ کر سُنا دیں۔ تو اوزاعی نے فرمایا:

نَحْنُ الْعَطَّارُوْنَ وَاَنْتُمُ الْاَطِبَّاءُ

ہم عطار ہیں اور آپ لوگ طبیب۔

یعنی جس طرح عطار عمدہ عمدہ دوائیں اپنی دوکان میں رکھا کرتے ہیں اور ان کو بیماروں پر استعمال کرنا نہیں جانتے اسی طرح ہم لوگ محدثین صحیح صحیح حدیثیں جمع کرتے ہیں اور ان سے مسائل استنباط نہیں کر سکتے۔ جس طرح طبیب ادویہ کا استعمال جانتا ہے اسی طرح آپ فقہا حدیثوں کا موقع اور مواضع استعمال اور استنباط مسائل سے واقف ہیں۔

کسی شخص نے کچھ مال زمین میں دفن کیا تھا۔ پھر اسے یاد نہ رہا تو حضرت امام اعظم رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ کوئی ایسی وجہ بتاؤ جس سے مجھے اپنے دفینہ کا پتہ لگ جائے۔ حضرت

نے فرمایا:

- صَلِّ اللَّیْلَۃَ اِلَی الْغَدِسَتُذْکُرُ

یعنی آج ساری رات صبح تک نفل پڑھ پھر تجھے پتہ لگ جائے گا۔

اس شخص نے ایسا ہی کیا جب رات کو نماز میں مشغول ہوا۔ ابھی تھوڑا وقت گزرا کہ اسے اپنے دفینہ کا پتہ لگ گیا۔ صبح کو امام صاحب کی خدمت میں پہنچا اور واقعہ عرض کیا۔ امام صاحب نے فرمایا کیا تو نے نوافل صبح تک پڑھے یا چھوڑ دیئے۔ اس نے عرض کی کہ جب پتہ لگ گیا پھر چھوڑ دیے۔ آپ نے فرمایا:

قَدْ عَلِمْتُ اَنَّ الشَّیْطٰنَ لَایَدَعُکَ یُصَلِّی لَیْلَتَکَ حَتّٰی یَذْکُرَکَ وَیُحَکَ فَھَلَّا اَتَمَمْتَ لَیْلَتَکَ شُکْرِ لِلّٰہِ

میں جانتا تھا کہ شیطان تجھے ساری رات نماز نہ پڑھنے دے گا اور یاد کرادے گا مگر افسوس کہ تم نے اس شکریہ میں ساری رات نوافل کیوں نہ پڑھے؟

کیا آپ کے خیال میں آ سکتا ہے کہ امام صاحب نے جو اس شخص کو یہ علاج بتایا یہ کس آیت یا حدیث سے ماخوذ ہے۔ لو ہم بتاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے جب اذان ہوتی ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے تاکہ اذان نہ سنے۔ جب اذان ختم ہوتی ہے تو آ جاتا ہے پھر اقامت کے وقت چلا جاتا ہے پھر ختم ہونے پر آ جاتا ہے اور نمازیوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ اور کہتا ہے:

اُذْکُر کَذَااُذْکُرْ لِمَا لَمْ یَکُنْ یَذْکُرُ

فلاں بات یاد کر فلاں بات یاد کر۔

یعنی جو اس کو یاد نہیں ہوتی وہ یاد کراتا ہے یہاں تک کہ آدمی نہیں جانتا۔ کہ کیا پڑھا ہے اس حدیث سے سمجھ کر امام صاحب نے فرمایا:

قَدْ عَلِمْتُ اَنَّ الشَّیْطٰنَ لَایَدَعُکَ یُصَلِّی لَیْلَتَکَ حَتٰی یَذْکُرَکَ وَیُحَکَ فَھَلَّا اَتَمَمْتَ لَیْلَتَکَ شُکْرًالِلّٰہِ

میں جانتا تھا کہ شیطان تجھے ساری رات نماز نہ پڑھنے دے گا اور یاد کرا دے گا۔ مگر افسوس کہ تم نے اس شکریہ میں ساری رات نوافل کیوں نہ پڑھے۔

تفسیر کبیر و خیرات الحسان میں ہے کہ ایک شخص نے امام اعظم رحمہ اللہ کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ میں نے اپنی عورت کو قسم کر کے کہا ہے کہ جب تک تو میرے ساتھ نہ بولے گی میں بھی نہ بولوں گا اس نے بھی قسم کی اور کہا کہ جب تک تو نہ بولے گا میں نہ بولوں گی۔ اب اس حکایت سے معلوم ہوا کہ حدیثوں کا یاد رکھنا اور ہے اور مسائل کا استخراج اور ہے اور یہ وظیفہ فقیہ کا ہے۔

ابن جوزی رحمہ اللہ تلبیس ابلیس میں لکھتے ہیں کہ بعض محدثین نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا:

اَنْ یَسقِیَ الرَّجُلُ مَائَہ ذَرْعَ غَیْرِہ

حضور نے اپنا پانی دوسرے کی کھیتی کو پلانے سے منع فرمایا ہے۔

تو محدثین کی ایک جماعت نے جو وہاں موجود تھی کہا جب ہمارے باغوں یا کھیتوں سے پانی بچ رہتا تھا تو ہم اپنا زائد پانی ہمسایوں کے کھیتوں کی طرف چھوڑ دیتے تھے۔ اب ہم اس بات سے توبہ کرتے ہیں اور خدا سے استغفار کرتے ہیں، دیکھئے قلت فقاہت کے سبب یہ محدثین حدیث کا صحیح مطلب نہ سمجھ سکے جس سے مراد پرائی عورت کے ساتھ وطی کرنے کی ممانعت تھی۔ معلوم ہوا کہ ظاہر الفاظ سے ہمیشہ ظاہر مقصود نہیں ہوتا اور یہ سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں۔

اسی طرح ابن جوزی رحمۃ اللہ نے ایک اور محدث کا حال لکھا ہے کہ انہوں نے چالیس سال جمعہ کی نماز کے پہلے کبھی سر نہ منڈایا اور دلیل میں یہ حدیث پیش کی کہ رسول کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے:

عَنِ الْحلْقِ قَبْلَ الصَّلٰوۃِ یَوْمَ الْجُمْعَۃِ

حالانکہ اسی حدیث میں لفظ حلق بکسر لام ہے جس کے معنے حلقہ کر کے بیٹھنا ہے اسی واسطے ابن جوزی ابن صاعد محدث کے حق میں لکھتا ہے:

كَانَ ابْنُ صَاعِدٍ كَبِيرَ الْقَدْرِ فِي الْمُحَدِّثِيْنَ لكِنَّه لَمَّا قَلَّتْ مُخَالَطَتُه لِلْفُقَهَاء كَانَ لَا يَفْهَمُ جَوَابَ الْفَتْوٰى

یعنی ابن صاعد بڑا محدث تھا لیکن فقہا کے ساتھ اس کی نشست برخاست کوئی ایسی وجہ بتاؤ کہ ہم آپس میں بات چیت کریں اور کفارہ نہ پڑے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ مسئلہ کسی اور سے بھی دریافت کیا ہے یا نہیں۔ اس نے کہا کہ سفیان ثوری سے پوچھا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ جو پہلے بولے گا وہ حانث ہوگا۔ آپ نے فرمایا جا تو اور اس کو بلا کوئی حانث نہ ہوگا جب ثوری کو یہ فتویٰ پہنچا حیران ہوا تو آپ نے سمجھایا کہ عورت نے جب قسم کی مرد کی قسم کے بعد یہ اس کی طرف سے بات ہوگئی۔ اب مرد کے بلانے سے کوئی حانث نہ ہوگا۔ اس پر ثوری نے فرمایا کہ ہم اس سمجھ سے غافل تھے۔

یہی وجہ ہے کہ امام اعمش جب حدیث ختم کر کے فتویٰ دینے کے لیے بیٹھے تو پہلے ہی مسئلہ کا جواب نہ دے سکے جس سے معلوم ہوا کہ صرف حدیث سے کام نہیں چلتا فقہ کی بہت ضرورت ہے۔

مختصر کتاب النصیحۃ مؤلفہ خطیب بغدادی میں لکھا ہے کہ ایک جگہ محدثین کا مجمع تھا جس میں یحییٰ بن معین اور خیثمہ اور خلف بن سالم وغیرہ موجود تھے اور تحقیق حدیث میں گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک عورت آئی۔ اس نے پوچھا کہ غستالہ حائضہ ہے کیا وہ میت کو غسل دے سکتی ہے یا نہیں؟ کسی نے اس کا جواب نہ دیا اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اتنے میں فقیہ ابوثور آ گئے۔ ان کو دیکھ کر سب نے کہا کہ ان سے پوچھو یہ بتائیں گے۔ ابوثور نے فرمایا کہ ہاں حائضہ غسل دے سکتی ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث پڑھی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا تھا:

اِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ

(اور حدیث) كُنْتُ اُفَرِّقُ رَأسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا حَائِضٌ

سنتے ہی سب نے تصدیق کر دی اور کہا کہ یہ حدیثیں ہم کو فلاں فلاں راوی کے ذریعہ

پہنچی ہیں اور اس کے اتنے طریق ہیں۔

بہت کم تھی اس لیے فتویٰ کا جواب نہیں سمجھ سکتا تھا۔

ابو بکر فقیہ کہتے ہیں کہ میں ابن صاعد کے پاس تھا تو ایک عورت آئی اس نے پوچھا کہ جس کنواں میں مرغی گر کر مرجائے اس کا کیا حکم ہے تو ابن صاعد نے فرمایا کیف سقطت کس طرح گری۔ عورت نے کہا لم یکن البیر مغطاة۔ کنواں ڈھانپا ہوا نہ تھا۔ تو آپ نے فرمایا الاغطیته حتیٰ لا یقع فیها شئی ۔ تو نے کنواں کیوں نہ ڈھانپا کہ اس میں کوئی چیز نہ گرتی؟

اسی طرح بعض محدثین کو فرائض کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں لکھا کہ مطابق حکم خدا تقسیم کیا جاوے۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ ابراہیم حربی سے نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت علی بن داؤد محدث کے پاس آئی۔ وہ اس وقت حدیث بیان فرماتے تھے اور ان کے سامنے ہزار آدمی سامعین بیٹھے ہوئے تھے آ کر کہنے لگی کہ میں نے قسم کی تھی کہ اپنے آزار کو صدقہ کروں گی تو اب کیا کروں فرمایا تو نے اِزار کتنے کو لیا۔ اس نے کہا کہ دو سو بیس درہم کو۔ فرمایا! جا بائیس روزے رکھ جب وہ چلی گئی تو آپ افسوس کرنے لگے کہ ہم سے غلطی ہوگئی کہ عورت کو ظہار کے کفارہ کا حکم دے دیا۔ انتہی۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ فہم حدیث کے واسطے فقاہت کی بڑی ضرورت ہے۔

کشف بزودی میں لکھا ہے کہ ایک محدث بعد استنجا کے وتر پڑھا کرتے تھے۔ پوچھا گیا تو فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

مَنِ اسْتَنْجٰی فَلْیُوْتِرْ

جو استنجا کرے چاہیے کہ وتر کرے۔

اس نے یہ معنے سمجھے کہ جو استنجا کرے چاہیے کہ وتر پڑھے حالانکہ معنے یہ تھے کہ استنجا میں طاق کو ملحوظ رکھے۔

مجھے اس مقام پر ایک لطیفہ یاد آیا ہے کہ کسی شخص کا ایک مخلص دوست کسی دوسرے سے لڑ رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ میرا دوست تکلیف میں ہے اس نے اپنے دوست کے دونوں

ہاتھوں کو پکڑ لیا۔ مخالف نے اس کو خوب پیٹا چونکہ اس کے دونوں ہاتھ دوست نے پکڑے ہوئے تھے وہ کچھ نہ کرسکا۔ لاچار ہوکر دوست کو کہنے لگا کہ تو نے کیا سلوک کیا ہے کہ مجھے پکڑ کر پٹوایا ہے۔ دوست بولا تو نے نہیں سُنا کہ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست

در پریشاں حالی و درماندگی ! ! !

میں نے تو اس قول پر عمل کیا ہے اس نے کہا اس کا مطلب تو دوست کی مدد کرنا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ ہم مطلب تو جانتے نہیں ہم تو ظاہر لیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہی وجہ ہے کہ قرآن حدیث کس سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں۔ اس کام کے لیے حضرات فقہا علیہم الرحمۃ ہی مخصوص ہیں۔

دیکھو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے۔ اور ایک دن اِذَاجَاءَ نَصرُ اللّٰہ کے معنے ان سے دریافت کیے تو انہوں نے اس سے حضور علیہ السلام کی وفات شریف کی مراد بیان کی جس پر حضرت عمر رضی اللہ نے تصدیق کی اور شیوخ بدر رحہم اللہ پر حضرت ابن عباس کی فضیلت ظاہر ہوئی۔ کمافی البخاری۔

اسی طرح حدیث اِنَّ اللّٰہ خَیَّرَ عَبدًا سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات شریف کو سمجھا۔ جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اعلم مانا۔

امام رازی نے کبیر میں آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ سے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی وفات شریف کا استنباط کیا۔ ابن کثیر نے اس آیت سے وفات شریف کا استنباط حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ فہم مسائل ہر کسی کا کام نہیں۔

۱۲۴ سورہ نساء آیت (۱۶۴)

۱۲۵ سورہ عنکبوت آیت (۴۳)

۱۲۶ اس لیے تقلید چار و ناچار سب ہی کرتے ہیں ہم تقلید کا اقرار کرتے ہیں وہ انکار کرتے ہیں پر اپنے مولوی کے پیچھے چلتے ہوئے تقلید کا انکار کرتے ہیں۔

۱۲۷۔ سورہ نحل آیت (۴۲)

۱۲۸۔ سورہ نساء (۵۹)

۱۲۹۔ یعنی نہ تو تقلید کرنے والے ایسے عالم ہر شہر اور ہر قریے میں پیدا کر سکے جو قرآن کی تمام آیات کو ہر وقت پیش نظر رکھیں اور ہر ہر حدیث پر بھی نظر رکھتا ہو اور نہ ہی غیر مقلدین ہر ہر غیر مقلد میں اتنی استعداد پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے تو ناچار تقلید کرنا ان کی بھی مجبوری بنی۔

۱۳۰۔ میزان الشر الکبریٰ اور شیخ ابن حجر مکی نے بھی اس عبارت سے ملتی جلتی عبارت خیرات الحسان ص ۲۹ میں تحریر فرمائی ہے من شاء فلیرجع الیہ

۱۳۱۔ عمدۃ القاری فی شرح بخاری ج ۴ ص ۱۲۷

۱۳۲۔ عقود الجمان فی مناقب النعمان

۱۳۳۔ القرآن الکریم سورہ حشر آیت ۸

۱۳۴۔ ان کی تفصیلی تعریف تو بہت ہی وسیع صفحات کی محتاج ہے یہاں مختصراً کچھ بیان کی جارہی ہے۔

حدیث کی اقسام: سندوں کی تعداد کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) متواتر (۲) مشہور (مستفیض) (۳) عزیز (۴) غریب

پہلی یعنی متواتر کے علاوہ باقی تینوں کو "اخبار احاد" کہا جاتا ہے۔

احاد: احاد (واحد) کی جمع ہے۔ ازروئے لغت خبر واحد وحدیث ہے جس کو ایک شخص روایت کرے اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ۔

"ھو مالم یجمع شروط المتواتر"

"جس حدیث میں خبر متواتر کی شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائیں وہ خبر واحد ہے۔"

خبر متواتر: تواتر کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کا یکے بعد دیگر اور لگاتار آنا۔ جب مسلسل بارش ہو تو

عرب کہتے ہیں "تواتر المطر" اور اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ کسی حدیث کو اس قدر زیادہ لوگ روایت کرنے والے ہوں کہ عقلاً ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو۔

متواتر کی شرائط: (۱) سند کی کثرت اس میں کئی اقوال ہیں کسی نے کہا کہ کم از کم دس افراد روایت کرنے والے ہوں کیونکہ یہ جمع کثرت ہے بعض نے چار بعض نے ستر اور بعض نے تین سو تیرہ کہا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ متواتر راویوں کی تعداد میں اختلاف ہے تحقیق یہ ہے کہ یہ اتنے لوگ ہوں جن کا عادتاً کذب پر متفق ہونا محال ہو یہ معاملے کے حساب سے ہے جیسا مسئلہ ہوگا اس میں حدیث کو تواتر کے لیے اس کے مطابق ہی تعداد رواۃ کا لحاظ رکھا جائے گا مثلاً اگر عمومی اور روزمرہ زندگی میں پیش آنے والا معاملہ ہو تو رواۃ کی تعداد ستر بلکہ تین سو تیرہ تک ہو سکتی ہے جبکہ خصوصی و خفیہ مسئلے میں ان کی تعداد چار یا دس تک بھی ہو سکتی ہیں اس لیے کوئی خاص تعداد معین نہیں۔

(۲) ابتداء سے انتہاء تک راوی کثیر ہوں یعنی یہ کثرت سند کے تمام طبقات میں پائی جائے۔

(۳) اور یہ کثرت اس درجے کی ہو کہ عادتاً اتفاقاً ان کا کذب پر متفق ہونا محال ہو۔

(۴) روایت کا منتہی کوئی امر حسی ہو، مثلاً وہ کہیں ہم نے سنا، ہم سے سونگھا یا ہم نے چھوا یا ہم نے دیکھا اور اگر روایت کا منتہی عقل پر ہو مثلاً حدوثِ عالم تو یہ خبر متواتر نہیں۔

خبر متواتر کا حکم: جب خبر، تواتر کی شرائط کو پورا کرے تو خبر تواتر ہونے کی وجہ سے علم بدیہی کا فائدہ دیتی ہے جس کا سننے والا ایسی تصدیق کرتا ہے جیسا کہ اس نے خود مشاہدہ کیا ہو گویا اسے سننے سے ایسا یقین حاصل ہوتا ہے جیسا خود مشاہدہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

خبر متواتر کی اقسام: خبر متواتر کی دو قسمیں ہیں: (۱) متواتر لفظی (۲) متواتر معنوی

(۱) متواتر لفظی: اس سے مراد وہ خبر ہے جو الفاظ و معنی دونوں اعتبار سے متواتر ہو، خبر متواتر لفظی کی مثال:

حدیث: عن انس ان النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه واله وسلم قال من کذب علی متعمد افلیتبوأ مقعده من النار۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا: ''جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''

(۲) متواتر معنوی: اس سے مراد وہ خبر ہے جو معنی کے اعتبار سے متواتر ہو۔ مگر لفظاً متواتر نہ ہو جیسے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھانے والی احادیث مبارکہ وغیرہ۔

(۲) حدیث مشہور: یہ وہ حدیث ہے جو دو سے زائد سندوں سے مروی ہو لیکن حدِ تواتر سے کم ہو، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں ''ایک رائے کے مطابق حدیث مشہور حدیث مستفیض ہے اور بعض آئمہ حدیث نے فرق کیا ہے۔ مستفیض اور مشہور کے درمیان کے مستفیض تو وہ حدیث ہے جس کی ابتداء اور انتہا میں کثرت طرق برابر ہوں اور مشہور عام ہے اس سے۔''

پہلی رائے کے مطابق مشہور و مستفیض میں تساوی کی نسبت ہے اور دوسری رائے کے مطابق مشہور عام ہے اور مستفیض خاص ہے۔

حدیث مشہور کی مثال:

حدیث: المسلم من سلم المسلون من لسانه ویده۔

ترجمہ: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

(۲) حدیث عزیز: عزیز کے لغوی معنی نادر اور کمیاب کے ہیں۔ حدیث عزیز کو اس لیے عزیز کہتے ہیں کہ یہ نادر الوجود ہے۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تعریف یوں فرماتے ہیں۔

حدیث عزیز وہ ہے جس کی سند کے ہر طبقے میں دو سے کم راوی نہ ہوں اس کی مثال یہ حدیث ہے کہ امام بخاری، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام مسلم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

''لایؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین۔''

ترجمہ: تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس

کے والدین اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

۱۳۵ القرآن الکریم سورہ مزمل آیت (۲۰)

۱۳۶ مشکوٰۃ ص ۱۵۱ پر پوری حدیث مذکور ہے۔

۱۳۷ سورہ النجم آیت (۳۸)

۱۳۸ اعراف (۲۰۴)

۱۳۹ موطا امام محمد ص ۹۸

۱۴۰ حدیث مرسل کی تعریف بیان کرتے ہوئے علامہ غلام رسول سعیدی بیان کرتے ہیں۔

حدیث مرسل کی تعریف اور اس کا حکم: لغت میں ارسل کا معنی ہے اطلق، یعنی کسی چیز کو بغیر قید کے بیان کرنا اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

جس حدیث کی سند کے آخر میں تابعی کے بعد راوی (صحابی) کو حذف کر دیا جائے وہ مرسل ہے اس کی صورت یہ ہے کہ تابعی کہے عام ازیں کو وہ چھوٹا ہو یا بڑا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا یہ کام کیا، یا آپ کے سامنے یہ کام کیا گیا۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۵۱)

اس کی مثال یہ ہے: امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن سعید بن المسیب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المزابنۃ (مسلم ج ۲ ص ۸)

سعید بن المسیب (یہ تابعی ہیں) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مزابنہ سے منع فرمایا۔

حدیث مرسل کو مردود کی اقسام میں اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ جو راوی محذوف ہے اس کے حال کا علم نہیں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ ضعیف ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ثقہ ہو، پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس محذوف تابعی نے صحابی سے وہ حدیث سنی ہو یا کسی اور تابعی سے سنی ہو اور اس تابعی میں پھر ضعف اور ثقاہت کے دونوں احتمال ہیں اور دوسرے محذوف تابعی نے ہوسکتا ہے کسی اور تیسرے تابعی سے سنا ہو اور اس نے چوتھے تابعی سے سنا ہو عقلاً تو تابعین کا

سلسلہ ختم نہیں ہوگا، لیکن استقراء سے یہ صورت چھ یا سات تابعین تک پائی گئی ہے۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۵۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حدیث مرسل کو قبول کرنے میں مذاہب ائمہ: اگر کسی تابعی کی یہ عادت معروف ہو کہ وہ صرف ثقہ راوی کو چھوڑتا ہو تو جمہور محدثین پھر بھی توقف کرتے ہیں (کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ راوی اس کے نزدیک ثقہ ہو اور فی نفسہ ثقہ نہ ہو۔) امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔ فقہاء مالکیہ، فقہاء احناف اور امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ حدیث مرسل مطلقاً مقبول ہوتی ہے اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی اور سند سے اس کی تائید ہوجائے تو وہ مقبول ہے ورنہ نہیں، خواہ وہ سند متصل ہو یا مرسل۔ اور امام ابوبکر رازی حنفی اور امام ابوالولید باجی مالکی یہ کہتے ہیں کہ اگر راوی ثقہ و غیر ثقہ دونوں کو چھوڑتا ہو تو اس کی حدیث اتفاقاً مقبول نہیں ہے۔ (شرح نخبۃ الفکر ص ۵۲)

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

حدیث مرسل کی فنی حیثیت: بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جو حدیث قرونِ ثلثہ کی مرسل ہو وہ فقہاء احناف کے نزدیک مقبول ہے ورنہ نہیں، کیونکہ حدیث میں ہے "پھر کذب عام ہوجائے گا۔" اس حدیث کو امام نسائی نے صحیح قرار دیا ہے اور امام ابن جریر نے یہ کہا ہے کہ تمام تابعین کا اس پر اجماع ہے کہ حدیث مرسل مقبول ہوتی ہے اور ان میں سے کسی کا اس سے انکار منقول نہیں ہے، اور ان کے بعد دو سو سال تک ائمہ میں سے کسی کا انکار منقول نہیں ہے، حافظ ابن عبدالبر نے یہ کہا کہ امام شافعی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے حدیث مرسل کو مسترد کیا ہے اور بعض ائمہ نے تو حدیث مرسل کو مسند (متصل) پر بھی ترجیح دی ہے انہوں نے کہا جب کوئی راوی پوری حدیث بیان کردیتا ہے تو وہ اس کی تحقیق کو تم پر چھوڑ دیتا ہے اور جب وہ حدیث کے کسی راوی کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس کی صحت اور ثقاہت کا ضامن ہوجاتا ہے (یعنی اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے اس کا میں ضامن ہوں اور سند میں باقی جو راوی میں نے ذکر کیے ہیں ان کی چھان میں خود کرلو۔) (تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۹۸)

امام حاکم نے علوم الحدیث میں لکھا ہے کہ اہل مدینہ سعید بن میتب سے مراسیل کی روایت کرتے ہیں اور اہل مکہ عطا بن ابی رباح سے مراسیل کی روایت کرتے ہیں اور اہل بصرہ حسن بصری سے اور اہل کوفہ ابراہیم بن یزید نخعی سے اور اہل مصر سعید بن ابی ہلال سے اور اہل شام مکحول سے، ان میں سے زیادہ صحیح مراسیل ابن المسیب کی ہیں، ابن معین نے بھی یہی کہا ہے کیونکہ وہ اولاد صحابہ میں سے ہیں اور انہوں نے عشرہ مبشرہ کو پایا ہے اور وہ اہل حجاز کے فقیہ اور مفتی تھے اور وہ ان سات فقہاء میں سب سے پہلے ہیں جن کے اجماع کو امام مالک نے تمام لوگوں کا اجماع قرار دیا ہے، ائمہ متقدمین نے سعید بن میتب کی مراسیل کی چھان بین کی تو ان سب کی سند صحیح تھی اور دوسروں کی مراسیل میں یہ شرائط نہیں پائی جاتیں، کتاب اور سنت میں حدیث مرسل کی عدم حجیت پر دلیل نہیں ہے۔

امام مالک نے صرف ابن میتب کی مرسلات سے بحث کی ہے ہم باقی مرسلات پر بھی گفتگو کرتے ہیں، عطاء بن ابی رباح کی مرسلات کے متعلق ابن مدینی نے کہا ہے کہ عطاء ہر قسم کی روایات لے لیتے ہیں اور مجاہد کی مرسلات میرے نزدیک ان سے کئی درجہ بہتر ہیں، امام احمد بن حنبل نے کہا کہ سعید بن میتب کی مرسلات سب سے بہتر ہیں، اور ابراہیم نخعی کی مرسلات میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور حسن بصری اور عطا بن ابی رباح کی مرسلات سب سے زیادہ ضعیف ہیں کیونکہ وہ ہر ایک سے روایات لے لیتے ہیں اور ابن مدینی نے کہا ہے کہ حسن بصری کی مرسلات جو ثقات سے مروی ہیں وہ صحیح ہیں، ان میں سے بہت کم کوئی روایت ساقط کی گئی ہے، امام ابوزرعہ نے کہا ہر جس روایت میں حسن بصری نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، مجھے اس کی کسی نہ کسی اصل کا ثبوت مل گیا ماسوا چار روایتوں کے، اور یحییٰ بن سعید قطان نے کہا ایک دو حدیثوں کے سوا جس حدیث میں حسن بصری نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کی مجھے اصل مل گئی۔

شیخ الاسلام نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جس حدیث کے متعلق حسن نے صیغہ جزم استعمال کیا ہو، ایک شخص نے حسن سے کہا: آپ ہم سے حدیث بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کاش آپ ہمیں درمیان کے راوی بیان کر کے حدیث کو متصل بیان کردیا کریں؟ جس نے کہا ہم جھوٹ بولتے ہیں اور نہ ہم سے کوئی جھوٹ بولتا ہے، ہم نے خراسان میں جہاد کیا اور ہمارے ساتھ سیدنا محمد ﷺ کے تین سو اصحاب تھے اور یونس بن عبید نے حسن سے کہا آپ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حالانکہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں پایا؟ حسن نے کہا اے بھتیجے، تم کو معلوم ہے کہ یہ کون سا زمانہ ہے (یہ حجاج کا زمانہ تھا) ہر وہ حدیث جس میں تم نے مجھ سے سنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، وہ حدیث دراصل حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن میں اس دور میں ہوں جس میں حضرت علی کا نام لینے کی ہمت نہیں کرتا، اور محمد بن سعید نے کہا حسن کی ہر مسند (جس میں راوی سے سماع کی تصریح ہو) حجت ہے اور مرسل حدیث حجت نہیں ہے۔

ابراہیم نخعی کی مراسیل کے متعلق ابن معین نے کہا ان کی مراسیل مجھے شعبہ سے زیادہ پسند ہیں، اور ابن معین نے یہ بھی کہا کہ ابراہیم کی مراسیل مجھے سالم بن عبداللہ، قاسم اور سعید بن مسیّب سے زیادہ پسند ہیں، امام احمد نے کہا ان میں کوئی حرج نہیں، اعمش نے کہا میں نے ابراہیم سے کہا مجھے حضرت ابن مسعود سے روایت کی سند بیان کریں تو انہوں نے کہا جب میں تم سے کہوں کہ فلاں شخص حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتا ہے تو وہ صرف میں نے ان سے خود سنی ہوتی ہے اور جب میں تم سے کہوں حضرت عبداللہ نے فرمایا ہے تو اس کا مطلب ہے اس حدیث کو بہت سے لوگوں نے حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ (تدریب الراوی ج ۱ ص ۲۰۵)

نیز علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

یہ تمام بحث مرسل صحابی کے غیر میں ہے، لیکن جو حدیث مرسل صحابی ہے مثلاً صحابی نے رسول اللہ ﷺ کے کسی ایسے قول یا فعل کی خبر دی ہے جس کے بارےمیں یہ متحقق ہو چکا ہے کہ وہ صحابی اپنے صغر سن یا تاخر اسلام کی وجہ سے اس وقت حاضر نہیں تھا تب بھی مذہب صحیح کی بناء پر اس حدیث کی صحت کا حکم لگایا جائے گا اس پر تمام ائمہ اور محدثین کا قطعی اتفاق ہے، خصوصاً ان کا بھی جو حدیث مرسل کو قبول نہیں کرتے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایسی بہ کثرت احادیث

ہیں، کیونکہ وہ صحابہ دوسرے صحابہ سے روایت کرتے ہیں اور تمام صحابہ عادل ہیں، اور ایسا بہت کم ہے کہ انہوں نے غیر صحابی سے روایت کی ہو اور جب وہ غیر صحابہ سے روایت کرتے ہیں تو اس کا بیان کردیتے ہیں اور صحابہ نے جو تابعین سے احادیث روایت کی ہیں تو وہ ان کا بیان کردیتے ہیں اور وہ احادیث مرفوعہ نہیں ہیں بلکہ اسرائیلیات یا حکایات ہیں یا موقوفات ہیں۔

(تدریب الراوی ج ا ص ۲۰۷)

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

حدیث مرسل کے مقبول ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل: امام ابن جریر نے یہ تصریح کی ہے کہ حدیث مرسل کے قبول کرنے پر تمام تابعین کا اجماع ہے اور کسی تابعی سے اس کا انکار منقول نہیں ہے، اور نہ اس کے بعد دو سو سال تک ائمہ میں سے کسی نے اس کا انکار کیا اور یہی وہی قرون فاضلہ ہیں جن کے خیر پر برقرار رہنے کی رسول اللہ ﷺ نے شہادت دی ہے، اور بعض علماء نے تو حدیث مرسل کو حدیث مسند (جس کی پوری سند مذکور ہو) پر ترجیح دی ہے اور اس کی یہ دلیل دی ہے کہ جس شخص نے پوری سند ذکر کردی اس نے اس کی تحقیق تمہارے حوالے کردی اور جس نے حدیث مرسل ذکر کی وہ اس چھوڑے ہوئے راوی کی تحقیق کا خود ضامن ہوگیا۔ (شرح شرح الفکر ص ۱۱۲)

علامہ سندی لکھتے ہیں:

شرح نخبۃ الفکر میں علامہ عسقلانی کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک، فقہاء احناف اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق حدیث مرسل مقبول ہے، اور یہ تابعی کی مرسل ہے اور فی الواقع احناف کے نزدیک اس طرح نہیں ہے، کیونکہ توضیح میں لکھا ہے کہ صحابہ کی مرسل حدیث بالا جماع مقبول ہے اور اس کو سماع پر محمول کیا جائے گا، اور قرن ثانی اور قرن ثالث کی احادیث کو امام شافعی رحمہ اللہ قبول نہیں کرتے، الا یہ کہ کسی دوسری سند سے اس کا اتصال ثابت ہوجائے، جیسے سعید بن میتب کی مراسیل ہیں، امام شافعی نے کہا میں نے ان مراسیل کی ایسی مکمل اسانید دیکھی ہیں جن میں راوی کی صفات مجہول تھیں اور اس سبب سے ان کی روایت صحیح

ہے، اور ہمارے اور امام مالک کے نزدیک حدیث مرسل مقبول ہے اور وہ مسند پر مقدم ہے کیونکہ راوی نے صحابہ کو چھوڑا ہے اور معروف یہ ہے کہ جب محدث کے نزدیک معاملہ واضح ہوتا ہے تو وہ سند کو حذف کر دیتا ہے اور جب اس کے نزدیک معاملہ واضح نہیں ہوتا تو وہ اس کو دوسروں کے اوپر چھوڑ دیتا ہے، اور راوی کے مجہول ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ جب مرسل ثقہ ہے تو وہ اس سے سکوت کرنے والے کی غفلت سے متہم نہیں ہوگا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر محدث یہ کہے کہ مجھے ثقہ نے حدیث بیان کی ہے تو اس کی حدیث جہل کے باوجود مقبول ہوتی ہے، تو اگر محدث کسی راوی کو ترک کر دے تو اس کی حدیث کیوں قبول نہیں ہوگی۔ (امعان النظر ص ۱۰۳)

حدیث مرسل کی حجیت پر قرآن مجید سے استدلال:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فلو لا نفرمن کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذورون (توبہ:۱۲۲)

تو دین کی سمجھ حاصل کرنے کے لیے اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے ان کے ہر گروہ سے ایک جماعت کیوں نہ نکلی! تا کہ (ان کی قوم کے لوگ) گناہوں سے بچتے رہتے۔

اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دینی طائفہ پر یہ واجب کر دیا ہے کہ جب وہ اپنی قوم کی طرف واپس جائیں تو ان کی نبی ﷺ کے احکام پہنچائیں اور عمل نہ کرنے پر عذاب آخرت کی وعیدوں سے ڈرائیں اور اس آیت میں یہ فرق نہیں کیا گیا کہ وہ حدیث مسند سے ڈرائیں اور حدیث مرسل سے نہ ڈرائیں اور نہ اس میں یہ فرق کیا گیا ہے کہ صحابہ تو حدیث مرسل پہنچائیں اور تابعین اور بعد کے لوگ حدیث مرسل نہ پہنچائیں، اس لیے اس آیت کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح حدیث مسند کو پہنچانا ضروری ہے اسی طرح حدیث مرسل کو بھی پہنچانا ضروری ہے۔ اس دلیل پر مخالفین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس آیت

میں حدیث موضوع، متروک، مجہول اور ضعیف کی دیگر اقسام کی بھی تخصیص نہیں کی گئی تو کیا اس آیت کے عموم کے لحاظ سے ان احادیث کی تبلیغ بھی واجب ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یایھا الذین اٰمنوا ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا (حجرات:٦)	اے ایمان والو! اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلو۔

حدیث مردود کی تمام اقسام فاسق کی خبر ہیں اور ان کے متعلق قرآن مجید نے حکم دیا ہے کہ بلاتحقیق ان کی خبر کو قبول نہ کیا جائے اس کے برعکس ہمارا کلام ثقات کی مراسیل میں ہے اور اس آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جب ثقہ مسلمان کوئی خبر دے تو اس کو بلاتحقیق وتجسس قبول کرنا واجب ہے، تو ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ ثقہ راوی کی مرسل حدیث کو قبول کرنا واجب ہے۔ علاوہ ازیں مجہول کی حدیث سے معاوضہ کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس کے قبول نہ کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، جب کہ فریق مخالف کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ جب ثقہ راوی کسی مجہول سے روایت کرے تو وہ حدیث مقبول ہے تو پھر ثقہ کی مرسل کیوں مقبول نہیں ہوگی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینت والھدی من بعد ما بیناہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنبھم اللہ ویلعنھم اللعنون (بقرہ:١۵٩)	بے شک جو لوگ ہماری اُتاری ہوئی روشن دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے کتاب میں بیان فرما دیا، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے اور سب لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسند اور مرسل کا فرق کیے بغیر برسبیل عموم کتمان علم سے منع فرمایا ہے اور علم اور ہدایت کا پہنچانا واجب قرار دیا ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ ثقہ کی مرسل

واجب القبول ہو۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حدیث مرسل کی حجیت پر احادیث سے استدلال

عن عبداللّٰہ بن عمرو ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بلغوا عنی ولو آیة (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھ سے روایت کر کے پہنچاؤ۔ خواہ ایک آیت ہو۔

قاضی بیضاوی نے کہا آپ نے قرآن مجید کی آیت کو پہنچانے کا حکم دیا ہے، حدیث کا نہیں فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ ضامن ہے تو جب اس کے باوجود آپ نے قرآن مجید کی آیت پہنچانے کا حکم دیا ہے تو حدیث کا پہنچانا بہ طریق اولیٰ واجب ہے۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی بکرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیبلغ الشاھد الغائب (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا، شاہد غائب کو حدیث پہنچا دے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن زید بن ثابت قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فحفظه حتی یبلغه غیره فرب حامل فقه الی من ھو افقه منه (جامع ترمذی ص ۳۸۰)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ (خوش وخرم) رکھے، جس نے ہم سے ایک حدیث کو سنا اس کو یاد کیا اور اس کو دوسرے شخص تک پہنچا دیا، بسا اوقات ایک فقہ کا حامل اپنے سے زیادہ فقیہ تک پہنچاتا ہے۔

عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نضر اللہ امرأ سمع منا شیئا فبلغہ کما سمعہ فرب مبلغ اوعی من سامع (جامع ترمذی ص ۳۸۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی اور اس کو جس طرح سنا تھا اسی طرح اس کو پہنچا دیا، کیونکہ بعض وہ لوگ جن کو حدیث پہنچادی جائے سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔

ان احادیث میں نبی ﷺ نے مسند اور مرسل کا فرق کیے بغیر احادیث کے پہنچانے کا حکم دیا ہے اس لیے یہ احادیث بھی اپنے عموم کے اعتبار سے ثقات کی مراسیل پر حجت ہیں۔

حدیث مرسل کی حجیت پر عقلی دلائل: حدیث مرسل کی حجیت پر ہمارے علماء نے سات دلائل قائم کیے ہیں: (۱) جب راوی کسی حدیث کو مرسلاً روایت کرتا ہے تو وہ نبی ﷺ کی اس خبر پر قطعی شہادت دیتا ہے اور بعد میں آنے والوں کو راوی کے متعلق بحث اور تفتیش سے مستغنی کر دیتا ہے اور جب وہ کسی حدیث کی پوری سند بیان کرتا ہے تو وہ بعد والوں کو اس واسطہ کے حوالے کر دیتا ہے اور خود بری الذمہ ہو جاتا ہے، تو جب راوی حدیث کو مرسلاً بیان کر کے اس پر اعتماد اور وثوق کرے تو یہ حدیث کو مسنداً بیان کرنے سے اولیٰ ہے اور اس سے زیادہ قوی ہے، اور وہ اس کے مساوی ہونے سے بہرحال کم نہیں ہے اور اگر بالفرض کم بھی ہو تو لائق استدلال ہونے سے بہرطور کم نہیں ہے۔

(۲) مرسل کے راوی کا عادل، امین اور ثقہ ہونا اس بات کے منافی ہے کہ وہ نبی ﷺ کی ایک حدیث کی شہادت دے اور اس کا راوی ثقہ اور حجت نہ ہو، اس لیے وہ حدیث پر اسی وقت اعتماد اور وثوق کرے گا جب اس کے نزدیک وہ حدیث صحیح ہوگی، اور جس راوی کو اس نے چھوڑ دیا ہے وہ فاسق اور مردود الروایت نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ نبی ﷺ سے اس حدیث کو وثوق کے ساتھ روایت کر رہا ہے، اور نہ یہ ممکن ہے کہ اس کو اس راوی کی عدالت کے متعلق

غلبہ ظن نہ ہو، اور مرسل کی روایت کو رد کرنے سے اس راوی پر طعن لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے، کیونکہ اگر ارسال مرسل میں طعن کا موجب ہوتا تو ائمہ حدیث مرسل کی کسی مسند روایت کو ہر گز قبول نہ کرتے کیونکہ وہ مراسیل کی روایات کرتا ہے، خصوصاً وہ مرسل جس کی بہ کثرت مرسل روایات ہوں، حالانکہ بہت سے ایسے راوی ہیں جن کی روایات قبول کرنے پر تمام امت کا اجماع ہے اور ان راویوں نے بہ کثرت مرسل روایات بیان کی ہیں اور یہ امر ان کی مرسل روایات کے قبول کرنے کو بھی مستلزم ہے۔

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

ثقہ راوی کسی حدیث کو اسی وقت مرسلاً روایت کرتا ہے جب اس کے نزدیک اس حدیث کی صحت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اعمش بیان کرتے ہیں میں نے ابراہیم نخعی سے کہا جب آپ مجھے حدیث بیان کریں تو اس کی سند ذکر کریں، تو ابراہیم نخعی نے کہا، جب میں تم سے کہتا ہوں عبداللہ نے کہا تو مجھے ایک جماعت نے ان سے حدیث بیان کی ہوئی ہوتی ہے اور جب میں کہتا ہوں مجھے فلاں نے عبداللہ سے حدیث بیان کی ہے تو مجھے صرف اسی نے وہ حدیث بیان کی ہوتی ہے۔ (حافظ ابوعمر بن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، تمہید ج ۱ ص ۳۸۔۳۷ مطبوعہ القدوسیہ، ۱۴۰۴ھ)

ابراہیم نخعی کے اس قول سے یہ واضح ہوگیا کہ جب بہ کثرت لوگ کسی شخص سے روایت کریں اور راوی کو ان کی کثرت کی وجہ سے اس روایت کی صحت کا یقین ہوجائے تو وہ ان کو ترک کردیتا ہے اور جب صرف ایک شخص اس حدیث کو بیان کرے اور راوی کو اس پر اطمینان نہ ہو تو وہ اس کا ذکر کرکے اس حدیث کو مسنداً روایت کرتا ہے۔

حافظ صلاح الدین علائی لکھتے ہیں:

حسن بصری نے کہا جب رسول اللہ ﷺ کے چار صحابہ کسی حدیث کو روایت کریں تو میں ان صحابہ کو ترک کرکے اس کا اسناد رسول اللہ ﷺ کی طرف کردیتا ہوں یہ تو حسن بصری کی مراسیل ہیں جو فریق مخالف کے نزدیک ضعیف ترین مراسیل ہیں، تو پھر کبار تابعین مثلاً سعید

بن مسیب کی مراسیل کی کیا شان ہوگی! عروہ بن زبیر نے عمر بن عبدالعزیز کے سامنے ایک حدیث مرسل بیان کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے بنجر زمین کو آباد کیا وہ اس کا مالک ہوجائے گا اور اس حدیث کو بہ طور مسند ذکر نہیں کیا، عمر بن عبدالعزیز نے عروہ سے کہا تم رسول اللہ ﷺ پر اس کی شہادت دیتے ہو؟ عروہ نے کہا: ہاں مجھے ایک عادل اور امین شخص نے اس حدیث کی خبر دی ہے جس کا میں نے نام نہیں لیا، عمر بن عبدالعزیز اس کو کافی سمجھا اور اس حدیث کو قبول کرلیا، اس قسم کے بہت شواہد ہیں۔ (حافظ صلاح الدین ابوسعید بن خلیل علائی متوفی ۶۷۱ھ، جامع التحصیل فی الحکام المراسیل ص ۲۷، مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

(۳) حدیث مرسل کے ــــ جس راوی کا ذکر نہیں وہ نبی ﷺ اور تابعی کے درمیان واسطہ ہے وہ راوی یا تو صحابی ہوگا یا ثقہ تابعی ہوگا یا مجروح متہم ہوگا یا مجہول الحال ہوگا، مرسل کے نزدیک وہ راوی ان چاروں میں سے کوئی نہ کوئی ایک ہوگا، اول الذکر دوصورتوں میں اس کی روایت کا قبول کرنا واجب ہے، اور ثانی الذکر دوصورتوں میں اس کی روایت قبول نہیں ہوگی، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ ثانی الذکر صورتوں کا تابعین میں تحقق بہت زیادہ بعید ہے، کیونکہ اس صورت میں وہ واسطہ کذب کے ساتھ متہم ہوگا، حالانکہ نبی ﷺ و اصحابہ و بارک وسلم نے تابعین کے عصر کی تعریف فرمائی ہے اور آپ نے قرن صحابہ کے بعد قرن تابعین کو خیر قرن قرار دیا ہے، اس لیے تابعین کے قرن میں کسی شخص کا مجروح اور متہم بالکذب ہونا بہت نادر ہے، اس کے برعکس بعد کے قرون کا یہ درجہ نہیں ہے، اس طرح یہ بھی بہت بعید ہے کہ وہ راوی مجہول الحال ہو اور اس سے روایت کرنے والے تابعی پر اس کا حال مخفی ہو اور وہ قطعی طور پر اس کی روایت کا نبی ﷺ کی طرف اسناد کردے جب کہ وہ اس کی ثقاہت اور عدالت پر مطلع نہ ہو اور جب یہ واضح ہوگیا کہ ثانی الذکر دونوں احتمال اول الذکر احتمالوں کی بہ نسبت مرجوع ہیں تو اول الذکر صورتوں کا تحقق متعین ہوگیا کیوں کہ وہی اغلب الظن ہیں پس بہرطور مرسل کو حجت ماننا ہوگا۔

(۴) اگر حدیث مرسل کو حجت نہ مانا جائے تو پھر حدیث معنعن کو بھی حجت نہیں ماننا

چاہیے کیونکہ اس میں بھی عنعنہ کی وجہ سے مُعنعن کسی راوی کو چھوڑ دیتا ہے اور اپنے سے اوپر والے راوی سے سماع کی تصریح نہیں کرتا اور جو احتمال تم خبر مرسل میں نکالتے ہو وہ بعینہ خبر معنعن میں بھی قائم ہے اور یہ احتمال پیش کرنا کہ معنعن نے اپنے شیخ سے ملاقات کی ہوگی اور اس سے سماع کیا ہوگا، اس احتمال سے کم نہیں ہے کہ مرسل نے جس واسطہ کو ترک کردیا ہے وہ اس کے نزدیک ثقہ اور عادل ہے۔

(۵) جب مستفتی پر واجب ہے کہ مفتی اس کے سامنے نبی ﷺ کی جو روایت بیان کرتا ہے وہ اس کے ظاہر علم اور عدالت کی بنا پر اس کو قبول کرلے، اسی طرح عالم پر واجب ہے کہ جب مرسل اس کے سامنے نبی ﷺ کی روایت بیان کرے تو وہ اس کے ظاہر علم اور عدالت کی بناء پر اس کو قبول کرلے۔

(۶) حاکم جب دو عادل گواہوں کی بنیاد پر فیصلہ کردے اور مہر لگادے اور گواہوں کا نام نہ لے تو کسی کو اس کے فیصلہ پر یہ اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے کہ اس نے گواہوں کا نام نہیں لیا، اسی طرح یہاں بھی مرسل پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ اس نے اپنے شیخ کا نام کیوں نہیں لیا۔

(۷) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمام مسلمان عادل ہیں ماسوا ان کے جن پر حد جاری ہوئی یا جن کے متعلق یہ معلوم ہوگیا کہ وہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں، اس سے ظاہر ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف ظاہر اسلام کا اعتبار کیا تھا الآیہ کہ جس کے متعلق عدالت کے خلاف کوئی بات ثابت ہوگئی ہو، مرسل نے جس راوی کو ترک کردیا ہے وہ بھی اس کی عدالت ظاہرہ کی بناء پر ترک کیا ہے ورنہ وہ اس کو ذکر کردیتا، اور جو شخص بہ ظاہر عادل ہو تو اصل یہ ہے کہ اس کی حدیث قبول کی جائے الایہ کہ اس کے رد کا کوئی مقتضی پایا جائے اور یہ چیز تابعین کے زمانہ میں نمایاں تھی کیونکہ وہ عصر صحابہ کے بعد خیر القرون تھا اور ان میں کوئی شخص جھوٹا مشہور نہیں تھا، ہاں یہ الگ بات ہے کہ کوئی شخص اس قدر جھوٹا مشہور ہو کہ اس کا جھوٹا ہونا بحث سے مستغنی ہو، اور یہ واضح بات ہے کہ ائمہ تابعین اس سے روایت کرنے والے نہ تھے اور

اس طرح کے مشہور کذاب شیعہ میں تھے۔

جامع التحصیل کے باب اوّل میں احکام المراسیل میں لکھا ہے کہ امام حاکم نے کہا ہے کہ تابعین اور اتباع تابعین کی تمام مرسلات کو اہل کوفہ قبول کرتے ہیں اور ان سے استدلال کرتے ہیں، نیز جامع التحصیل کی فصل ثانی میں لکھا ہے کہ عیسیٰ بن ابان اور ابوبکر رازی کا مختار یہ ہے کہ قرن ثانی، قرن ثالث اور بعد کے قرون کے مرسلات مقبول ہیں بہ شرطیکہ وہ ائمہ نقل کی مرسل ہو۔

علامہ نودی نے شرح المہذب میں لکھا ہے کہ بہ کثرت علماء حدیث مرسل پر عمل کرتے ہیں اور امام غزالی نے اس کہ جمہور سے نقل کیا ہے اور امام داؤد نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ ماضی میں اکثر علماء مثلاً سفیان ثوری، مالک اور اوزاعی مرسل سے استدلال کرتے تھے، حتیٰ کہ امام شافعی کا زمانہ آیا اور انہوں نے اس پر اعتراض کیا۔

حافظ سیوطی نے نظم الدر میں لکھا ہے کہ محمد بن جریر طبری نے کہا ہے کہ تمام تابعین کا حدیث مرسل کے قبول پر اجماع ہے اور ان کے بعد دو سو سال تک ائمہ میں سے کسی نے حدیث مرسل کا انکار نہیں کیا۔

۱۴۱ بخاری ص ۳۷

۱۴۲ مشکوٰۃ ص ۵۱

۱۴۳ بخاری شریف جلد اول ص ۴۷

۱۴۴ ارواح ثلثہ ص ۹۴

۱۴۵ بخاری شریف ج ص ۲۸۸

۱۴۶ ترمذی ص ۱۲، ابن ماجہ ۳۸

۱۴۷ نورالانوار ص ۱۷۸

۱۴۸ ترمذی شریف ج۱ ص ۱۳۶

۱۴۹ ترمذی جلد ۱ ص ۱۴۱

۱۵۰۔ موطا امام محمد ص ۹۸

۱۵۱۔ فتح القدیر ص ۱۳۶

۱۵۲۔ فتح المغیث

۱۵۳۔ فتح المغیث

۱۵۴۔ بخاری شریف ج ۱ ص ۲۱

۱۵۵۔ بخاری جلد اول ص ۵۱۶

۱۵۶۔ الخیرات الحسان ص ۶۶

۱۵۷۔ ترجمہ ابن ابی لیلیٰ ج ۱ ص ۴۹۲

۱۵۸۔ کتاب المیزان ج ۱ ص ۶۲

۱۵۹۔ تبییض الصحیفہ ص ۲۰

۱۶۰۔ الخیرات الحسان ص ۶۹

ثلاثیات بخاری کیا ہے؟

صحیح بخاری کی وہ روایات جن کو امام بخاری رضی اللہ عنہ نے تین واسطوں سے پایا اور اپنی کتاب صحیح بخاری میں نقل فرمایا ثلاثیات بخاری کہلائیں۔

ثلاثیات کو علو سند کے لحاظ سے بہت مرتبہ و مقام حاصل ہے کتب صحاح ستہ میں صرف چار کو ثلاثیات روایت رکھنے کا شرف حاصل ہے۔ امام ترمذی اور امام ابوداوٗد نے صرف ایک ایک حدیث کو روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے پانچ ثلاثیات کو روایت کیا ہے۔

علو سند کیا ہے؟

بالفرض ایک حدیث دو سندوں سے روایت کی گئی ہو ایک سند کی (Chain) زنجیر میں 3 تین راوی ہوں اور دوسری سند (Chain) زنجیر میں 4 راوی ہوں تو تین راوی والی حدیث سند کے اعتبار سے اعلیٰ کہلائے گی۔

امام بخاری اپنی ۲۲ ثلاثیات پر ناز فرمایا کرتے تو اسی اعلی سندوں کے اعتبار سے لیکن یہاں یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ امام اعظم پیدائش امام بخاری کی پیدائش سے 110 سال سے بھی زیادہ پہلے کی ہے یقیناً امام اعظم کی ملاقات صحابہ اکرام علیہم رضوان سے بھی ہوئی اور اکابر تابعین سے بھی تو امام اعظم کو جو احادیث مبارکہ ملیں وہ صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ دو واسطوں سے اس لحاظ سے امام اعظم کو ملنے والی مرویات کی سند بہت ہی اعلیٰ اور بالا ہے۔

امام اعظم اور دیگر محدثین کی سند ولادت ملاحظہ فرمائیں اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ علو سند میں امام اعظم کا کیا مقام ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ	۷۰ھ ہجری بروایت دیگر ۸۰ھ ہجری
امام مالک رضی اللہ عنہ	۹۳ھ ہجری
امام شافعی رضی اللہ عنہ	۱۵۰ھ ہجری

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ۱۶۴ھجری

امام بخاری رضی اللہ عنہ ۱۹۴ھجری

امام مسلم رضی اللہ عنہ ۲۵۲ بروایات دیگر ۲۵۴، ۲۵۶

امام ترمذی رضی اللہ عنہ ۳۰۹ھجری

امام ابوداؤد رضی اللہ عنہ ۲۵۲ھجری

امام نسائی رضی اللہ عنہ ۲۱۵ھجری

امام ابن ماجہ رضی اللہ عنہ ۲۵۹ھجری

یقیناً کوئی شخص صحابی کا مقام نہیں پاسکتا اسی طرح تابعی ہونا وہ بڑی سعادت ہے جو اصحاب صحاح ستہ کو حاصل نہیں اس لحاظ سے وہ اپنے اعلیٰ مقام کے باوجود امام اعظم کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے۔ امام اعظم تابعی ہونے کے ساتھ ساتھ فن حدیث پر بھی گہری نظر رکھتے تھے جیسا کہ تذکرۃ المحدثین میں حضرت علامہ غلام رسول سعدی صاحب لکھتے ہیں۔

فن حدیث میں امام اعظم کی بصیرت پر اجمالی نظر

امام اعظم نے اگرچہ بنیادی طور پر علم فقہ کی خدمت کی ہے اور اپنی عمر کا تمام حصہ اسی میں صرف کیا ہے تاہم علمِ حدیث میں بھی ان کا نہایت اونچا مقام ہے۔ انہوں نے افاضل صحابہ اور اکابر تابعین سے احادیث کا سماع کیا۔ پھر ان روایات کو کامل حزم و احتیاط کے ساتھ اپنے تلامذہ تک پہنچایا۔ امام اعظم چونکہ علمِ حدیث میں مجتہدانہ بصیرت کی حامل تھے اس لیے محض نقل روایت پر ہی اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ "قرآنِ کریم" کی نصوص صریحہ اور احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں روایات کی جانچ پڑتال کرتے تھے، راویوں کے احوال اور ان کی صفات پر بھی زبردست تنقیدی نظر رکھتے تھے اور کسی حدیث پر اعتماد کرنے سے پہلے اس کی سند اور متن کو پوری طرح پرکھ لیتے تھے۔

جو لوگ سوچے سمجھے بغیر یہ کہہ دیتے ہیں کہ امام اعظم کو علمِ حدیث میں دسترس نہیں تھی وہ اس امر پر غور نہیں کرتے کہ امام اعظم نے عبادات و معاملات، معاشیات و عمرانیات اور قضایا و

عقوبات کے اَن گنت احکام بیان کیے ہیں، حیاتِ انسانی کا کوئی گوشہ امام اعظم کے بیان کردہ احکام سے خالی نہیں ہے۔ لیکن آج تک کوئی یہ ثابت نہیں کرسکا کہ امام اعظم کا بیان کردہ فلاں حکم حدیث کے خلاف تھا۔ امام اعظم کی مہارتِ حدیث پر اس سے بڑھ کر اور کیا سند ہوسکتی ہے کہ ان کا بیان کردہ ہر مسئلہ حدیثِ نبوی کے موافق اور ہر حکم سنتِ رسول کے مطابق ہے؟

بسا اوقات ایک ہی مسئلہ میں متعدد اور متعارض روایات ہوتی ہے مثلاً نماز پڑھتے پڑھتے کوئی شخص رکعات کی تعداد بھول جائے تو بعض روایات میں یہ ہے کہ وہ ازسرِ نو نماز پڑھے، بعض روایات میں ہے کہ وہ رکعات کو کم سے کم تعداد پر محمول کرے اور بعض میں ہے کہ وہ غور وفکر کر کے راجح جانب پر عمل کرے۔ اسی طرح سفر میں روزہ کے بارے میں بھی مختلف احادیث ہیں۔ بعض میں اثناء سفر میں روزہ کو نیکی کے منافی قرار دیا ہے اور بعض میں عین ثواب، ایسی صورت میں امام اعظم منشاء رسالت تلاش کر کے ان روایات میں باہم تطبیق دیتے ہیں اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو سند کی قوت وضعف اور دوسرے اصول و درایت کے اعتبار سے فیصلہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ کام وہی شخص کرسکتا ہے جو منشاءِ وحی اور مزاجِ رسالت کو پہنچانتا ہو، روایات کے تمام طرق پر حاوی، درایت کے کل اصولوں پر محیط اور راویوں کے احوال پر ناقدانہ نظر رکھتا ہو۔

تابعیّت کا ثبوت

حدیث پاک کے ایک راوی ہونے کی حیثیت سے رجالِ حدیث میں امام اعظم کا مقام معلوم کرنا نہایت ضروری ہے۔ امام اعظم کے معاصرین میں سے امام مالک، امام اوزاعی اور سفیان ثوری نے خدمت حدیث میں بڑا نام کمایا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی تابعیت کا وہ عظیم شرف حاصل نہیں ہے جو امام اعظم کی خصوصیت ہے۔

تابعی: اس شخص کو کہتے ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی صحابی کو دیکھا ہو اور اس بات پر سب نے اتفاق کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا اور ان سے ملاقات بھی کی تھی کیونکہ امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ

اس کے بارہ سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے۔ نیز علامہ ابن حجر ہیتمی (الخیرات الحسان ص ۵۳) نے ثابت کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کو بھی دیکھا ہے اور یہ بات بالکل صحیح ہے، کیونکہ علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن اوفی کا انتقال امام اعظم کی ولادت کے سات سال بعد ۸۷ھ میں ہوا ہے (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۵۲) اور ابن سعد نے ''طبقات'' میں لکھا ہے کہ ان دو صحابہ کے علاوہ اور بھی کئی صحابہ کا انتقال امام اعظم کی ولادت کے بعد ہوا ہے اور امام اعظم کی ان سے ملاقات کئی طرق سے ثابت ہے۔

امام اعظم کی صحابہ سے روایت

حضرت انس کے سنِ وصال میں اختلاف ہے۔ علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے وہب بن جریر سے نقل کیا ہے کہ حضرت اَنس (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۷۸) رضی اللہ عنہ کا وصال ۹۵ھ میں ہوا ہے اور مشہور ۹۳ھ ہے اور حضرت اَنس کی زندگی میں امام اعظم بارہا بصرہ گئے تھے۔ اس لیے اس بات کو کوئی نہیں مان سکتا کہ امام اعظم نے پندرہ سال کی عمر تک حضرت اَنس سے ملاقات نہ کی ہو اور ان سے روایت کا شرف حاصل نہ کیا ہو، محققین علماء کرام اور محدثین عظام نے امام اعظم کی مرویات صحابہ کو پوری اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اور دلائل سے انہیں تقویت دی ہے۔

امام ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری شافعی نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے مرویات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے اور اس میں روایات کو مع اسناد کے ذکر کیا ہے اور ان کی تحسین وتقویت کی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی نے ان روایات کو اپنے رسالہ ''تبییض الصحیفہ'' میں نقل کیا ہے، ہم اسی رسالہ سے چند احادیث کا انتخاب پیش کررہے ہیں:

(۱) عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس بن مالك یقول سمعت رسول اللهﷺ یقول طلب العلم فریضة علی کل مسلم

امام ابویوسف، امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت اَنس سے اور انہوں نے حضورﷺ سے سنا کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(۲) عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس بن مالك یقول سمعت رسول اللهﷺ یقول الدال علی الخیر کفاعله۔

امام ابویوسف، امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت اَنس سے اور انہوں نے حضورﷺ سے سنا کہ خیر کا راہنما اس کے فاعل کے مثل ہے۔

(۳) عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس بن مالك یقول سمعت رسول اللهﷺ ان الله یحب اغاثة اللهفان۔

امام ابویوسف، امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت اَنس سے سنا کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پریشان حال کی مدد کو پسند کرتا ہے۔

(۴) عن یحیٰ بن قاسم عن ابی حنیفة سمعت عبدالله بن ابی اوفی یقول سمعت رسول اللهﷺ من بنیٰ لله مسجد اولو کمفحص قطاة بنیٰ الله له بیتا فی الجنة۔

یحییٰ بن قاسم امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے سنا کہ حضورﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ کی خاطر سنگ خوار کے گڑھے جتنی بھی مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کا جنت میں گھر بنائے گا۔

''بعض لوگوں نے رؤیت سے بڑھ کر روایت کا بھی دعویٰ کیا ہے اور تعجب ہے کہ علامہ عینی شارحِ ''ہدایہ'' بھی اس غلطی کے حامی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ دعویٰ ہرگز پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ حافظ ابوالمحاسن نے ''عقود الجمان'' میں ان تمام حدیثوں کو مع اسناد کے نقل کیا ہے

جن کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ امام نے صحابہ سے سنی تھیں۔ پھر اصولِ حدیث سے ان کی جانچ پڑتال کی ہے اور ثابت کردیا ہے کہ ہرگز ثابت نہیں۔ محدثانہ بحثیں تو وقت طلب ہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ امام نے صحابہ سے ایک بھی روایت کی ہوتی تو سب سے پہلے امام کے تلامذہ خاص اس کو شہرت دیتے۔ لیکن قاضی ابویوسف، امام محمد، حافظ عبدالرزاق بن ہمام، عبداللہ بن مبارک، ابونعیم، فضل بن وکیع، مکی بن ابراہیم، ابو عاصم النبیل وغیرہ سے کہ امام کے مشہور اور بااخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھیے تو زیادہ تر انہی لوگوں نے ان کی نام آوری کے سکے بٹھائے ہیں، ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں۔" (سیرۃ النعمان، ص ۳۴)

مقام صد حیرت ہے کہ شبلی جیسے تاریخ دان پر بھی یہ امر مخفی رہا کہ صحابہ سے امام اعظم کی روایت کو نقل اور ثابت کرنے والے اولین حضرات ان کے ارشد تلامذہ ہی تھے ہم نے جو چار منتخب روایتیں پیش کی ہیں ان میں سے تین قاضی ابویوسف سے مروی ہیں اور وہ امام اعظم کے مشہور اور قابلِ صد فخر شاگرد ہیں اور شبلی صاحب کی دی ہوئی تلامذہ کی فہرست میں بھی موجود ہیں۔ ان کے باوجود ان کا یہ قول ناقابلِ فہم ہے کہ تلامذہ سے ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں ہے۔

نیز متعدد محققین علماءِ کرام نے تصریح کی ہے کہ اوائل میں صحابہ سے روایت امام کو ثابت کرنے والوں میں ان کے تلامذہ بھی تھے۔ چنانچہ ملا علی قاری امام کردری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال الكردری جماعة من المحدثين انكروا ملاقاته مع الصحابة واصحابه اثبتواه بالا سانيد الصحاح الحسان وهم اعرف باحواله منهم والمثبت العدل اولى من النافي۔ (شرح مسند الامام للقاری، ص ۲۸۵)	امام کردری فرماتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے ملاقات کا انکار کیا ہے اور ان کے شاگردوں نے اس بات کو صحیح اور حسن سندوں کے ساتھ ثابت کیا ہے اور ثبوت روایت نفی سے بہتر ہے۔

اور مشہور محدث شیخ محمد طاہری ہندی کرمانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

واصحابه يقولون انه لقى جماعة منِ الصحابة وروىٰ عنهم۔ (المغنی ص ۸۰)

امام اعظم کے شاگرد کہتے ہیں کہ امام نے صحابہ کی ایک جماعت سے ملاقات کی ہے، ان سے سماعِ حدیث بھی کیا ہے۔

اور حافظ بدر الدین عینی عبداللہ بن ابی ادفیٰ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

هو احد من راه ابو حنيفة من الصحابة وروىٰ عنه ولا يلتفت الىٰ قول المنكر المتعصب وكان عمر ابى حنيفة حينئذٍ سبع سنين وهو سن التمييز هذا على الصحيح ان مولد ابى حنيفة سنة ثمانين وعلى قول من كان سنة سبعين يكون عمره هينئذ سبعة عشره سنة ويستبعد جدا ان يكون صحابى مقيما ببلدة وفى اهلها من لا راه واصحابه اخبر بحاله وهم ثقات فى انفسهم۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۷۹۸)

عبداللہ بن اوفی ان صحابہ سے ہیں جن کی امام ابوحنیفہ نے زیارت کی اور ان سے روایت کی ہے (قطع نظر کرتے ہوئے منکر تعصب کے قول سے) امام اعظم کی عمر اس وقت سات سال کی تھی۔ کیونکہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی اور بعض اقوال کی بناء پر اس وقت آپ کی عمر سترہ سال کی تھی۔ بہرحال سات سال عمر بھی فہم وشعور کا سن ہے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک صحابی کسی شہر میں رہتے ہوں اور شہر کے رہنے والوں میں ایسا شخص ہو جس نے اس صحابی کو نہ دیکھا ہو (اس بحث میں امام اعظم کے تلامذہ کی بات ہی معتبر ہے) کیونکہ وہ ان کے احوال سے زیادہ واقف ہیں اور ثقہ بھی ہیں۔

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ ظاہر ہوگیا کہ امام اعظم کی صحابہ سے روایت کونقل کرنے والے اور ابتداء میں اس کو شہرت دینے والے ان کے لائق تلامذہ ہی تھے۔ شبلی صاحب نے کہا ہے کہ

ان کے شاگردوں نے اس بات کو نہیں بیان کیا۔ لیکن چونکہ انہوں نے اس پر کوئی دلیل یا حوالہ پیش نہیں کیا اس لیے اس موضوع پر مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

صحابہ سے سماع پر بحث بہ لحاظ درایت

شبلی نعمانی کے انکار کی دوسری بنیاد اس امر پر ہے کہ حافظ ابوالمحاسن نے ان روایات کی اسناد پر جرح کی ہے لیکن بے شمار محدثین نے ان اسناد کی تعدیل بھی کی ہے۔ امام ابومعشر طبری اور حافظ سیوطی کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ محدث دارقطنی کے استاذ حافظ ابومحامد حضرمی، حافظ ابوالحسین نہفقی اور حافظ ابوبکر سرخسی، یہ سب حفاظِ حدیث اور جلیل القدر ائمہ فن ہیں، جنہوں نے امام اعظم کی صحابہ سے مرویات پر باقاعدہ رسائل لکھے ہیں اور ان روایات کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔

والثنائیات فی الموطا للامام مالك والواحد فی حدیث الامام ابی حنیفة (فتح المغیث، ص ۲۴۱) | امام مالک کی احادیث میں ثنائیات ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ کی روایات میں وحدان ہیں۔

ثنائیات ان احادیث کو کہتے ہیں جن میں حضور ﷺ اور راوی کے درمیان صرف دو واسطے ہوں اور وحدان ان احادیث کو کہتے ہیں جن میں حضور ﷺ اور راوی کے درمیان صرف ایک واسطہ ہو۔ محدث سخاوی کا مطلب یہ ہے امام اعظم کی ایسی روایات بھی ہیں جن میں ان کے اور حضور کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے اور یہ واسطہ صحابہ کرام کا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ محدث سخاوی کے نزدیک امام اعظم کی صحابہ سے روایت ثابت ہے۔

اور صاحب ''بزازیہ'' ابن بزاز کردری لکھتے ہیں:

لا ینکر سماع الامام من ابی اوفی (مناقب ابی حنیفہ للکردری، ج ۱ ص ۱۱) | حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے امام اعظم کے سماع کا انکار نہیں ہوسکتا۔

حافظ بدر الدین عینی، امام کردری، ابومعشر شافعی، حافظ سیوطی، ابوبکر حضرمی، سرخسی، سخاوی اور ابن حجر ہیتمی مکی جیسے حفاظ اور ائمہ حدیث اور فن کے ماہرین کے اثبات کے بعد شبلی

صاحب کے انکار کا کوئی وزن نہیں رہتا۔ نیز اس سلسلہ میں بحث کرتے وقت یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ امام اعظم کے بارے میں شوافع نے بھی کتابیں تصنیف کی ہیں اور ان میں اگرچہ کچھ مسلکا انصاف پسند تھے لیکن بعض متعصب بھی تھے۔ نیز امام اعظم کی صحابہ سے روایات جن اسناد سے ثابت ہیں ان میں بعض راویوں پر اگرچہ جرح کی گئی ہے۔ تاہم ان میں کوئی راوی ایسا نہیں ہے جس کو باطل یا وضاع قرار دیا گیا ہو۔ چنانچہ علامہ سیوطی اس باب میں حافظ ابنِ حجر عسقلانی کی رائے پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وحاصل ماذکر ھو وغیرہ الحکم علی اسانید ذلك بالضعف وعدم الصحة لا بالبطلان و حینئذ فسھل الامر فی ایرادھا لان الضعیف یجوز روایته ویطلق علیه انه وارد۔ (تبییض الصحیفہ ص ٦)

حافظ عسقلانی اور دوسرے ناقدین نے ان اسانید پر ضعف کا حکم کیا ہے بطلان یا وضع کا نہیں اور اب بات آسان ہے۔ کیونکہ حدیث ضعیف کی روایت جائز ہے اور اس پر روایت کا اطلاق کرنا صحیح ہے۔

اور قوت وضعف ایک اضافی وصف ہے جو شخص بعض کے نزدیک ضعیف ہے دوسرے اس کو قوی خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ رجال سے بحث کرنے والے حضرات بھی مختلف آراء رکھتے ہیں مشکل سے ہی ایسا ہوگا کہ کسی راوی کی جرح یا تعدیل پر سب کا اتفاق ہو۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ چھ سو پچیس راوی ایسے ہیں جو امام مسلم کے نزدیک لائق استدلال ہیں اور امام بخاری ان سے روایت نہیں لیتے۔ جابر جعفی کوفہ کا ایک مشہور راوی تھا، جسے دعویٰ تھا کہ اسے پچاس ہزار حدیثیں یاد ہیں، اس کے بارے میں سفیان ثوری کہتے ہیں کہ میں نے جابر سے زیادہ کسی کو حدیث میں محتاط نہیں دیکھا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ جب جابر ''اخبرنا وحدثنا'' کہے تو وہ سب سے زیادہ معتمد ہے۔ وکیع کا قول ہے کہ جابر کی ثقاہت میں شک نہیں، اس کے برخلاف ابنِ معین کہتے ہیں کہ جابر کذاب ہے۔ نسائی نے کہا: وہ متروک ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ جابر کی باتیں سن کر مجھے خوف ہوتا ہے کہ کہیں چھت نہ گر جائے۔

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۷ تا ۴۹)

الغرض جرح و تعدیل ایک ظنی چیز ہے۔ اور محض بعض لوگوں کی تضعیف کی بناء پر امام اعظم کی صحابہ کرام سے روایات کو ساقط الاعتبار قرار دینا زیادتی ہے خصوصاً جب کہ ان سندوں کا کوئی راوی عسقلانی اور سیوطی کی تصریح کے مطابق باطل اور وضاع نہیں ہے۔

صحابہ سے روایات پر قرائن

شبلی نعمانی نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے روایت کے انکار پر کچھ عقلی وجوہات بھی پیش کی ہیں، لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک اس کی ایک اور وجہ ہے، محدثین میں باہم اختلاف ہے کہ حدیث سیکھنے کے لیے کم از کم کتنی عمر مشروط ہے؟ اس امر میں اربابِ کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درس گاہ میں شامل نہیں ہوسکتا تھا۔ ان کے نزدیک چونکہ حدیثیں بالمعنی روایت کی گئی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو ورنہ مطالب کو سمجھنے اور اس کے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہے، غالباً یہی قید تھی جس نے امام ابوحنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا۔"

اس سلسلہ میں اولاً تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اہلِ کوفہ کا یہ قاعدہ کہ سماعِ حدیث کے لیے کم از کم بیس سال عمر درکار ہے، کون سی یقینی روایت سے ثابت ہے؟ امام صاحب کی مرویاتِ صہابہ کے لیے جب یقینی اور صحیح روایت کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اہلِ کوفہ کے اس قاعدہ کو بغیر کسی یقینی اور صحیح روایت کے کیسے مان لیا گیا؟

ثانیاً: یہ قاعدہ خود خلاف حدیث ہے کیونکہ "صحیح بخاری" میں امام بخاری نے "متیٰ یصح سماع الصغیر" کا باب قائم کیا ہے اور اس کے تحت ذکر فرمایا ہے کہ محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے پانچ سال کی عمر میں سنی ہوئی حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی عمر حضور ﷺ کے وصال کے وقت چھ اور سات سال تھی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر حضور ﷺ کے وصال کے وقت تیرہ سال تھی

اور یہ حضرات آپ کے وصال سے کئی سال پہلے کی سنی ہوئی احادیث کی روایت کرتے تھے۔ پس روایتِ حدیث کے لیے بیس سال عمر کی قید لگانا طریقہ صحابہ کے مخالف ہے اور کوفہ کے اربابِ علم وفضل اور دیانت دار حضرات کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے اتنی جلدی صحابہ کی روش کو چھوڑ دیا ہوگا۔

ثالثاً: برتقدیر تسلیم گزارش یہ ہے کہ اہلِ کوفہ نے یہ قاعدہ کب وضع کیا؟ اس بات کی کہیں وضاحت نہیں ملتی۔ اغلب اور قرین قیاس یہی ہے کہ جب علمِ حدیث کی تحصیل کا چرچا عام ہوگیا اور کثرت سے درس گاہیں قائم ہوگئیں اور وسیع پیمانے پر آثار وسنن کی اشاعت ہونے لگی، اس وقت اہلِ کوفہ نے اس قید کی ضرورت کو محسوس کیا ہوگا تاکہ ہر کہ ومہ حدیث کی روایت کرنا شروع نہ کردے۔ یہ کسی طرح بھی باور نہیں کیا جاسکتا کہ عہد صحابہ میں ہی کوفہ کے اندر باقاعدہ درس گاہیں بن گئیں اور ان میں داخلہ کے لیے قوانین اور عمر کا تعین بھی ہوگیا تھا۔

رابعاً: اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ۸۰ھ ہی میں کوفہ کے اندر باقاعدہ درسگاہیں قائم ہوگئیں تھیں اور ان کے ضوابط اور قوانین بھی وضع کیے جاچکے تھے تو ان درس گاہوں کے اساتذہ سے سماعِ حدیث کے لیے تو بیس برس کی قید فرض کی جاسکتی ہے مگر یہ حضرت اَنس اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ وغیرہ ان درس گاہوں میں اساتذہ تو مقرر تھے نہیں کہ اس سے سماع حدیث بھی بیس سال کی عمر میں کیا جاتا۔

خامساً: بیس برس کی قید اگر ہوتی بھی تو کوفہ کی درس گاہوں کے لیے لیکن اگر کوفہ کا کوئی رہنے والا بصرہ جاکر سماع حدیث کرے تو یہ قید اس پر کیسے اثر انداز ہوگی؟ حضرت اَنس بصرہ میں رہتے تھے اور امام اعظم ان کی زندگی میں بارہا بصرہ گئے اور ان کی آپس میں ملاقات بھی ثابت ہے تو کیوں نہ امام صاحب نے ان سے روایتِ حدیث کی ہوگی؟

سادساً: اگر بیس سال عمر کی قید کو بالعموم بھی فرض کرلیا جائے تو بھی یہ کسی طور قرین قیاس نہیں ہے کہ حضرات صحابہ کرام جن کا وجودِ مسعود نوادرِ روزگار اور مغتنماتِ عصر میں سے تھا ان سے ازراہِ تبرک وتشرف احادیث کے سماع کے لیے بھی کوئی شخص اس انتظار میں بیٹھا رہے گا کہ

میری عمر بیس سال کو پہنچ لے تو میں ان سے جا کر ملاقات اور استماع حدیث کروں؟ حضرت انس (تہذیب التہذیب ج ا ص ۳۷۸) کے وصال کے وقت امام اعظم کی عمر پندرہ برس تھی اور امام کردری فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زندگی میں امام اعظم بیس سے زائد مرتبہ بصرہ تشریف لے گئے۔ (مناقب ابی حنیفہ ج ا ص ۶) پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ امام پندرہ برس تک کی عمر میں بصرہ جاتے رہے ہوں اور حضرت انس سے مل کر اور ان سے سماعِ حدیث کر کے نہ آئے ہوں؟ راوی اور مروی عنہ میں معاصرت بھی ثابت ہوجائے تو امام مسلم کے نزدیک روایت مقبول ہوتی ہے۔ یہاں معاصرت کی بجائے ملاقات کے بیس سے زیادہ قرائن موجود ہیں پھر بھی قبول کرنے میں تامل کیا جارہا ہے؟

الحمدللہ العزیز! کہ ہم نے اصولِ روایت و درایت اور قرائنِ عقلیہ کی روشنی میں اس امر کو آفتاب سے زیادہ روشن کردیا ہے کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام سے روایتِ حدیث کا شرف حاصل تھا اور اس سلسلے میں جتنے اعتراضات کیے جاتے ہیں ان پر سیر حاصل گفتگو کرلی ہے۔ اس کے باوجود بھی ہم نے جو کچھ لکھا وہ ہماری تحقیق ہے ہم اسے منوانے کے لیے ہرگز اصرار نہیں کرتے۔

تنبیہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تبرکاً چند احادیث کی روایت کے علاوہ امام اعظم نے اپنے زمانے کے مشاہیر اساتذہ اور افاضل شیوخ سے احادیث کا سماع کیا۔ اور ان سے بہ کثرت احادیث روایت کی ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے امام اعظم کے شیوخ میں عطاء بن ابی رباح، علقمہ بن مرثد، حماد بن ابی سلیمان، حکم بن عتیبہ، سعید بن مسروق، عدی بن ثابت انصاری، ابوسفیان بصری، یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ اور دیگر مشاہیر محدثین کا ذکر کیا ہے۔

بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے امام مالک سے بھی سماعِ حدیث کیا ہے اور ان کی شاگردی اختیار کی ہے۔ تعجب ہے کہ شبلی نعمانی بھی اس غلطی کا شکار

ہوگئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"امام صاحب کو طلبِ علم میں کسی سے عار نہ تھی۔ امام مالک ان سے عمر میں تیرہ برس کم تھے ان کے درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں۔" (سیرۃ النعمان ص ۵۶)

پھر حافظ ذہبی سے نقل کر کے لکھتے ہیں:

"امام مالک کے سامنے ابوحنیفہ اس طرح مؤدب ہوکر بیٹھتے تھے جس طرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ امام مالک خود امام اعظم کے شاگرد تھے اور ان کی تصانیف سے علمی استفادہ کرتے تھے۔

خطیب بغدادی اور دارقطنی نے صرف دو روایتیں ایسی پیش کی ہیں جن کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ امام اعظم نے امام مالک سے روایت کی ہیں۔ لیکن خاتم ا ظ، حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ روایتیں صحیح سند سے مروی نہیں ہیں اور امام اعظم کی امام مالک سے روایت قطعاً ثابت نہیں ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

لم یثبت روایة ابی حنیفة عن مالك و انما اوردها الدار قطنی ثم الخطیب روایتین وقعتا لهما باسنادین فیهما مقال۔ (النکت علی ابن الصلاح)

امام ابوحنیفہ کی امام مالک سے روایت ثابت نہیں ہے دارقطنی اور خطیب نے اس بات کا دعویٰ دو روایتوں کی وجہ سے کیا ہے جن کی اسناد میں خلل ہے۔

اور اس خلل کا بیان ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں کیا ہے کہ ان سندوں میں عمران بن عبدالرحیم نامی ایک شخص ہے اور یہ وضاع تھا چنانچہ لکھتے ہیں:

هو الذی وضع حدیث ابی حنیفة عن مالك (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۷۸)

یہی وہ شخص ہے جس نے امام ابوحنیفہ کی امام مالک سے روایت وضع کی ہے۔

دراصل حماد بن ابی حنیفہ جو امام اعظم کے صاحبزادے تھے انہوں نے امام مالک سے روایت حدیث کی ہے۔ بعض سندوں سے حماد کا لفظ رہ گیا ہوگا جس سے یہ غلط فہمی ہوئی اور اچھے

اچھے لوگ اس میں مبتلا ہو گئے۔

مرویاتِ امام اعظم کی تعداد

چونکہ بعض اہلِ ہواء یہ کہتے ہیں کہ امام اعظم کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔ اس لیے ہم ذرا تفصیل سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امامِ اعظم کے پاس احادیث کا وافر ذخیرہ تھا۔ حضرت ملا علی قاری امام محمد بن سماعہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ان الامام ذکر فی تصانیفه بضع و سبعین حدیث وانتخب الآثار من اربعین الف حدیث (مناقب علی القاری، بذیل الجواہر ج ۲ ص ۴۷۴)

امام ابوحنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے ''کتاب الآثار'' کا انتخاب کیا ہے۔

اور صدر الائمہ امام موفق بن احمد تحریر فرماتے ہیں:

وانتخب ابو حنیفة الاثار من اربعین الف حدیث (مناقب موفق ج ۱ ص ۹۵)

امام ابوحنیفہ نے ''کتاب الآثار'' کا انتخاب چالیس ہزار حدیثوں سے کیا ہے۔

ان حوالوں سے امام اعظم کا جو علم حدیث میں تبحر ظاہر ہو رہا ہے وہ محتاجِ بیاں نہیں ہے۔

روایتِ حدیث میں امام اعظم کا مقام

ممکن ہے کوئی شخص کہہ دے کہ ستر ہزار احادیث کو بیان کرنا اور ''کتاب الآثار'' کا چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کرنا چنداں کمال کی بات نہیں ہے امام بخاری کو ایک لاکھ احادیثِ صحیحہ اور دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ یاد تھیں اور انہوں نے ''صحیح بخاری'' کا انتخاب چھ لاکھ حدیثوں سے کیا تھا۔ پس فنِ حدیث میں امامِ بخاری کے مقابلہ میں امام اعظم کا مقام بہت کم معلوم ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ احادیث کی کثرت اور قلت درحقیقت طرق اور اسانید کی قلت اور کثرت سے عبارت ہے۔ ایک ہی متنِ حدیث اگر سو مختلف طرق

اور سندوں سے روایت کیا جائے تو محدثین کی اصطلاح میں ان کو سو احادیث قرار دیا جائے گا۔ حالانکہ ان تمام حدیثوں کا متن واحد ہوگا۔ منکرینِ حدیث انکارِ حدیث کے سلسلے میں یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ تمام کتبِ حدیث کی روایات کو اگر جمع کیا جائے تو یہ تعداد کروڑوں کے لگ بھگ ہوگی اور حضور ﷺ کی پوری رسالت کی زندگی کے شب و روز پر ان کو تقسیم کیا جائے تو یہ احادیث حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ سے بڑھ جائیں گی۔ پس اس صورت میں احادیث کی صحت کیونکہ قابلِ تسلیم ہوگی؟ لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ روایات کی یہ کثرت دراصل اسانید کی کثرت ہے ورنہ نفس احادیث کی تعداد چار ہزار چار سو سے زیادہ نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ امیر یمانی لکھتے ہیں:

ان جملة الاحادیث المسندة عن النبی ﷺ یعنی الصحیحة بلا تکرار اربعة الاف و اربع مائة۔ (توضیع الافکار ص ٦٣)

بلاشبہ وہ تمام مسند احادیثِ صحیحہ جو بلا تکرار حضور ﷺ سے مروی ہیں ان کی تعداد چار ہزار چار سو ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت ۸۰ھ ہے اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ان کے درمیان ایک سو چودہ سال کا طویل عرصہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں بہ کثرت احادیث شائع ہوچکی تھیں اور ایک ایک حدیث کو سینکڑوں بلکہ ہزاروں اشخاص نے روایت کرنا شروع کردیا تھا۔ امام اعظم کے زمانہ میں راویوں کا اتنا شیوع اور عموم تھا نہیں، اس لیے امام اعظم اور امام بخاری کے درمیان جو روایات کی تعداد کا فرق ہے۔ وہ دراصل اسانید کی تعداد کا فرق ہے، نفس روایات کا نہیں ہے ورنہ اگر نفسِ احادیث کا لحاظ کیا جائے تو امامِ اعظم کی مرویات امام بخاری سے کہیں زیادہ ہیں۔

اس زمانہ میں احادیثِ نبویہ جس قدر اسانید کے ساتھ مل سکتی تھیں امام اعظم نے ان تمام طرق و اسانید کے ساتھ ان احادیث کو حاصل کرلیا تھا اور حدیث واثر کسی صحیح سند کے ساتھ موجود نہ تھے مگر امام اعظم کا علم انہیں شامل تھا۔ وہ اپنے زمانہ کے تمام محدثین پر ادراکِ حدیث

میں فائق اور غالب تھے۔ چنانچہ امام اعظم کے معاصر اور مشہور محدث امام مسعر بن کدام فرماتے ہیں:

طلبت مع ابی حنیفة الحدیث فغلبنا واخذنا فی الزھد فبرع علینا و طلبنا معه الفقه فجاء منه ما ترون۔ (مناقب ابی حنیفہ للذہبی ص ۲۷)	میں نے امام ابوحنیفہ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی۔ لیکن وہ ہم سب پر غالب رہے اور زہد میں مشغول ہوئے تو وہ اس میں سب سے بڑھ کر تھے اور فقہ میں ان کا مقام تو تم جانتے ہی ہو۔

نیز محدث بشر بن موسیٰ اپنے استاد امام عبدالرحمٰن مقری سے روایت کرتے ہیں:

وکان اذا حدث عن ابی حنیفة قال حدثنا شاھنشاہ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۵)	امام مقری جب امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے تو کہتے کہ ہم سے شہنشاہ نے حدیث بیان کی۔

ان حوالوں سے ظاہر ہو گیا کہ امام اعظم اپنے معاصرین محدثین کے درمیان فن حدیث میں تمام پر فائق اور غالب تھے۔ حضور ﷺ کی کوئی حدیث ان کی نگاہ سے اوجھل نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کے تلامذہ انہیں حدیث میں حاکم اور شہنشاہ تسلیم کرتے تھے۔ اصطلاحِ حدیث میں حاکم اس شخص کو کہتے ہیں جو حضور ﷺ کی تمام مرویات پر متناً و سنداً دسترس رکھتا ہو۔ مراتب محدثین میں یہ سب سے اونچا مرتبہ ہے اور امامِ اعظم اس منصب پر یقیناً فائز تھے۔ کیونکہ جو شخص حضور ﷺ کی ایک حدیث سے بھی ناواقف ہو وہ حیاتِ انسانی کے تمام شعبوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی ہدایات کے مطابق جامع دستور نہیں بنا سکتا۔

امام اعظم کے محدثانہ مقام پر ایک شبہ کا ازالہ

گزشتہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ سے بلاتکرار احادیث مرویہ کی تعداد چار ہزار چار سو ہے اور امام حسن بن زیاد (مناقب موفق ج ۱ ص ۹۶) کے بیان کے مطابق امام اعظم نے جو احادیث بلاتکرار بیان فرمائی ہیں ان کی تعداد چار ہزار ہے۔ پس امامِ اعظم کے

بارے میں حاکمیت اور حدیث میں ہمہ دانی کا دعویٰ کیسے صحیح ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چار ہزار احادیث کے بیان کرنے سے یہ الزم نہیں آتا کہ باقی چار سو حدیثوں کا امامِ اعظم کو علم بھی نہ ہو، جب کہ حسن بن زیاد کی حکایت میں بیان کی نفی ہے علم کی نہیں۔

خیال رہے کہ امامِ اعظم نے فقہی تصنیفات میں ان احادیث کا بیان کیا ہے جس سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں اور جن کے حضور ﷺ نے اُمت کے لیے عمل کا ایک راستہ متعین فرمایا ہے جنہیں عرفِ عام میں سنن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن حدیث کا مفہوم سنت سے عام ہے کیونکہ احادیث کے مفہوم میں روایات بھی شامل ہیں جن میں حضور ﷺ کے حلیہ مبارکہ آپ کی قلبی واردات، خصوصیات، گذشتہ اُمتوں کے قصص اور مستقبل کی پیش گوئیاں موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی احادیث سنت کے قبیل سے نہیں ہیں اور نہ ہی یہ احکام و مسائل کے لیے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

پس امامِ اعظم نے جن چار ہزار احادیث کو مسائل کے تحت بیان فرمایا ہے وہ از قبیلِ سنن ہیں اور جن چار سو احادیث کو امام اعظم نے بیان نہیں فرمایا وہ ان روایات پر محمول ہیں جو احکام سے متعلق نہیں ہیں، لیکن یہاں بیان کی نفی ہے علم کی نہیں۔

فنِ حدیث میں امامِ اعظم کا فیضان

امامِ اعظم علمِ حدیث میں جس عظیم مہارت کے حامل اور جلیل القدر مرتبہ پر فائز تھے اُس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تشنگان علمِ حدیث کا انبوہِ کثیر آپ کے حلقہ درس میں سماعِ حدیث کے لیے حاضر ہوتا۔ علامہ ابنِ حجر عسقلانی (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۴۹) نے ذکر کیا ہے کہ امامِ اعظم سے حدیث کا سماع کرنے والے مشہور حضرات میں حماد بن نعمان، ابراہیم بن طہمان، حمزہ بن حبیب، زفر بن ہذیل، قاضی ابو یوسف، عیسیٰ بن یونس، وکیع، یزید بن زریع، اسد بن عمرو، خارجہ بن مصعب، محمد بن بشیر، عبدالرزاق، محمد بن حسن شیبانی، مصعب بن مقدام، ابو عبدالرحمٰن مقری، ابونعیم، ابوعاصم اور دیگر یگانہ روزگار افراد شامل تھے۔

حافظ ابن عبدالبر امام وکیع کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

وکان یحفظ حدیثه کله وکان قد سمع من ابی حنیفة حدیثا کثیرا

وکیع بن جراح کو امام اعظم کی سب حدیثیں یاد تھیں اور انہوں نے امام اعظم سے احادیث کا بہت زیادہ سماع کیا تھا۔

امام مکی بن ابراہیم، امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ تھے۔ اور امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیم کی سند سے روایت کی ہیں۔ امام صدر الائمہ موفق بن احمد مکی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولزم ابا حنیفة رحمة الله وسمع منه الحدیث (مناقب موفق ج ا ص ۲۰۳)

انہوں نے اپنے اوپر سماعِ حدیث کے لیے ابوحنیفہ کے درس کو لازم کرلیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کو اپنی ''صحیح'' میں عالی سند کے ساتھ ثلاثیات درج کرنے کا جو شرف حاصل ہوا ہے وہ دراصل امامِ اعظم کے تلامذہ کا صدقہ ہے اور یہ صرف ایک مکی بن ابراہیم کی بات نہیں ہے۔ امام بخاری کی اسانید میں اکثر شیوخ حنفی ہیں۔ ان حوالوں سے یہ امر آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا کہ امامِ اعظم علمِ حدیث میں مرجع خلائق تھے، ائمہ فن نے آپ سے حدیث کا سماع کیا اور جن شیوخ کے وجود سے صحاح ستہ کی عمارت قائم ہے، ان میں سے اکثر حضرات آپ کے علمِ حدیث میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں۔

حدیث میں امامِ اعظم کی تصانیف

متقدمین میں تصنیف وتالیف کے لیے آج کل کا مروجہ طریقہ معمول نہیں تھا، بلکہ ان کی تصانیف املاء کی تصانیف کی صورت میں ہوتی تھیں، جن کو ان کے لائق اور قابل فخر تلامذہ شیوخ کی تعلیم وتدریس کے وقت تحریر میں لے آتے تھے اور پھر وہ تصانیف ان شیوخ کی طرف ہی منسوب کی جاتی تھیں۔ چنانچہ ''احکام الاحکام'' جو ابنِ دقیق العید کی تصنیف قرار دی جاتی ہے، اصل میں ان کی تصنیف نہیں ہے بلکہ انہوں نے اس کو اپنے تلمیذ رشید قاضی اسمٰعیل سے املاء کرایا ہے۔ اسی طرح امام اعظم درسِ حدیث کے وقت جو احادیث بیان کرتے ان کے لائق اور قابل صد افتخار تلامذہ قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن شیبانی، زفر بن ہذیل اور حسن بن زیاد ان روایات کو

''حدثنا'' اور ''اخبرنا'' کے صیغوں کے ساتھ قید تحریر میں لے آتے تھے۔

امامِ اعظم نے اپنی بیان کردہ احادیث کو املاء کرانے کے بعد اس مجموعہ کا نام ''کتاب الآثار'' رکھا۔ امام اعظم کے تلامذہ چونکہ کثیر التعداد تھے اس لیے ''کتاب الآثار'' کے نسخے بھی بہت زیادہ ہوئے لیکن مشہور نسخے چار ہیں: (۱) ''کتاب الآثار'' بہ روایت امام ابو یوسف (۲) ''کتاب الآثار' بہ روایت امام محمد (۳) ''کتاب الآثار'' بہ روایت امام زفر (۴) ''کتاب الآثار'' بہ روایت حسن بن زیاد۔ لیکن ان تمام نسخوں میں سے زیادہ مقبولیت اور شہرت امام محمد کے نسخہ کو حاصل ہوئی ہے۔

تاریخ کے معتمد اساتذہ، محققین اہلِ نظر اور علماء ربانیین، امام اعظم کی تصنیف کا صاف انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''جو لوگ امام صاحب کے سلسلۂ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے ہیں وہ انہی مفصلہ بالا کتابوں (جن میں ''کتاب الآثار'' بھی ہے) کو شہادت میں پیش کرتے ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے۔'' (سیرۃ النعمان، ص ۱۲۲)

عقائد، حدیث اور فقہ، ان تمام موضوعات پر امام اعظم کی تصانیف موجود ہیں۔ سرِ دست ان تمام موضوعات سے بحث ہمارے عنوان سے خارج ہے اس لیے ہم صرف حدیث کے موضوع پر امام اعظم کی شہرہ آفاق تصنیف ''کتاب الآثار'' کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

شبلی صاحب نے اس بارے میں صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ اس کا انتساب امام اعظم کی طرف کرنا مشکل ہے۔ لیکن اس انکار یا اشکال پر نہ تو انہوں نے کوئی تاریخی شہادت پیش کی ہے اور نہ ہی کوئی عقلی دلیل وارد کی ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے صرف یہی چارہ کار رہ گیا ہے کہ ہم ''کتاب الآثار'' کے ثبوت پر تاریخی شہادتیں جمع کر دیں۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

روی الاثار عن نبل ثقات غذار العلم میشخة حصیفه (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۹۱)

امام اعظم نے ''الآثار'' کو ثقہ اور معزز لوگوں سے روایت کیا ہے جو وسیع العلم اور عمدہ مشائخ تھے۔

اور علامہ ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

والموجود من حدیث ابی حنیفة مفرد انما هو کتاب الاثار التی رواه محمد بن الحسن۔ (تعجیل المنفعة برجال الائمه الاربعة ص ۴)

اور اس وقت امامِ اعظم کی احادیث میں سے ''کتاب الآثار'' موجود ہے جسے محمد بن حسن نے روایت کیا ہے۔

اور امام عبدالقادر حنفی، امام یوسف بن قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

روی کتاب الاثار عن ابی حنیفة وهومجلد ضخم۔ (الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۳۲۵)

امام یوسف نے (اپنے والد ابو یوسف کے واسطے سے) امام ابوحنیفہ سے ''کتاب الآثار'' کو روایت کیا ہے جو کہ ایک ضخیم جلد ہے۔

مسانید امامِ اعظم

''کتاب الآثار'' میں امامِ اعظم نے اپنے جن شیوخ سے احادیث کو روایت کیا ہے، بعد میں لوگوں نے ہر ہر شیخ کی مرویات کو علیحدہ کر کے مسانید کو ترتیب دیا۔ اس طرح امامِ اعظم کے ہر شیخ کی مرویات الگ الگ کتاب کی صورت میں جمع ہوگئیں اور بعد میں وہ ''مسند ابی حنیفہ'' کے نام سے مشہور ہوگئیں۔

قاضی ابو یوسف، امام محمد، ابوبکر احمد بن محمد، حافظ عمر بن حسن، حافظ ابونعیم اصبہانی، حافظ ابوالحسن، حافظ ابومحمد عبداللہ اور امام ابوالقاسم وغیرہم حضرات نے امامِ اعظم کی مسانید کو ترتیب دیا ہے:

امام عبدالوہاب شعرانی مسانید امامِ اعظم کو ان الفاظ سے خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں:

وقد من الله علی بمطالعة مسانید الامام ابی حنیفةالثلاثة فرأیته لا یروی حدیثا الاعن اخبار التابعین العدول الثقات الذین هم من خیر القرون بشهادة رسول اللهﷺ کالا سود و علقمة وعطاء و عکرمة و مجاهد و مکحول والحسن البصری واضرابهم رضی الله عنهم اجمعین فکل الرواة الذین هم بینه وبین رسول اللهﷺ عدول ثقات اعلام اخیار لیس فیهم کذاب ولامتهم بکذب۔
(میزان الشر الکبریٰ ج۱ص ۶۸)

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان کیا کہ میں نے امامِ اعظم کی مسانیدِ ثلاثہ کا مطالعہ کیا۔ پس میں نے دیکھا کہ امامِ اعظم ثقہ اور صادق تابعین کے سوا کسی سے روایت نہیں کرتے جن کے حق میں حضورﷺ نے خیرالقرون ہونے کی شہادت دی جیسے اسود، علقمہ، عطاء، عکرمہ، مجاہد، مکحول اور حسن بصری وغیرہم۔ پس امامِ اعظم اور حضورﷺ کے درمیان تمام راوی عدول، ثقہ اور مشہور اخیار میں سے ہیں جن میں سے کوئی کذاب نہیں اور ان کی طرف کذب کی نسبت بھی نہیں کی جاسکتی۔

ثبوتِ حدیث کے لیے امامِ اعظم کی شرائط

روایتِ حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بہت زیادہ محتاط تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات سے بہت کم حدیثیں روایت کی گئی ہیں اور قبولِ حدیث کے معاملہ میں بھی یہ حضرات بہت سخت تھے۔ جب تک کسی حدیث پر اچھی طرح اطمینان نہ ہوجاتا اس وقت تک یہ لوگ کسی حدیث کو قبول نہیں کرتے تھے۔ امامِ اعظم بھی اسی مکتبِ فکر سے متاثر اور اسی کے پیروکار تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے دوسرے محدثین کی طرح بے تحاشا روایت نہیں کی۔

امامِ اعظم نے احادیث کو قبول کرنے کے لیے بڑی کڑی شرطیں عائد کی ہیں اور اس سلسلہ میں جو اصول اور قواعد مقرر فرمائے ہیں، وہ آپ کی دوررس نگاہ اور تفقہ پر مبنی ہیں۔ یہ شروط اور قواعد باقاعدہ منضبط نہیں ہیں، علمائے احناف نے ان میں سے اکثر کو آپ کے بیان

کردہ مسائل سے مستنبط کیا ہے۔ہمیں مختلف کتابوں کے تتبع سے جس قدر قواعد حاصل ہوسکے انہیں پیش کررہے ہیں:

(۱) امام اعظم ضبطِ کتاب کی بجائے ضبطِ صدر کے قائل تھے اور صرف اسی راوی سے حدیث لیتے تھے جو اس روایت کا حافظ ہو۔ (مقدمہ ابنِ اصلاح)

(۲) صحابہ اور فقہاء تابعین کے علاوہ اور کسی شخص کی روایت بالمعنی کو قبول نہیں کرتے تھے۔ (شرح مسند امام اعظم از ملا علی قاری)

(۳) امام اعظم اس بات کو ضروری قرار دیتے تھے کہ صحابہ کرام سے روایت کرنے والے ایک یا دو شخص نہ ہوں، بلکہ اتقیاء کی ایک جماعت نے صحابہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہو۔ (میزان الشر الکبریٰ)

(۴) معمولاتِ زندگی سے متعلق عام احکام میں امام ابوحنیفہ یہ ضروری قرار دیتے تھے کہ ان احکام کو ایک سے زیادہ صحابہ ن ے روایت کیا ہو۔ (الخیرات الحسان)

(۵) جو حدیث ہو وہ امامِ اعظم کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔ (مقدمہ تاریخ ابن خلدون)

(۶) جو حدیث خبر واحد ہو اور وہ "قرآن کریم" پر زیادتی یا اس کے عموم کو خاص کرتی ہو امام صاحب کے نزدیک وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (الخیرات الحسان)

(۷) جو خبر واحد صریح "قرآن" کے مخالف ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح)

(۸) جو خبر واحد سنتِ مشہورہ کے خلاف ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (احکام القرآن)

(۹) اگر راوی کا اپنا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت مقبول نہیں ہوگی۔ ک یونکہ یہ مخالفت یا تو راوی میں طعن کا موجب ہوگی یا نسخ کے سبب سے ہوگی۔ (نبراس)

(۱۰) جب ایک مسئلہ میں مبیح اور محرم دو روایتیں ہوں تو امام اعظم محرم کے مقابلہ میں مبیح کو قبول نہیں کرتے۔ (عمدۃ القاری)

(۱۱) ایک ہی واقعہ کے بارے میں اگر ایک راوی کسی امرِ زائد کی نفی کرے اور دوسرا اثبات اگر نفی دلیل پر مبنی نہ ہو تو نفی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ نفی کرنے والا

واقعہ کو اصل حال پر محمول کر کے اپنے قیاس سے نفی کر رہا ہے اور اثبات کرنے والا اپنے مشاہدہ سے امرِ زائد کی خبر دے رہا ہے۔ (حسامی)

(۱۲) اگر ایک حدیث میں کوئی حکم عام ہو اور دوسری حدیث میں چند خاص چیزوں پر اس کے برخلاف حکم ہو تو امامِ اعظم حکمِ عام کے مقابلہ میں خاص کو قبول نہیں کرتے۔ (عمدۃ القاری)

(۱۳) حضور ﷺ کے صریح قول یا فعل کے خلاف اگر کسی ایک صحابی کا قول و فعل ہو تو وہ مقبول نہیں ہے، صحابی کے خلاف کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اسے یہ حدیث نہیں پہنچی۔ (عمدۃ القاری)

(۱۴) خبر واحد سے حضور ﷺ کا کوئی قول یا فعل ثابت ہو اور صحابہ کیا یک جماعت نے اس سے اختلاف کیا ہو تو آثارِ صحابہ پر عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں یا تو وہ حدیث صحیح نہیں ہے اور یا وہ منسوخ ہو چکی ورنہ حضور کے صحیح اور صریح فرمان کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام کی جماعت اس کی کبھی مخالفت نہ کرتی۔ (الخیرات الحسان)

(۱۵) ایک واقعہ کے مشاہدہ کے بارے میں متعارض روایات ہوں تو اس شخص کی روایت کو قبول کیا جائے گا جو ان میں زیادہ قریب سے مشاہدہ کرنے والا ہو۔ (فتح القدیر)

(۱۶) اگر دو متعارض حدیثیں ایسی سندوں کی ساتھ مروی ہوں کہ ایک میں قلتِ وسائط سے ترجیح ہو اور دوسری میں کثرتِ تفقہ، تو کثرتِ تفقہ کو قلتِ وسائط پر ترجیح دی جائے گی۔ (عنایہ)

(۱۷) کوئی حدیث حد یا کفارہ کے بیان میں وارد ہو اور وہ صرف ایک صحابی سے مروی ہو تو قبول نہیں ہوگی۔ کیونکہ حدود اور کفارات شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ (الخیرات الحسان)

(۱۸) جس حدیث میں بعض اسلاف پر طعن کیا گیا ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (الخیرات الحسان)

امام اعظم کے بیان کیے ہوئے بے شمار مسائل میں سے یہ چند اصول وقواعد کا استخراج ہے ورنہ روایات کے قبول و رد میں امام اعظم کی تمام شروط کا احصار کرنا بے حد مشکل ہے۔ بہرحال ان قواعد سے امامِ اعظمکی جس عمیق نظر، اصابتِ فکر اور گہری احتیاط کا پتہ چلتا ہے وہ اہل فہم پر مخفی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعد میں آنے والے محدثین نے امامِ اعظم کی شروط کی روشنی میں روایات کو پرکھا ہے اور اگر تعصب کو چھوڑ کر تمام محدثین امامِ اعظم کی قائم کردہ شروط پر متفق ہوجاتے تو آج ہمارا ذخیرۂ احادیث مطعون اور موضوع روایت سے اصلاً بے غبار ہوتا۔

مخالفتِ حدیث کا اعتراض اور اس کے جوابات

بض انتہا پسند حضرات امام اعظم رضی اللہ عنہ پر بالکلیہ احادیث کی مخالفت کا الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ حدیث کے علی الرغم اپنی رائے اور قیاس پر عمل کرتے تھے۔ ایسے ہی لوگ امامِ اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کو امامِ اہل الرای کہتے ہیں۔ یہ بات تو ہم انشاء اللہ کسی اور موقع پر بتائیں گے کہ اپنی رائے اور قیاس کے مقابلہ میں حدیث کو کون ترک کرتا ہے؟ سرِ دست یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ حدیثِ ضعیف کے مقابلہ میں بھی صریح قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ ''اعلام الموقعین'' میں ابنِ قیم، ابنِ حزم ظاہری کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ تمام احناف اس بات پر متفق ہیں کہ حدیثِ ضعیف کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا اور ''الخیرات الحسان'' میں ابنِ حجر مکی لکھتے ہیں کہ اسی وجہ سے امامِ اعظم مراسیل کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔

عام مخالفین یہ کہتے ہیں کہ امامِ اعظم نے بعض حدیثوں کی مخالفت کی ہے اور صریح حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل کیا ہے ایسی تمام احادیث پر گفتگو تو اس مختصر مقالہ میں بے حد مشکل ہے ہم چندان احادیث کو بحث میں لا رہے ہیں جن پر مخالفین زیادہ زور دیتے ہیں۔

حدیث بیع مصراۃ

عرب میں رواج تھا کہ اونٹنیوں کا دودھ کئی دن تک نہ دوہا کرتے تا کہ اس کے تھنوں

میں دودھ جمع ہوتا رہے اور بوقتِ فروخت زیادہ دودھ نکل سکے، ایسے جانور کو وہ لوگ ''مصراۃ'' کہتے تھے۔ خریدار زیادہ دودھ دیکھ کر اس جانور کو بڑی سے بڑی قیمت پر خرید کر لے جاتا۔ لیکن بعد میں اسے اس سے اتنا دودھ حاصل نہ ہوتا۔ حضور ﷺ نے اس بیع سے منع فرمادیا۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۸) سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''بکریوں اور اونٹنیوں کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو، جس شخص نے ایسی بکری یا اونٹنی کو خریدا تو وہ دودھ دوہنے کے بعد مختار ہے یا اسے اسی قیمت پر رکھ لے یا اس کو واپس کردے اور استعمال شدہ دودھ کے عوض ایک صاع (ساڑھے چار سیر) کھجوریں بھی دے۔''

امامِ اعظم فرماتے ہیں کہ اس صورت میں خریدار اس جانور کو واپس نہیں کرسکتا البتہ دودھ کے سلسلہ میں اس سے جو دھوکا کیا گیا ہے اس وجہ سے اس جانور کی قیمت بازار کے نرخ کے مطابق کم کی جائے گی اور باقی رقم وہ فروخت کنندہ سے واپس لے گا۔

امامِ اعظم کے اس حدیث پر عمل نہ کرنے کے متعدد وجوہ ہیں:

اولاً: یہ ہے کہ یہ حدیث خبرِ واحد ہے اور صریح قرآن کے مخالف ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے: ''فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم'' جس کا مفاد یہ ہے کہ کسی شے کے بدلہ میں تجاوز کرنا ناجائز ہے اور صورتِ مذکورہ میں اگر ایک صاع کھجوریں مستعمل دودھ ہوں تو فروخت کنندہ کی طرف سے تجاوز ہے اور اگر کم ہوں تو خریدار کی طرف سے۔

ثانیاً: یہ حدیث سنتِ مشہورہ کے خلاف ہے۔ ''ترمذی'' میں ہے: ''الخراج بالضمان'' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تاوان بقدرِ ذمہ لیا جائے گا اور اس شکل میں جو تاوان لیا جارہا ہے وہ بقدرِ ذمہ نہیں بلکہ اصل ذمہ سے کم یا زیادہ ہے۔

ثالثاً: ابن التین نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے، بعض روایات میں ایک صاع کھجوروں کا ذکر ہے، بعض میں ایک صاع طعام کا، بعض میں دودھ کی مثل دودھ کا اور بعض میں دودھ کے بدلے میں دگنے دودھ کا ذکر ہے۔

رابعاً: عیسٰی بن ابان نے کہا ہے کہ دودھ کے بدلہ میں کھجوریں بہ منزلہ بدلِ قرض

ہیں۔ ابتداء اسلام میں بدلِ قرض میں زیادتی جائز تھی، بعد میں جب ''قرآن'' نے اباحتِ سود کو منسوخ کردیا تو اس حدیث کا حکم بھی منسوخ ہوگیا۔

بہرحال مصراۃ کے سلسلہ میں امامِ اعظم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ''قرآنِ کریم'' اور احادیث مشہورہ کے مطابق ہے اور حضرت ابوہریرہ کی روایت یا منسوخ ہے اور یا مضطرب ہونے کی وجہ سے متروک ہے۔

تازہ کھجوروں کی بیع چھوہاروں کے عوض

امامِ اعظم کھجوروں اور چھوہاروں کو ایک دوسرے کے عوض فروخت کرنا جائز قرار دیتے تھے، لیکن حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اہلِ بغداد امامِ اعظم سے اس حدیث کی مخالفت کے سبب شاکی تھے۔ جب آپ (فتح القدیر ج ۵ ص ۲۹۲) بغداد گئے تو ان لوگوں نے اس سلسلہ میں آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا: بتاؤ! تازہ کھجوریں چھوہاروں کی جنس سے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ چھوہاروں کی جنس سے ہیں تو حضور ﷺ کی حدیث مشہور ''التمر بالتمر'' (چھوہاروں کی بیع چھوہاروں کے عوض جائز ہے) کے تحت اسے جائز ہونا چاہیے اور اگر وہ چھوہاروں کی جنس سے نہیں ہیں تو حضور ﷺ کے فرمان ''اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم'' (جب جنس بدل جائے تو جس طرح چاہو فروخت کرو) کے تحت اس بیع کو جائز ہونا چاہیے۔ اہلِ بغداد نے عاجز آکر وہ حدیث پیش کی جس میں تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض فروخت کرنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ امامِ اعظم نے فرمایا: یہ حدیث زید بن عیاش پر موقوف ہے اور اس کی روایت نامقبول ہے۔

چار سے زیادہ ازواج کا مسئلہ

اگر کسی کی چار سے زیادہ بیویاں ہوں تو امامِ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا پہلی چار بیویوں سے نکاح صحیح ہے اور ان کے بعد جن عورتوں سے نکاح کیا ہے وہ باطل ہے۔ لیکن امام

ترمذی کی روایت ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی جب مسلمان ہوئے تو ان کی دس بیویاں تھیں اور وہ سب ان کے ساتھ مسلمان ہوگئیں تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ان میں سے جن چار کو چاہو اختیار کرلو، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ امام صاحب کا مسلک حدیث کے خلاف ہے۔

امام صاحب کی اس حدیث کو قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ روایت ''قرآنِ کریم'' کے خلاف ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنٰی و ثلاث و رباع

پس تمہیں عورتوں میں سے جو اچھی لگیں نکاح کرلو۔

پس از روئے ''قرآن'' پہلی چار عورتوں سے نکاح جائز ہوا اور بعد کی عورتوں سے ناجائز۔ لہٰذا کوئی شخص پانچویں یا چھٹے درجہ کی بیوی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا اور حدیث شریف اس آیت کے نزول سے پہلے کے زمانہ پر محمول ہے اور یا یہ اس شخص کی خصوصیت تھی اور یا پھر حضور ﷺ نے اپنے عمومی اختیار سے غیلان بن سلمہ کو اس عام حکم سے مستثنٰی کردیا تھا۔

امامِ اعظم پر جن احادیث کی مخالفت کا حکم لگایا جاتا ہے ان سب کی یہی حقیقت ہے کیونکہ جن احادیث پر امام اعظم عمل نہیں کرتے وہ یا تو کسی فنی عیب کی بناء پر نامقبول ہوتی یا منسوخ ہوتی ہیں اور یا حضور ﷺ کی خصوصیت پر مبنی ہوتی ہیں۔

روایات میں تطبیق

فنِ حدیث میں امام اعظم کے کمالات میں سے ایک عظیم کمال یہ ہے کہ آپ مختلف اور متناقض روایات میں بہ کثرت تطبیق دیتے تھے اور مختلف اور متناقض روایتوں کا محل اس طرح الگ الگ بیان کردیتے تھے کہ منشاء رسالت نکھر کر سامنے آجاتا تھا۔

حضور ﷺ پر سب سے پہلے کون ایمان لایا تھا؟ اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے ہر ایک کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والا ان میں سے ایک ہی ہوسکتا

ہے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ وہ سب سے پہلے شخص (حواشی صواعق محرقہ ص ۷۶) ہیں جنہوں نے ان متعارف حدیثوں کو جمع کیا اور فرمایا: مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، عورتوں میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی تھے رضی اللہ عنہم۔

سفر میں روزہ کے بارے میں بھی احادیث مختلف ہیں، بعض میں مسافر کے لیے روزہ کو نیکی قرار دیا ہے اور بعض میں نیکی کے منافی اور بعض میں روزہ رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دیا ہے۔ امامِ اعظم نے ان تمام روایات میں تطبیق دی ہے اور فرمایا: اگر سفر آرام دہ ہو تو روزہ رکھنا یقیناً بہتر ہے اور اگر سفر میں مشقت ہو تو روزہ نہ رکھنا بہتر ہے اور اگر سفر معتدل ہو تو مسافر کو اختیار ہے، روزہ رکھے یا نہ رکھے۔

روایات کے درجات

امامِ اعظم ابوحنیفہ وہ واحد اور منفرد شخص ہیں جنہوں نے "قرآن کریم" اور احادیثِ طیبہ میں فرق مراتب کو ملحوظ رکھا، چنانچہ "قرآن" اور حدیث میں تعارض ہو تو حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور باہم روایات میں بھی متواتر، مشہور اور فرد کے فرق کو قائم رکھتے ہیں۔ پس تعارض کے وقت پہلے متواتر پھر مشہور اور پھر اس کے بعد فرد کو درجہ دیتے ہیں اور حدیث فرد اگرچہ ضعیف بھی ہو پھر بھی اس کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں۔

حرفِ آخر

امامِ اعظم نے حدیث کے تمام انواع و اقسام پر اجتہادی نوعیت سے کام کیا ہے، بصیرت افروز راہنما اصول قائم کیے ہیں اور محض روایتی انداز سے سماعِ حدیث کرنے والوں کو عقل و آگہی کی روشنی دی ہے۔ ان کے درس میں شریک ہو کر نہ جانے کتنے افراد دنیائے علم و فضل میں امر ہو گئے۔ ان کے تلامذہ کی عظمت کا بھی یہ عالم تھا کہ انہوں نے ذروں کو اٹھایا تو رشکِ ماہتاب بنا دیا۔ یہ حنفی سلسلہ کی کڑیاں تھیں جو احادیثِ رسول سے قرناً فقرناً ائمہ و

مشائخ کے سینوں کو منور کرتی چلی گئیں۔ سلام ہو اس امام پر جس نے جھلملاتے چراغوں کو سورج کی توانائیاں بخشیں۔ آفرین ہو اس کی فکرِ صائب پر جس نے اسلامی علوم کو رعنائیاں دیں۔ آج دینی علوم کے تمام شعبوں میں انہیں کے فیض کے دھارے بہہ رہے ہیں۔ جب تک علم کا یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ جب تک درس گاہوں میں فقہ و حدیث کا چرچا رہے گا زمانہ ابوحنیفہ کو سلام کرتا رہے گا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ)

١ فَصْلٌ فِي أَحَادِيَاتِ الإِمَامِ أَبِي حَنِيفَةَ رضي الله عنه

(امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک واسطہ کی روایات کا بیان)

. رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضي الله عنه قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلي الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَي كُلِّ مُسْلِمٍ. رَوَاهُ أَبُوْ حَنِيفَةَ. الحديث رقم ١: أخرجه الخوارزمي في جامع المسانيد للإمام أبي حنيفة، ١ / ٨٣، وأخرج المحدثون هذا الحديث بأسانيدهم منهم: ابن ماجه في السنن، المقدمة، باب: فضل العلماء والحث على طلب العلم، ١ / ٨١، الرقم: ٢٢٤، وأبو يعلى في المسند، ٥ / ٢٢٣، الرقم: ٢٨٣٧، وفي المعجم، ١ / ٢٥٧، الرقم: ٣٢٠، والطبراني في المعجم الأوسط، ٢ / ٢٨٩، الرقم: ٢٠٠٨، وفي المعجم الكبير، ١٠ / ١٩٥، الرقم: ١٠٤٣٩، والقضاعي في مسند الشهاب، ١ / ١٣٦، الرقم: ١٧٥، والصيداوي في معجم الشيوخ، ١ / ١٧٧. ”حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“

. رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلي الله عليه وآله وسلم أَنَّهُ قَالَ: اَلدَّالُ عَلَي الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ. رَوَاهُ أَبُوْ حَنِيفَةَ. الحديث رقم ٢: أخرجه الخوارزمي في جامع المسانيد للإمام أبي حنيفة، ١ / ٨٥، وأخرج المحدثون هذا الحديث بأسانيدهم منهم: أبو نعيم الأصبهاني في مسند أبي حنيفة برواية أبي حنيفة من ثلاثياته عن بريدة رضي الله عنه، ١ / ١٥٠، ١٥١، والروياني في المسند برواية أبي حنيفة من ثلاثياته عن بريدة رضي الله عنه، ١ / ٦٣، الرقم: ٦، والترمذي في السنن، كتاب: العلم عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، باب: ما جاء الدال على الخير كفاعله، ٥ / ٤١، رقم: ٢٦٧٠، وأحمد بن حنبل في المسند، ٥ / ٣٥٧، وأبو يعلى في المسند، ٧ / ٢٧٥، الرقم: ٤٢٩٦، والبزار في المسند، ٥ / ١٥٠، الرقم: ١٧٤٢، والطبراني في المعجم الأوسط، ٣ / ٣٤، الرقم: ٢٣٨٤، وفي المعجم الكبير، ١٧ / ٢٢٨، الرقم: ٦٣١، ٦٣٢، والقضاعي في مسند

الشهاب، ۱/ ۸۵، الرقم: ۸٦، وأبو بکر الإسماعيلي في معجم شيوخ أبي بکر، ۱/ ٤٦٦، والصيداوي في معجم الشيوخ، ۱/ ۱۸٤. ''حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نیکی کی طرف راہنمائی کرنے والا (اجر وثواب کے حصول میں) اس نیکی کرنے والے کی طرح ہی ہے۔''

. رَوَى أَبُوْ حَنِيْفَةَ رضي الله عنه عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلي الله عليه واله وسلم قَالَ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ إِغَاثَةَ اللَّهْفَانِ. رَوَاهُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ. الحديث رقم ۳: أخرجه الخوارزمي في جامع المسانيد للإمام أبي حنيفة، ۱/ ۸۵، وأخرج المحدثون هذا الحديث بأسانيدهم منهم: أبو يعلى في المسند، ۷/ ۲۷۵، الرقم: ٤۲۹٦، والبيهقي في شعب الإيمان، ۲/ ۲۵٤، الرقم: ۱٦٦٤، والصيداوي في معجم الشيوخ، ۱/ ۱۸٤، وأبو نعيم في مسند أبي حنيفة، ۱/ ۱۵۱، وفي حلية الأولياء، ۳/ ٤۲، والمنذري في الترغيب والترهيب، ۱/ ۷۰، الرقم: ۱۹۵. ''حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی مدد کرنے والے کو پسند فرماتا ہے۔''

. رَوَى أَبُوْ حَنِيْفَةَ رضي الله عنه قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِکٍ رضي الله عنه قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلي الله عليه واله وسلم يَقُوْلُ: مَنْ تَفَقَّهَ فِي دِيْنِ اللهِ کَفَاهُ اللهُ هَمَّهُ وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ. رَوَاهُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ. الحديث رقم ٤: أخرجه القزويني في التدوين في أخبار قزوين، ۳/ ۲٦۱، وأبو نعيم في مسند أبي حنيفة عن عبد الله بن الحارث رضي الله عنه، ۱/ ۲۵. ''حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین میں تفقہ (سمجھ بوجھ حاصل) کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے غموں کو کافی ہو جاتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔''

.رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضي الله عنه يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه و اله وسلم: مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ خَالِصًا مُخْلِصًا بِهَا قَلْبُهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَلَوْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَي اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا. رَوَاهُ أَبُوْ حَنِيفَةَ. الحديث رقم ۵: أخرجه الموفق فی مناقب ال إمام الأعظم أبي حنيفة، ۱/ ۳۶، وأخرج المحدثون ہذا الحديث بأسانيدہم منہم: الترمذی فی السنن، کتاب: الزہد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب: فی التوکل علی اللہ، ۴/ ۵۷۳، الرقم: ۲۳۴۴، وابن ماجہ فی السنن، کتاب: الزہد، باب: التوکل والیقین، ۲/ ۱۳۹۴، الرقم: ۴۱۶۴، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۱/ ۳۰، ۵۲: ۵/ ۲۲۹، والطیالسی فی المسند، ۱/ ۱۱، الرقم: ۵۱، والحمیدی فی المسند، ۱/ ۱۸۱، الرقم: ۳۶۹، وأبو یعلی فی المسند، ۱/ ۲۱۲، الرقم: ۲۴۷، والشیبانی فی الآحاد والمثانی، ۴/ ۲۲۹، الرقم: ۲۲۱۳، والقضاعی فی مسند الشہاب، ۲/ ۳۱۹، الرقم: ۱۴۴۴. ''حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا: انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خلوص دل کے ساتھ (لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ) کہتا ہے وہ جنت میں داخل ہوگا اور اگر تم نے اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کیا جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تمہیں اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے وہ خالی پیٹ صبح کرتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر (واپس اپنے گھروں کو) لوٹتے ہیں۔''

.رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه قَالَ: وُلِدْتُ سَنَةَ ثَمَانِينَ وَحَجَجْتُ مَعَ أَبِي سَنَةَ سِتٍّ وَتِسْعِينَ وَأَنَا ابْنُ سِتَّ عَشْرَةَ سَنَةً فَلَمَّا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ رَأَيْتُ حَلَقَةً عَظِيمَةً فَقُلْتُ لِأَبِي: حَلَقَةُ مَنْ هَذِهِ؟ قَالَ: حَلَقَةُ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَزْءٍ الزُّبَيْدِيِّ رضي الله عنه صَاحِبِ رَسُوْلِ اللهِ صلي الله عليه واله وسلم فَتَقَدَّمْتُ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلي الله عليه واله وسلم يَقُوْلُ: مَنْ تَفَقَّهَ فِي دِيْنِ اللهِ كَفَاهُ اللهُ هَمَّهُ وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ. رَوَاهُ أَبُوْ حَنِيفَةَ. الحديث رقم ۸: أخرجه الخوارزمی فی جامع المسانید للإمام أبي حنيفة، ۱/ ۸۰،

والخطیب البغدادی فی تاریخ بغداد، ۳ / ۳۲، الرقم: ۹۵۶. ''حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ۸۰ ہجری میں پیدا ہوا اور میں نے اپنے والد کے ساتھ ۹۶ ہجری میں ۱۶ سال کی عمر میں حج کیا پس جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا میں نے ایک بہت بڑا حلقہ دیکھا تو میں نے اپنے والد محترم سے پوچھا: یہ کس کا حلقہ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن جزء زبیدی رضی اللہ عنہ کا حلقہ (درس) ہے پس میں آگے بڑھا اور انہیں فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو اللہ تعالیٰ کے دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے غموں کو کافی ہو جاتا ہے اور اسے وہاں وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔''

.رَوَي أَبُوْ حَنِيْفَةَ رضي الله عنه قَالَ: لَقِيْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الْحَارِثِ جَزْءَ الزُّبَيْدِيَّ رضي الله عنه صَاحِبَ رَسُوْلِ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم، فَقُلْتُ: أُرِيْدُ أَنْ أَسْمَعَ مِنْهُ فَحَمَلَنِي أَبِي عَلَي عَاتِقِهِ وَذَهَبَ بِي إِلَيْهِ. فَقَالَ: مَا تُرِيْدُ؟ فَقُلْتُ: أُرِيْدُ أَنْ تُحَدِّثَنِي حَدِيْثًا سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم: فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ: إِغَاثَةُ الْمَلْهُوْفِ فَرْضٌ عَلَي كُلِّ مُسْلِمٍ، مَنْ تَفَقَّهَ فِي دِيْنِ اللهِ كَفَاهُ اللهُ هَمَّهُ وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ. رَوَاهُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ. الحديث رقم ۹: أخرجه الموفق فی مناقب ال إمام الأعظم أبی حنیفۃ، ۱ / ۳۵. ''حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن حارث جزء زبیدی رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا اور تو میں نے عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ ان سے سنوں تو میرے والد گرامی نے مجھے اپنے کندھے پر اٹھالیا اور مجھے ان کے پاس لے گئے تو انہوں نے مجھ سے پوچھا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں نے ان سے عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے وہ حدیث سنائیں جو آپ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہو تو انہوں نے فرمایا: میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: مصیبت زدہ کی مدد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور جو شخص دین میں سمجھ بوجھ پیدا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے غموں کو کافی ہوجاتا ہے اور اسے وہاں وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے وہ

تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

.رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا مَعَاوِيَةَ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَي رضي الله عنه أَنَّهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ : مَنْ بَنَي لِلّٰهِ مَسْجِدًا وَلَوْ كَمَفْحَصِ قَطَاةٍ بَنَي اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَةِ. رَوَاهُ أَبُوْ حَنِيفَةَ. الحديث رقم ۱۰ : أخرجه الخوارزمی فی جامع المسانيد للإمام أبي حنيفة، ۱ / ۸۲، والقزوینی فی التدوین فی أخبار قزوین، ۱ / ۴۳۸، وأخرج المحدثون هذا الحديث بأسانيدهم منهم : ابن ماجه فی السنن، کتاب : المساجد والجماعات، باب : من بنی لله مسجدا، ۱ / ۲۴۴، الرقم : ۷۳۸، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۱ / ۲۴۱، وابن حبان فی الصحیح، ۴ / ۴۹۰، الرقم : ۱۶۱۰، وابن خزیمة فی الصحیح، ۲ / ۲۶۹، الرقم : ۱۲۹۲، والطیالسی فی المسند، ۱ / ۶۲، الرقم : ۴۶۱، وأبو یعلی فی المسند، ۷ / ۸۵، الرقم : ۴۰۱۸، والطبرانی فی المعجم الأوسط، ۲ / ۲۴۰، الرقم : ۱۸۵۷، والبیهقی فی شعب الإیمان، ۳ / ۸۱، الرقم : ۲۹۴۲، والبخاری فی التاریخ الکبیر، ۱ / ۳۳۱، الرقم : ۱۰۴۶. "حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو معاویہ عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا : جو شخص مسجد بناتا ہے چاہے وہ تیتر کے انڈے دینے کی جگہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دیتا ہے۔"

.رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه قَالَ : سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَي رضي الله عنه يَقُوْلُ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم : حُبُّکَ الشَّيئَ يُعْمِي وَيُصِمُّ، وَالدَّالُ عَلَي الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ وَالدَّالُ عَلَي الشَّرِ كَمِثْلِهِ، إِنَّ اللهَ يُحِبُّ إِغَاثَةَ اللَّهْفَانِ. رَوَاهُ أَبُوْ حَنِيفَةَ. الحديث رقم ۱۱ : أخرجه الموفق فی مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة، ۱ / ۳۶. "حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : تمہاری کسی چیز سے محبت (تمہیں اس کے بارے میں) اندھا اور بہرا کر دیتی ہے اور نیکی کی طرف راہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے اور برائی کی طرف راہنمائی کرنے والا برائی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے اور بے شک

اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی مدد کرنے کو پسند فرماتا ہے۔‘‘

. رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه قَالَ : سَمِعْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ عَجْرَدٍ رضي الله عنها قَالَتْ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم : أَكْثَرُ جُنْدِ اللهِ فِي الْأَرْضِ : الْجَرَادُ لَا اٰكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ. رَوَاهُ أَبُوْ حَنِيفَةَ. الحديث رقم ۱۲ : أخرجه الخوارزمی فی جامع المسانید للإمام أبی حنیفة، ۱ / ۷۹، والقزوینی فی التدوین فی أخبار قزوین، ۱ / ۴۳۸، وأخرج المحدثون ہذا الحدیث بأسانیدہم منہم : أبوداود فی السنن، کتاب : الأطعمة، باب : فی أکل الجراد، ۳ / ۳۵۷، الرقم : ۳۸۱۳، وابن ماجہ فی السنن، کتاب : الصید، باب : صید الحیتان والجراد، ۲ / ۱۰۷۳، الرقم : ۳۲۱۹، والبیہقی فی السنن الکبری، ۹ / ۲۵۷، وعبد الرزاق فی المصنف، ۴ / ۵۳۱، الرقم : ۸۷۵۷، والبزار فی المسند، ۶ / ۴۷۷، الرقم : ۲۵۰۹، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۶ / ۲۵۶، الرقم : ۶۱۴۹، وابن قانع فی معجم الصحابة، ۱ / ۲۸۵. ’’حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا کو فرماتے سنا کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے : زمین میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ تعداد میں لشکر ٹڈی دَل ہے، نہ تو میں اسے کھاتا ہوں اور نہ اسے حرام ٹھہراتا ہوں۔‘‘

. رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه قَالَ : سَمِعْتُ وَاثِلَةَ بْنَ الْأَسْقَعِ رضي الله عنه قَالَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلي الله عليه وآله وسلم أَنَّهُ قَالَ : لَا تُظْهِرَنَّ شَمَاتَةً لِأَخِيْکَ فَيُعَافِيَهُ اللهُ وَيَبْتَلِيکَ. رَوَاهُ أَبُوْ حَنِيفَةَ. الحديث رقم ۱۳ : أخرجه الخوارزمی فی جامع المسانید للإمام أبی حنیفة، ۱ / ۸۶، وأخرج المحدثون ہذا الحدیث بأسانیدہم منہم : الترمذی فی السنن، کتاب : صفة القیامة والرقائق عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب : (۵۴)، ۴ / ۶۶۲، الرقم : ۲۵۰۶، والطبرانی فی المعجم الأوسط، ۴ / ۱۱۱، الرقم : ۳۷۳۹، وفی المعجم الکبیر، ۲۲ / ۵۳، الرقم : ۱۲۷، وفی مسند الشامیین، ۱ / ۲۱۴، الرقم : ۳۸۴، والقضاعی فی مسند الشہاب، ۲ / ۷۷، الرقم : ۹۱۷، والبیہقی فی شعب الإیمان، ۵ / ۳۱۵، الرقم : ۶۷۷۷، والمنذری فی الترغیب والترہیب، ۳ / ۲۱۲، الرقم : ۳۷۲۶، والخطیب البغدادی فی تاریخ بغداد، ۹ / ۹۵، الرقم : ۴۶۷۹. ’’حضرت

ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: تم اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کرو اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ اسے مصیبت سے نجات دے دے گا اور تمہیں اس مصیبت میں ڈال دے گا۔"

. رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ وَاثِلَةَ بْنَ الْأَسْقَعِ رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلي الله عليه وآله وسلم أَنَّهُ قَالَ: دَعْ مَا يَرِيْبُکَ إِلَي مَا لَا يَرِيْبُکَ. رَوَاهُ أَبُوْ حَنِيفَةَ. الحديث رقم ۱۴: أخرجه السيوطي في تبييض الصحيفة بمناقب أبي حنيفة: ۳۶، وأخرج المحدثون هذا الحديث بأسانيدهم منهم: الترمذي في السنن، کتاب: صفة القيامة والرقائق عن رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم، باب: (۶۰)، ۴ / ۶۶۸، الرقم: ۲۵۱۸، والنسائي في السنن، کتاب: الأشربة، باب: الحث علي ترک الشبهات، ۸ / ۳۲۷، الرقم: ۵۷۱۱، وأحمد بن حنبل في المسند، ۳ / ۱۵۳، وابن حبان في الصحيح، ۲ / ۴۹۸، الرقم: ۷۲۲، والحاکم في المستدرک، ۲ / ۱۶: ۴ / ۱۱۰، الرقم: ۲۱۷۰، ۷۰۴۶، والدارمي في السنن، ۲ / ۳۱۹، الرقم: ۲۵۳۲، والبيهقي في السنن الکبری، ۵ / ۳۳۵، الرقم: ۱۰۶۰۱، وعبد الرزاق في المصنف، ۳ / ۱۱۷، الرقم: ۴۹۸۴، وأبو يعلي في المسند، ۱۲ / ۱۳۲، الرقم: ۶۷۶۲، والطبراني في المعجم الکبير، ۳ / ۷۶، الرقم: ۲۷۱۱. "حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو اس چیز کو چھوڑ دے جو تجھے شک میں ڈالے اس چیز کے لیے جو تجھے شک میں نہ ڈالے۔"

. رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ وَاثِلَةَ بْنَ الْأَسْقَعِ رضي الله عنه يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم: لَا يَظُنَّ أَحَدُکُمْ أَنَّهُ يَتَقَرَّبُ إِلَي اللهِ بِأَقْرَبِ مِنْ هَذِهِ الرَّکْعَاتِ يَعْنِي الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ. رَوَاهُ أَبُوْ حَنِيفَةَ. الحديث رقم ۱۵: أخرجه الموفق في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة، ۱ / ۳۶. "حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی یہ گمان نہ کرلے کہ وہ ان رکعات یعنی پانچ وقت کی فرض نمازوں سے بڑھ کر (دن کے علاوہ) کسی اور شے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔''

.رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنْ عَبدِ اللهِ بنِ أَبِي حَبِيبَةَ رضي الله عنه (الصَّحَابِيِّ) قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ رضي الله عنه يَقُوْلُ: كُنْتُ رَدِيْفَ رَسُوْلِ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم فَقَالَ: يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ! مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُوْلُ اللهِ مُخْلِصًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: وَإِنْ زَنَي وَإِنْ سَرَقَ؟ فَسَارَ سَاعَةً ثُمَّ عَادَ لِكَلَامِهِ، قَالَ: فَقُلْتُ: وَإِنْ زَنَي وَإِنْ سَرَقَ؟ فَسَارَ سَاعَةً ثُمَّ عَادَ لِكَلَامِهِ، فَقُلْتُ: وَإِنْ زَنَي وَإِنْ سَرَقَ؟ فَقَالَ: وَإِنْ زَنَي وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ رَغِمَ أَنْفُ أَبِي الدَّرْدَاءِ. فَكَانَ أَبُو الدَّرْدَاءِ يُحَدِّثُ بِهَذَا الْحَدِيْثِ عِنْدَ كُلِّ جُمْعَةٍ عِنْدَ مِنْبَرِ رَسُوْلِ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم وَيَضَعُ إِصْبَعَهُ عَلَي أَنْفِهِ وَيَقُوْلُ: وَإِنْ زَنَي وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ رَغِمَ أَنْفُ أَبِي الدَّرْدَاءِ. رَوَاهُ أَبُوْ حَنِيفَةَ. الحديث رقم ١٦: أخرجه أبو يوسف فی کتاب الآثار، ١ / ١٩٧، الرقم: ٨٩١، وأبو نعيم فی مسند الإمام أبی حنيفة، ١ / ١٧٥، وأخرج المحدثون ہذا الحديث بأسانيد ہم منہم: البخاری فی الصحيح، کتاب: اللباس، باب: الثياب البيض، ٥ / ٢١٩٣، الرقم: ٥٤٨٩، ومسلم فی الصحيح، کتاب: الإيمان، باب: من مات لا يشرک بالله شيئا، ١ / ٩٥، الرقم: ٩٤، وابن حبان فی الصحيح، ١ / ٣٩٢، الرقم: ١٦٩، وأحمد بن حنبل فی المسند، ٥ / ١٦٦، وأبو عوانة فی المسند، ١ / ٢٨، الرقم: ٣٦، والنسائی فی السنن الکبری، ٦ / ٢٧٦، الرقم: ١٠٩٦٤، والبزار فی المسند، ٩ / ٣٥٤، الرقم: ٣٩٢٠. ''حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ حضرت عبد اللہ بن ابی حبیبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا سو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابو درداء! جو شخص اخلاص کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں'' تو اس کے لئے جنت واجب ہوجاتی ہے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگرچہ وہ زنا اور چوری بھی کرلے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے پھر اپنے کلام کی طرف

لوٹے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگرچہ وہ زنا اور چوری بھی کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگرچہ وہ زنا اور چوری ہی کیوں نہ کرے اور اگرچہ ابو درداء کی ناک خاک آلود ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ ہر جمعۃ المبارک کو یہ حدیث حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر کے قریب بیان فرماتے تھے اور اپنی انگلی اپنے ناک پر رکھ کر کہتے تھے اگرچہ وہ زنا اور چوری ہی کیوں نہ کرے اور اگرچہ ابو درداء کی ناک خاک آلود ہی کیوں نہ ہو۔

فَصْلٌ فِي ثُنَائِيَاتِ الإِمَامِ أَبِي حَنِيفَةَ رضي الله عنه (امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی دو واسطوں کی روایات کا بیان)۔

رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنه قَالَ: قَرَأَ رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم قَوْلَهُ تَعَالَي: (وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَي) قَالَ: بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ (وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَي) قَالَ: بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحديث رقم ۱۷: أخرجه الخوارزمی فی جامع المسانید للإمام أبی حنیفۃ، ۱ / ۹۵. ”حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: ”اور اس نے اچھائی کی تصدیق کی۔“ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (اس سے مراد) لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ کی تصدیق کرنا ہے۔ ”اور اس نے اچھائی کو جھٹلایا۔“ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (اس سے مراد) لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ کو جھٹلانا ہے۔“

.رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلي الله عليه وآله وسلم قَالَ: مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحديث رقم ۱۸: أخرجه الخوارزمی فی جامع المسانید للإمام أبی حنیفۃ، ۱ / ۹۶، وأخرج المحدثون ہذا الحدیث بأسانیدہم منہم: الترمذی فی السنن، کتاب: العلم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب: ماجاء فی کتمان العلم، ۵ / ۲۹، الرقم: ۲۶۴۹، وأبوداود فی السنن، کتاب: العلم، باب: کراہیۃ منع العلم، ۳ / ۳۲۱، الرقم: ۳۶۵۸، وابن ماجہ فی السنن،

کتاب : المقدمة، باب : من سئل عن علم فکتمہ، ۱ / ۹۷، الرقم : ۲۶۴. ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : جس سے علم کے بارے میں سوال کیا گیا اور اس نے (جانتے ہوئے بھی اسے) چھپایا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام دی جائے گی۔“

.رَوَي أَبُو حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم: كُلُّ مَعْرُوْفٍ فَعَلْتَهُ إِلَي غَنِيٍّ أَوْ فَقِيْرٍ صَدَقَةٌ. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ.

الحدیث رقم ۱۹ : أخرجہ الخوارزمی فی جامع المسانید للإمام أبي حنیفة، ۱ / ۹۶، وأخرج المحدثون ہذا الحدیث بأسانیدہم منہم : أبویعلی فی المسند، ۴ / ۶۶، الرقم : ۲۰۸۵، والبزار فی المسند، ۵ / ۲۵، الرقم : ۱۵۸۲، والدیلمی فی الفردوس بمأثور الخطاب، ۳ / ۲۴۸، الرقم : ۴۷۲۹. ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : ہر نیکی جسے تم خواہ امیر کے ساتھ کرو یا غریب کے ساتھ کرو وہ صدقہ ہے۔“ ۲۰

.رَوَي أَبُو حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رِبَاحٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ: الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ فَرِيْضَةٌ. قُلْتُ: فَمَنْ تَرَكَهُ كُفْرٌ؟ قَالَ: لَا. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحدیث رقم ۲۰ : أخرجہ الخوارزمی فی جامع المسانید للإمام أبي حنیفة، ۱ / ۹۶، وأخرج المحدثون ہذا الحدیث بأسانیدہم منہم : مسلم فی الصحیح، ۱ / ۴۹۸، کتاب : صلاة المسافرین وقصرہا، باب : استحباب صلاة الضحی، الرقم : ۷۲۰، والترمذی فی السنن، کتاب : البر والصلة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب : ماجاء فی صنائع المعروف، ۴ / ۳۳۹، الرقم : ۱۹۵۶، وأبوداود فی السنن، کتاب : الصلاة، باب : صلاة الضحی، ۲ / ۲۶، الرقم : ۱۲۸۵. ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کرتے ہوئے فرمایا : نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا فرض ہے۔ (راوی کہتے ہیں) میں نے پوچھا : کیا اس کو ترک کرنا کفر ہے؟ انہوں نے فرمایا : نہیں۔“

.رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ بْنِ مَعْقِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ

رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلي الله عليه واله وسلم قَالَ النَّدَمُ تَوْبَةٌ. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحديث رقم ۲۱ : أخرجه الخوارزمی فی جامع المسانید للإمام أبي حنیفة، ۱ / ۹۸، وأخرج المحدثون ہذا الحدیث بأسانیدہم منہم : ابن ماجہ فی السنن، کتاب : الزہد، باب : ذکر التوبة، ۲ / ۱۴۲۰، الرقم : ۴۲۵۲، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۱ / ۳۷۶، وابن حبان فی الصحیح، ۲ / ۳۷۷، الرقم : ۶۱۲.

’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (گناہ پر) نادم ہونا ہی توبہ ہے۔‘‘

. رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه واله وسلم : الْبِرُّ لَا يَبْلَي وَالإِثْمُ لَا يُنْسَي. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحديث رقم ۲۲ : أخرجه الخوارزمی فی جامع المسانید للإمام أبي حنیفة، ۱ / ۹۹، وأخرج المحدثون ہذا الحدیث بأسانیدہم منہم : البیہقی فی کتاب الزہد الکبیر، ۲ / ۲۷۷، الرقم : ۷۱۰، وابن راشد فی الجامع، ۱۱ / ۱۷۸، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۲ / ۳۳، الرقم : ۲۲۰۳. ’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نیکی کبھی پرانی نہیں ہوتی (کہ اس کا اجر مل کر رہتا ہے) اور گناہ کبھی بھلایا نہیں جاتا (اس کا بھی مواخذہ ہوتا ہے)۔‘‘

. رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلي الله عليه واله وسلم قَالَ : مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ.

. وَرَوَي أَبو حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه نَحْوَهُ. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحديث رقم ۲۳ / ۲۴ : أخرجه الخوارزمی فی جامع المسانید للإمام أبي حنیفة، ۱ / ۹۹، ۱۰۳، وأخرج المحدثون ہذا الحدیث بأسانیدہم منہم : البخاری فی الصحیح، کتاب : الجنائز، باب : ما یکرہ من النیاحة علی المیت، ۱ / ۴۳۴، الرقم : ۱۲۲۹، ومسلم فی الصحیح، المقدمة، باب : تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۱ / ۱۰، الرقم : ۳، والترمذی فی

السنن، کتاب : العلم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب : ما جاء فی تعظیم الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۵ / ۳۵، الرقم : ۲٦۵۹. ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔'' ایک دوسری روایت میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

.رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه أَنَّهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم : مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِي بِالْجَارِ حَتَّي ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ، وَمَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِي بِقِيَامِ اللَّيلِ حَتَّي ظَنَنْتُ أَنَّ خِيَارَ أُمَّتِي لَنْ يَنَامُوْا إِلَّا قَلِيلًا. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحدیث رقم ۲۵ : أخرجہ الخوارزمی فی جامع المسانید للإمام أبی حنیفۃ، ۱ / ۱۰۰، وأخرج المحدثون ہذا الحدیث بأسانیدہم منہم : البخاری فی الصحیح، کتاب : الأدب، باب : الوصاۃ بالجار، ۵ / ۲۲۳۹، الرقم : ۵٦٦۸، ومسلم فی الصحیح، کتاب : البر والصلۃ والآداب، ۴ / ۲۰۲۵، الرقم : ۲٦۲۵، والترمذی، فی السنن، کتاب : البر والصلۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب : ماجاء فی حق الجوار، ۴ / ۳۳۲، الرقم : ۱۹۴۲. ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت جبرئیل علیہ السلام ہمیشہ ہمسایہ (کے حقوق کے بارے) مجھے وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ وہ عنقریب اسے وارث بنا دیں گے، اور جبرئیل مجھے رات کی عبادت کی وصیت کرتے رہے حتی کہ میں نے گمان کیا کہ میرے (نیک وصالح) بہترین امتی رات کو کم ہی سوئیں گے۔''

.رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم : لَا يَشْكُرُ اللهَ مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحدیث رقم ۲٦ : أخرجہ الخوارزمی فی جامع المسانید للإمام أبی حنیفۃ، ۱ / ۱۰۹، وأخرج المحدثون ہذا الحدیث بأسانیدہم منہم. والترمذی فی السنن، کتاب : البر والصلۃ عن رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب : ماجاء فی الشکر لمن أحسن إلیک، ۴ / ۳۳۹، الرقم : ۱۹۵۴، وأبوداود فی السنن، کتاب : الأدب، باب : فی شکر المعروف، ۴ / ۲۵۵، الرقم : ۴۸۱۱، وابن حبان فی الصحیح، ۸ / ۱۹۸، الرقم : ۳۴۰۷. ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔''

.رَوَي أَبُو حَنِيْفَةَ رضي الله عنه عَنْ لَاحِقِ بْنِ الْعِيْزَارِ الْيَمَانِيِّ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضي الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم : مَنْ قَالَ : (اسْتَغْفِرُ اللهَ الْعَظِيْمَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيَّ الْقَيُّوْمُ) غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا سَلَفَ مِنْ جُرْمِهِ إِنْ كَانَ مُخْلِصًا. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحدیث رقم ۲۷ : أخرجه الخوارزمی فی جامع المسانید للإمام أبی حنیفة، ۱ / ۱۱۱. ''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : جس شخص نے پڑھا : (اَسْتَغْفِرُ اللهَ الْعَظِيْمَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيَّ الْقَيُّوْمُ) ''میں، اللہ بلند و برتر سے مغفرت طلب کرتا ہوں وہ ذات جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا، سب کو اپنی تدبیر سے قائم رکھنے والا ہے؟'' اگر اس نے اخلاص (سے یہ پڑھا تو) اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ بخش دے گا۔''

.رَوَي أَبُوْ حَنِيْفَةَ رضي الله عنه عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ السَّكْسَكِيِّ الدِّمَشْقِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ أَبِي أَوْفَي رضي الله عنه أَنَّ رَجُلًا أَتَي النَّبِيَّ صلي الله عليه وآله وسلم فَقَالَ : إِنِّي لَا أَسْتَطِيْعُ أَنْ أَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ فَعَلِّمْنِي مَا يُجْزِئُنِي عَنْهُ. فَقَالَ لَهُ : قُلْ : سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ للهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ. فَقَالَ : هَذَا لِرَبِّي عزوجل فَمَا لِي : فَقَالَ : قُلْ اَللَّهُمَّ ارْحَمْنِي وَاغْفِرْلِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي وَعَافِنِي. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحدیث رقم ۲۸ : أخرجه الخوارزمی فی جامع المسانید للإمام أبی حنیفة، ۱ / ۱۱۷، وأخرج المحدثون ہذا الحدیث بأسانیدہم منہم : الدارقطنی فی السنن، ۱ : ۳۱۴، الرقم : ۲، والبیہقی فی السنن الکبری، ۲ : ۳۸۱، وابن أبی شیبة فی المصنف، ۶ / ۱۰۰، الرقم : ۲۹۷۹۷. ''حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی

اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کیا: میں قرآن سیکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا لہٰذا آپ مجھے وہ (کلمات) سکھائیں جو میرے لیے اس کے قائم مقام ہو جائیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: تو کہا کر (سُبْحَانَ اللهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَ اللهُ أَكْبَرُ وَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ) ''اللہ پاک ہے، اللہ کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اور قدرت و طاقت صرف اللہ عظیم و برتر کی مشیئت سے ہی ہے۔'' اس نے عرض کیا: یہ (کلماتِ حمد تو) میرے رب کے لئے ہو گئے تو میرے لیے کیا ہے؟ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو کہا کر (اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي وَاغْفِرْ لِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي وَعَافِنِي) ''اے اللہ! تو مجھ پر رحم فرما اور مجھے بخش دے اور مجھے ہدایت عطا کر، مجھے رزق سے نواز اور عافیت عطا فرما۔''

.رَوَي أَبُوْ حَنِيْفَةَ رضي الله عنه عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلي الله عليه وآله وسلم فِي قَوْلِهِ تَعَالَي: (عَسَي أَنْ يَبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَحْمُوْدًا) (الإسراء، ۱۷: ۷۹) قَالَ: الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ الشَّفَاعَةُ، يُعَذِّبُ اللهُ تَعَالَي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْإِيْمَانِ بِذُنُوْبِهِمْ ثُمَّ يُخْرِجُهُمْ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صلي الله عليه وآله وسلم فَيُؤْتَي بِهِمْ نَهْرًا يُقَالُ لَهُ الْحَيَوَانُ، فَيَغْتَسِلُوْنَ فِيْهِ ثُمَّ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ. فَيُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيُّوْنَ، ثُمَّ يَطْلُبُوْنَ مِنَ اللهِ تَعَالَي فَيُذْهِبُ عَنْهُمْ ذَلِکَ الإِسْمَ. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحديث رقم ۲۹: أخرجه الخوارزمی فی جامع المسانيد للإمام أبی حنيفة، ۱ / ۱۴۷، ۱۴۸، وأخرج المحدثون هذا الحديث بأسانيدهم مختصراً منهم: البخاری فی الصحيح، کتاب: الرقاق، باب: صفة الجنة والنار، ۵ / ۲۴۰۱، الرقم: ۶۱۹۸، وأبو داود فی السنن، کتاب: السنة، باب: فی الشفاعة، ۴ / ۲۳۶، الرقم: ۴۷۴۰، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۴ / ۴۳۴. ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بارے میں روایت کرتے ہیں: ''یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا (یعنی وہ مقامِ شفاعتِ عظمیٰ جہاں جملہ اوّلین و آخرین آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے)۔“ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مقام محمود سے مراد شفاعت ہے، اللہ تعالیٰ اہل ایمان میں سے ایک قوم کو ان کے گناہوں کے سبب عذاب دے گا، پھر انہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے واسطہ سے (جہنم سے) نکالے گا تو انہیں نہر حیات پر لایا جائے گا۔ پس وہ اس میں غسل کر کے جنت میں داخل ہوں گے تو (وہاں) انہیں جہنمی کے نام سے پکارا جائے گا، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے (اس نام کے خاتمہ کی) گزارش کریں گے تو وہ ان سے اس نام کو بھی ختم کر دے گا۔“

. رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ هُرْمُزَ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلي الله عليه واله وسلم قَالَ: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَي الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ، قِيْلَ: فَمَنْ مَاتَ صَغِيْرًا يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: اَللهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحديث رقم ۳۰: أخرجه الخوارزمی فی جامع المسانید للإمام أبي حنيفة، ۱ / ۱۸۸، وأخرج المحدثون ہذا الحدیث بأسانیدہم منہم: البخاری فی الصحیح، کتاب: الجنائز، باب: ما قیل فی أولاد المشرکین، ۱ / ۴۶۵، الرقم: ۱۳۱۹، ومسلم فی الصحیح، کتاب: القدر، باب: معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ، ۴ / ۲۰۴۷، الرقم: ۲۶۵۸، والترمذی فی السنن، کتاب: القدر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب: ماجاء کل مولود یولد علی الفطرۃ، ۴ / ۴۴۷، الرقم: ۲۱۳۸. ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر پیدا ہونے والا بچہ (اصل) فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! جو بچپن میں ہی فوت ہو جاتا ہے (اس کا معاملہ کیا ہوگا)؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ جاننے والا ہے جو وہ (دنیا میں رہ کر) کرنے والے تھے۔“

. رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِي عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلي الله عليه واله وسلم أَنَّهُ قَالَ: اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ ثُمَّ قَرَأَ: (إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِيْنَ) (الحجر، ۱۵: ۷۵) أَيِ الْمُتَفَرِّسِيْنَ. أَخْرَجَهُ فِي

مُسْنَدِهِ. الحديث رقم ۳۱: أخرجه الخوارزمي في جامع المسانيد للإمام أبي حنيفة، ۱/ ۱۸۹، وأخرج المحدثون هذا الحديث بأسانيدهم منهم: الترمذي في السنن، كتاب: تفسير القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، باب: من سورة الحجر، ۵/ ۲۹۸، الرقم: ۳۱۲۷، والطبراني في المعجم الأوسط، ۸/ ۲۳، الرقم: ۷۸۴۳، والقضاعي في مسند الشهاب، ۱/ ۳۸۷، الرقم: ۶۶۳. ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت مبارکہ تلاوت کی: ''بیشک اس میں اہلِ فراست کے لئے نشانیاں ہیں۔''

.رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم إِنَّ اللهَ جَعَلَ الشِّفَاءَ فِي أَرْبَعَةٍ: الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ وَالْحِجَامَةِ وَالْعَسَلِ وَمَاءِ السَّمَاءِ. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحديث رقم ۳۲: أخرجه الخوارزمي في جامع المسانيد للإمام أبي حنيفة، ۱/ ۱۸۹. ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں میں شفاء رکھی ہے: سیاہ دانہ (یعنی کلونجی)، پچھنے لگوانا (یعنی سرجری)، شہد اور بارش کا پانی۔''

.رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوْسَي عَنْ أَبِيهِ أَبِي مُوْسَي عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم: أُمَّتِي أُمَّةٌ مَرْحُوْمَةٌ عَذَابُهَا بِأَيْدِيْهَا فِي الدُّنْيَا. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحديث رقم ۳۳: أخرجه الخوارزمي في جامع المسانيد للإمام أبي حنيفة، ۱/ ۱۹۵، وأخرج المحدثون هذا الحديث بأسانيدهم منهم: الطبراني في المعجم الأوسط، ۱/ ۲۹۴، الرقم: ۹۷۴، وعبد بن حميد في المسند، ۱/ ۱۹۰، الرقم: ۵۳۷، والبخاري في التاريخ الكبير، ۱/ ۳۸، الرقم: ۶۰. ''حضرت ابوموسیٰ عامر بن عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت رحمت سے نوازی جانے والی امت ہے، اس کا عذاب دنیا اپنے ہاتھوں سے ہوگا۔''

.رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ: قَالَ

رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم: اَلْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعًا وَاحِدٍ. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحديث رقم ۳۴: أخرجه الخوارزمي فی جامع المسانید للإمام أبي حنیفۃ، ۱/ ۱۹۵، وأخرج المحدثون ہذا الحدیث بأسانیدہم منہم: البخاری فی الصحیح، کتاب: الأطعمۃ، باب: المؤمن یأکل فی معی واحد، ۵/ ۲۰۶۱، الرقم: ۵۰۷۸. ۵۰۷۹، والترمذی فی السنن، کتاب: الأطعمۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب: ماجاء أن المؤمن یأکل فی معی واحد والکافر یأکل فی سبعۃ أمعاء، ۴/ ۲۶۶، الرقم: ۱۸۱۸، ومسلم فی الصحیح، کتاب: الأشربۃ، باب: المؤمن یأکل فی معی واحد والکافر یأکل فی سبعۃ أمعاء، ۳/ ۱۶۳۱، الرقم: ۲۰۶۰. ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کافر سات آنتوں میں (کھانا) بھرتا ہے اور مومن ایک آنت میں۔“

.رَوَي أَبُوْ حَنِيْفَةَ رضي الله عنه عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ مُسْلِمِ بْنِ كَيْسَانَ الْمُلَائِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم: يُجِيْبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوْكِ وَيَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحديث رقم ۳۵: أخرجه الخوارزمي فی جامع المسانید للإمام أبي حنیفۃ، ۱/ ۷۷، وأخرج المحدثون ہذا الحدیث بأسانیدہم منہم: الترمذی فی السنن، کتاب: الجنائز عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۳/ ۳۳۷، الرقم: ۱۰۱۷، وابن ماجہ فی السنن، کتاب: الزہد، باب: البراءۃ من الکبر والتواضع، ۲/ ۱۳۹۸، الرقم: ۴۱۷۸، وأبو یعلی فی المسند، ۷/ ۲۳۸، الرقم: ۴۲۴۳. ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خادم و غلام کی دعوت بھی قبول فرماتے تھے، مریض کی عیادت کیا کرتے اور دراز گوش (یعنی گدھے) کی سواری کیا کرتے تھے۔“

.رَوَي أَبُو حَنِيْفَةَ رضي الله عنه عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنهما قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلي الله عليه وآله وسلم يُعْرَفُ بِرِيْحِ الطِّيْبِ إِذَا أَقْبَلَ بِاللَّيْلِ. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحديث رقم ۳۶: أخرجه الخوارزمي فی جامع المسانید للإمام أبي حنیفۃ، ۱/ ۹۸، وأخرج

المحدثون ہذا الحدیث بأسانیدہم منہم : ابن أبي شیبۃ فی المصنف، ۵ / ۳۰۴، الرقم : ۲۶۳۲، والدارمی فی السنن، ۱ / ۴۵، الرقم : ۶۵، وابن سعد فی الطبقات الکبری، ۱ / ۳۹۹.''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے روایت کرتے ہوئے فرمایا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات کو تشریف لاتے تو (فضا میں) خوشبو کے پھیلنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہچان ہوتی۔''

.رَوَي أَبُوْ حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رِبَاحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: كَانَ لِرَسُوْلِ اللهِ صلي الله عليه واله وسلم قَلَنْسُوَةٌ شَامِيَةٌ بَيْضَاءُ. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. الحدیث رقم ۳۷ : أخرجہ الخوارزمی فی جامع المسانید للإمام أبي حنیفۃ، ۱ / ۱۹۸.''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفید شامی ٹوپی تھی۔''

.رَوَي أَبُو حَنِيفَةَ رضي الله عنه عَنِ الْحَسَنِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلي الله عليه واله وسلم أَنَّهُ قَالَ: التَّاجِرُ الصَّدُوقُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ يَومَ الْقِيَامَةِ. أَخْرَجَهُ فِي مُسْنَدِهِ. وَقَالَ أَبُوْ عِيسَي : هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ. الحدیث رقم ۳۸ : أخرجہ الخوارزمی فی جامع المسانید للإمام أبي حنیفۃ، ۲ / ۲، وأخرج المحدثون ہذا الحدیث بأسانیدہم منہم : الترمذی فی السنن، کتاب : البیوع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب : ما جاء فی التجار وتسمیۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۳ / ۵۱۵، الرقم : ۱۲۰۹، والدارمی فی السنن، ۲ / ۳۲۲، الرقم : ۲۵۳۹، والدارقطنی فی السنن، ۳ / ۷، الرقم : ۱۷ - ۱۸، وابن أبي شیبۃ فی المصنف، ۴ / ۵۵۵، الرقم : ۲۳۰۸۸ - ۲۳۰۸۹، والحاکم فی المستدرک، ۲ / ۷، الرقم : ۲۱۴۲، وعبد بن حمید فی المسند، ۱ / ۲۹۹، الرقم، ۹۶۶، والبیہقی فی السنن الکبری، ۵ / ۲۶۶، الرقم : ۱۰۱۹۶، والبیہقی فی شعب الإیمان، ۲ / ۸۶، الرقم : ۱۲۳۰، ۴ / ۲۲۱، الرقم : ۴۸۵۵، والطبرانی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما فی المعجم الأوسط، ۷ / ۲۴۳، الرقم : ۷۳۹۴. ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سچا (ایمان دار) تاجر قیامت کے دن انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ (ان کی رفاقت وصحبت میں) ہوگا۔

فَصْلٌ فِي ثُلَاثِيَاتِ الإِمَامِ الْبُخَارِيِّ رضي الله عنه (امام بخاری رضی اللہ عنہ سے مروی تین واسطوں کی روایات کا بیان)

. حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلي الله عليه وآله وسلم يَقُوْلُ: مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحدیث رقم ۳۹: أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: العلم، باب: إثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۱/ ۵۲، الرقم: ۱۰۹، وابن ماجه عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ فی السنن، المقدمۃ، باب: التغلیظ فی الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۱/ ۱۳، الرقم: ۳۴، وابن حبان عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ فی الصحیح، ۱/ ۲۱۰، الرقم: ۲۸، والحاکم عن أبی قتادۃ رضی اللہ عنہ فی المستدرک، ۱/ ۱۹۴، الرقم: ۳۷۹، وَقَالَ الْحَاكِمُ: هٰذَا حَدِيْثٌ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ، وأحمد بن حنبل عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فی المسند، ۱/ ۶۵، الرقم: ۴۶۹، والبیہقی فی السنن الکبری، ۱۰/ ۱۱۲، والشافعی فی المسند، ۱/ ۲۳۹، وابن أبی شیبۃ فی المصنف، ۵/ ۲۹۶، الرقم: ۲۶۲۴۹، والبزار فی المسند، ۶/ ۳۱، الرقم: ۲۱۰۰، والشاشی فی المسند، ۱/ ۲۴۹، الرقم: ۲۱۵، والطیالسی فی المسند، ۱/ ۱۴، الرقم: ۸۰، وأبو یعلی فی المسند، ۱۰/ ۵۰۶، الرقم: ۶۱۲۳، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱/ ۱۷۱، الرقم: ۴۲۶۔ ’’حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو میرے متعلق ایسی بات کہے جو میں نے نہ کہی ہو تو وہ جہنم کے اندر اپنا ٹھکانہ تیار رکھے۔‘‘

. حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ رضي الله عنه قَالَ: كَانَ جِدَارُ الْمَسْجِدِ عِنْدَ الْمِنْبَرِ مَا كَادَتِ الشَّاةُ تَجُوْزُهَا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحدیث رقم ۴۰: أخرجه البخاری فی الصحیح، أبواب: سترۃ المصلی، باب: قدر کم ینبغی أن تکون بین المصلی والسترۃ، ۱/ ۱۸۸، الرقم: ۴۷۵، ومسلم فی الصحیح، کتاب: الصلاۃ باب: دنو المصلی من السترۃ، ۱/ ۳۶۴،

الرقم : ۵۰۸۔۵۰۹، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۴ / ۵۴، وأبوعوانة فی المسند، ۱ / ۳۹۴، الرقم : ۱۴۳۶ : ۲ / ۵۶، وابن حبان فی الصحیح، ۵ / ۵۸، الرقم : ۱۷۶۲، والبیہقی فی السنن الکبری، ۲ / ۲۷۲، الرقم : ۳۲۸۷.''حضرت یزید بن ابی عبید سے روایت ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مسجد کی دیوار منبر کے اتنا قریب تھی کہ جس میں سے بکری نہ گزر سکے۔''

. حَدَّثَنَا الْمَكِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ: كُنْتُ آتِي مَعَ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رضي الله عنه، فَيُصَلِّي عِنْدَ الْأُسْطُوَانَةِ الَّتِي عِنْدَ الْمُصْحَفِ فَقُلْتُ: يَا أَبَا مُسْلِمٍ، أَرَاكَ تَتَحَرَّي الصَّلَاةَ عِنْدَ هَذِهِ الْأُسْطُوَانَةِ قَالَ: فَإِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلي الله عليه وآله وسلم يَتَحَرَّي الصَّلَاةَ عِنْدَهَا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحدیث رقم ۴۱ : أخرجه البخاری فی الصحیح، أبواب : سترة المصلی، باب : الصلاة إلی الأسطوانة، ۱ / ۱۸۹، الرقم : ۴۸۰، ومسلم فی الصحیح، کتاب : الصلاة، باب : دنو المصلی من السترة، ۱ / ۳۶۴، الرقم : ۵۰۹، وابن ماجه فی السنن، کتاب : إقامة الصلاة والسنة فیها، باب : ماجاء فی توطین المکان فی المسجد یصلی فیه، ۱ / ۴۵۹، الرقم : ۱۴۳۰، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۴ / ۴۸، والبیہقی فی السنن الکبری، ۲ / ۲۷۱، الرقم : ۳۲۸۴.''حضرت یزید بن ابی عبید سے روایت ہے کہ میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے ساتھ آ کر ستون کے پاس نماز پڑھتا جو مصحف کے پاس ہے۔ میں نے عرض کیا: اے ابو مسلم! میں دیکھتا ہوں کہ آپ اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے پاس خاص طور پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔''

. حَدَّثَنَا الْمَكِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ رضي الله عنه قَالَ : كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صلي الله عليه وآله وسلم الْمَغْرِبَ إِذَا تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحدیث رقم ۴۲ : أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب : مواقیت الصلاة، باب : وقت المغرب وقال عطاء یجمع المریض بین المغرب والعشاء، ۱ / ۲۰۵، الرقم : ۵۳۶، والترمذی فی السنن، کتاب : الصلاة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب : ماجاء فی وقت المغرب، ۱ / ۳۰۴، الرقم : ۱۶۴، وأبوداود فی السنن، کتاب : الصلاة، باب : فی وقت المغرب، ۱ / ۱۱۳، الرقم :

۴۱۷، وابن ماجہ، فی السنن، کتاب: الصلاۃ، باب: وقت صلاۃ المغرب، ۱/ ۲۲۵، الرقم: ۶۸۸، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۴/ ۵۴، والبیہقی فی السنن الکبری، ۱/ ۳۶۹، الرقم: ۱۶۰۳، والطحاوی فی شرح معانی الآثار، ۱/ ۱۵۴، وأبوعوانۃ فی المسند، ۱/ ۳۰۱، الرقم: ۱۰۶۳، والبغوی فی شرح السنۃ، الرقم: ۳۷۲. ''حضرت یزید بن ابی عبید سے روایت ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز مغرب پڑھا کرتے تھے جب کہ سورج پردے میں ہو جاتا۔''

. حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رضي الله عنه قَالَ: أَمَرَ النَّبِيُّ صلي الله عليه وآله وسلم رَجُلاً مِنْ أَسْلَمَ أَنْ أَذِّنْ فِي النَّاسِ أَنَّ مَنْ كَانَ أَكَلَ فَلْيَصُمْ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ أَكَلَ فَلْيَصُمْ، فَإِنَّ الْيَوْمَ عَاشُوْرَاءَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحدیث رقم ۴۳: أخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: الصوم، باب: صیام یوم عاشوراء، ۲/ ۷۰۵، الرقم: ۱۹۰۳، وفی باب: إذا نوی بالنہار صوما، ۲/ ۶۷۹، الرقم: ۱۸۲۴، وفی کتاب: التمنی، باب: ماکان یبعث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الأمراء والرسل واحدا بعد واحد، ۶/ ۲۶۵۱، الرقم: ۶۸۳۷، ومسلم فی الصحیح، کتاب: الصیام، باب: من أکل فی عاشوراء فلیکف بقیۃ یومہ، ۲/ ۷۹۸، الرقم: ۱۱۳۵، والنسائی فی السنن، کتاب: الصیام، باب: أذالم یجمع من اللیل ہل یصوم ذلک الیوم من التطوع، ۴/ ۱۹۲، الرقم: ۲۳۲۱، وابن حبان فی الصحیح، ۸/ ۳۸۴، الرقم: ۳۶۱۹، والدارمی فی السنن، ۲/ ۳۶، الرقم: ۱۷۶۱، والحاکم فی المستدرک، ۳/ ۶۰۸، الرقم: ۶۲۵۳، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۴/ ۴۷، والبیہقی فی السنن الکبری، ۴/ ۲۲۰، الرقم: ۷۸۲۴، وابن أبی شیبۃ فی المصنف، ۲/ ۳۱۲، الرقم: ۹۳۶۷. ''حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ اسلم کے ایک شخص کو لوگوں میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جس نے جو کچھ کھا لیا ہے تو وہ باقی دن کا روزہ رکھے (یعنی بقیہ دن روزہ دار کی طرح گزارے) اور جس نے کچھ نہیں کھایا وہ (آج) روزہ رکھے کیونکہ آج عاشورہ کا دن ہے۔''

. حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رضي الله

عنه قَالَ: كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صلي الله عليه وآله وسلم إِذْ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ، فَقَالُوْا: صَلِّ عَلَيْهَا، فَقَالَ: هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ: قَالُوْا: لَا، قَالَ: فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا، قَالُوْا: لَا، فَصَلَّي عَلَيْهِ، ثُمَّ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ أُخْرَي، فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ، صَلِّ عَلَيْهَا، قَالَ: هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ، قِيْلَ: نَعَمْ، قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوْا: ثَلَاثَةَ دَنَانِيْرَ، فَصَلَّي عَلَيْهَا ثُمَّ أُتِيَ بِالثَّالِثَةِ، فَقَالُوْا: صَلِّ عَلَيْهَا، قَالَ: هَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوْا: لَا، قَالَ: فَهَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ، قَالُوْا: ثَلَاثَةُ دَنَانِيْرَ، قَالَ: صَلُّوْا عَلَي صَاحِبِكُمْ، قَالَ أَبُوْ قَتَادَةَ: صَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَعَلَيَّ دَيْنُهُ، فَصَلَّي عَلَيْهِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحديث رقم: أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب: الحوالات، باب: إن إحال دين الميت علي رجل جاز، ۲ / ۷۹۹، الرقم: ۲۱۶۸، وفي كتاب: الكفالة، باب: من تكفل عن ميت دينا، فليس له يرجع، ۲ / ۸۰۳، الرقم: ۲۱۷۳، وفي كتاب: النفقات، باب: قول النبي صلي الله عليه وآله وسلم: من ترك كلًّا أوضياعا ف إلي، ۵ / ۲۰۵۴، الرقم: ۵۰۵۶، ومسلم في الصحيح، كتاب: الفرائض، باب: من ترك مالا فلورثته، ۳ / ۱۲۳۷، الرقم: ۱۶۱۹، والترمذي في السنن، كتاب: الجنائز عن رسول الله صلي الله عليه وآله وسلم، باب: ماجاء في الصلاة علي المديون، ۳ / ۳۸۸، الرقم: ۱۰۷۰، وَقَالَ أَبُوْعيسي: حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ، والنسائي في السنن الكبري، ۱ / ۶۳۷، الرقم: ۲۰۸۹، وأحمد بن حنبل في المسند، ۲ / ۳۸۰، الرقم: ۸۹۳۷، والبغوي في شرح السنة، الرقم: ۲۱۵۳، وابن حبان في الصحيح، ۷ / ۳۲۹، الرقم: ۳۰۵۹، وابن الجارود في المنتقي، ۱ / ۲۸۰، الرقم: ۱۱۱۱، وأبوعوانة في المسند، ۳ / ۴۴۳، الرقم: ۵۶۲۴، والبيهقي في السنن الكبري، ۶ / ۷۲، الرقم: ۱۱۱۷۷. ’’حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک جنازہ لایا گیا اور عرض کی گئی کہ اس پر نماز جنازہ پڑھیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا اس پر قرض ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: نہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا اس نے کچھ (ترکہ) چھوڑا ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر نماز (جنازہ) پڑھی پھر دوسرا جنازہ آیا اور صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس پر نماز (جنازہ) پڑھیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا اس پر قرض ہے؟ عرض کیا:

ہاں، فرمایا: کیا اس نے کچھ چھوڑا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: تین دینار (چھوڑے ہیں) سو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی۔ پھر تیسرا جنازہ لایا گیا اور عرض کیا گیا: اس پر نماز (جنازہ) پڑھیے۔ فرمایا: کیا اس نے کچھ (ترکہ) چھوڑا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: نہیں فرمایا: کیا اس پر قرض ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: تین دینار (قرض ہیں) فرمایا: تم اپنے ساتھی پر نماز (جنازہ) پڑھ لو۔ حضرت ابو قتادہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس پر نماز پڑھیے اور اس کا قرض میں ادا کروں گا۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر بھی نماز جنازہ پڑھی۔''

. حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ رضي الله عنه : قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صلي الله عليه واله وسلم ثُمَّ عَدَلْتُ إِلَي ظِلِّ الشَّجَرَةِ، فَلَمَّا خَفَّ النَّاسُ قَالَ : يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ أَلَا تُبَايِعُ، قَالَ : قُلْتُ : قَدْ بَايَعْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ، قَالَ : وَأَيْضًا. فَبَايَعْتُهُ الثَّانِيَةَ، فَقُلْتُ لَهُ : يَا أَبَا مُسْلِمٍ، عَلَي أَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تُبَايِعُوْنَ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ : عَلَي الْمَوْتِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحدیث رقم ۴۵ : أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب : الجهاد، باب : البیعۃ فی الحرب أن لا یفروا، وقال بعضهم : علی الموت، ۳ / ۱۰۸۱، الرقم : ۲۸۰۰، وفی کتاب : المغازی، باب : غزوۃ الحدیبیۃ، ۴ / ۱۵۲۹، الرقم : ۳۹۳۶، وفی کتاب : الأحکام، باب : کیف یبایع الإمام الناس، ۶ / ۲۶۳۴، الرقم : ۶۷۸۰، وفی باب : مَنْ بایع مرتین، ۶ / ۲۶۳۵، الرقم : ۶۷۸۲، ومسلم فی الصحیح، کتاب : الإمارۃ، باب : استحباب مبایعۃ الإمام الجیش عند إرادۃ القتال، ۳ / ۱۴۸۳، الرقم : ۱۸۶۰، وفی کتاب : الجهاد والسیر، باب : غزوۃ ذی قرد وغیرها، ۳ / ۱۴۳۴، الرقم : ۱۸۰۷، والترمذی فی السنن، کتاب : السیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب : ماجاء فی بیعۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۴ / ۱۵۰، الرقم : ۱۵۹۲، وَقَالَ أَبُو عِيسَي : هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، والنسائی فی السنن، کتاب : البیعۃ، باب : البیعۃ علی الموت، ۷ / ۱۴۱، الرقم : ۴۱۵۹، وأحمد حنبل فی المسند، ۴ / ۴۷، ۴۹. ''حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کر لی۔ پھر میں ایک درخت کے سائے میں چلا گیا۔ جب بھیڑ کم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابن اکوع! کیا تم

بیعت نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں تو بیعت کر چکا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا دوبارہ سہی، سو میں نے دوسری دفعہ بھی بیعت کر لی۔ تو میں نے ان سے پوچھا: اے ابومسلم! آپ حضرات نے اس روز کس بات پر بیعت کی تھی؟ انہوں نے فرمایا: (غلامی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں) موت پر۔"

. حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ: رَأَيْتُ أَثَرَ ضَرْبَةٍ فِي سَاقِ سَلَمَةَ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا مُسْلِمٍ، مَا هَذِهِ الضَّرْبَةُ؟ فَقَالَ: هَذِهِ ضَرْبَةٌ أَصَابَتْنِي يَوْمَ خَيْبَرَ فَقَالَ النَّاسُ: أُصِيبَ سَلَمَةُ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صلي الله عليه وآله وسلم فَنَفَثَ فِيهِ ثَلَاثَ نَفَثَاتٍ، فَمَا اشْتَكَيْتُهَا حَتَّي السَّاعَةِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحديث رقم ۴۶: أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب: المغازي، باب: غزوة خيبر، ۴ / ۱۵۴۱، الرقم: ۳۹۶۹، وأبو داود في السنن، كتاب: الطب، باب: كيف الرقى، ۴ / ۱۲، الرقم: ۳۸۹۴، والبغوي في شرح السنة، الرقم: ۳۸۰۶. "حضرت یزید بن ابی عبید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر زخم کا نشان دیکھا تو پوچھا: اے ابومسلم! یہ نشان کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ زخم مجھے غزوہ خیبر میں آیا تھا۔ لوگ تو یہ کہنے لگے تھے سلمہ کا آخر وقت آ پہنچا ہے لیکن میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس (زخم) پر تین مرتبہ دم کیا تو مجھے اب تک کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔"

. حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ رضي الله عنه قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلي الله عليه وآله وسلم إِلَي خَيْبَرَ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: أَسْمِعْنَا يَا عَامِرُ مِنْ هُنَيَاتِكَ فَحَدَا بِهِمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلي الله عليه وآله وسلم: مَنِ السَّائِقُ قَالُوا: عَامِرٌ، فَقَالَ: رَحِمَهُ اللهُ، فَقَالُوا: يَا رَسُوْلَ اللهِ، هَلاَّ أَمْتَعْتَنَا بِهِ، فَأُصِيبَ صَبِيحَةَ لَيْلَتِهِ، فَقَالَ: الْقَوْمُ: حَبِطَ عَمَلُهُ، قَتَلَ نَفْسَهُ، فَلَمَّا رَجَعْتُ وَهُمْ يَتَحَدَّثُونَ أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ، فَجِئْتُ إِلَي النَّبِيِّ صلي الله عليه وآله وسلم فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ، فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي، زَعَمُوا أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ فَقَالَ: كَذَبَ مَنْ قَالَهَا، إِنَّ لَهُ لَأَجْرَيْنِ اثْنَيْنِ، إِنَّهُ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ وَأَيُّ قَتْلٍ يَزِيدُهُ عَلَيْهِ. رَوَاهُ

الْبُخَارِيُّ. الحدیث رقم ۷ ۴ : أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب : الدیات، باب : إذا قتل نفسه خطأً فلا دیة له، ۶ / ۲۵۲۵، الرقم : ۶۴۹۶، وفی کتاب : المغازی، باب : غزوة خیبر، ۴ / ۱۵۳۷، الرقم : ۳۹۶۰، وفی کتاب : الأدب، باب : مایجوز من الشعر والرجز والحداء وما یکره منه، ۵ / ۲۲۷۷، الرقم : ۵۷۹۶، ومسلم فی الصحیح، کتاب : الجهاد والسیر باب : غزوة ذی قَرَد، ۳ / ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، الرقم : ۱۸۰۲، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۴ / ۴۷، وأبو عوانة فی المسند، ۴ / ۳۱۴، الرقم : ۶۸۳۱. ”حضرت سلمہ بن اکوع روایت فرماتے ہیں کہ ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ غزوہ خیبر کی طرف نکلے تو لوگوں میں سے ایک نے کہا : اے عامر! کیا آپ ہمیں اپنے اشعار نہیں سنائیں گے؟ چنانچہ انہوں نے اشعار سنائے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : یہ ہانکنے والا کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا : عامر بن اکوع ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔ صحابہ نے عرض کیا : یارسول اللہ! آپ ہمیں ان سے اور فائدہ اٹھالینے دیتے۔ سو اسی رات کی صبح کو وہ موت کی آغوش میں چلے گئے۔ تو لوگوں نے کہا اس کے عمل ضائع ہو گئے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو خود قتل کیا ہے۔ جب میں واپس لوٹا تو لوگ یہی باتیں کر رہے تھے کہ عامر کے عمل ضائع ہو گئے ہیں۔ سو میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا : یا نبی اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عامر کے اعمال ضائع ہو گئے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : جس کسی نے یہ کہا غلط کہا ہے۔ اس کے لیے تو دوگنا اجر ہے وہ تو مشقت اٹھانے والا مجاہد ہے۔ اس کے قتل سے بہتر کس کی موت ہے۔“

. حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : أَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ رضي الله عنه أَنَّهُ أَخْبَرَهُ قَالَ : خَرَجْتُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ ذَاهِبًا نَحْوَ الْغَابَةِ، حَتَّي إِذَا كُنْتُ بِثَنِيَّةِ الْغَابَةِ لَقِيَنِي غُلَامٌ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ عَوْفٍ، قُلْتُ : وَيْحَکَ مَا بِکَ؟ قَالَ : أُخِذَتْ لِقَاحُ النَّبِيِّ صلي الله عليه وآله وسلم قُلْتُ : مَنْ أَخَذَهَا؟ قَالَ : غَطَفَانُ وَفَزَارَةُ، فَصَرَخْتُ ثَلَاثَ صَرَخَاتٍ أَسْمَعْتُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا : يَا صَبَاحَاهُ يَا صَبَاحَاهُ، ثُمَّ انْدَفَعْتُ حَتَّي أَلْقَاهُمْ وَقَدْ أَخَذُوْهَا، فَجَعَلْتُ

أَرْمِيهِمْ وَأَقُوْلُ : أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ فَاسْتَنْقَذْتُهَا مِنْهُمْ قَبْلَ أَنْ يَشْرَبُوْا، فَأَقْبَلْتُ بِهَا أَسُوْقُهَا فَلَقِيَنِي النَّبِيُّ صلي الله عليه واله وسلم فَقُلْتُ : يَارَسُوْلَ اللهِ! إِنَّ الْقَوْمَ عِطَاشٌ، وَإِنِّي أَعْجَلْتُهُمْ أَنْ يَشْرَبُوْا سِقْيَهُمْ، فَابْعَثْ فِي أَثَرِهِمْ فَقَالَ : يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ، مَلَكْتَ فَأَسْجِحْ، إِنَّ الْقَوْمَ يُقْرَوْنَ فِي قَوْمِهِمْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحديث رقم ۴۸ : أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب : الجهاد، باب : من رأى العدو فنادى باعلى صوته يا صباحاه حتى يسمع الناس، ۳ / ۱۱۰۶، الرقم : ۲۸۷۶، وفی کتاب : المغازی، باب : غزوة ذاتِ القردِ، ۴ / ۱۵۳۶، الرقم : ۳۹۵۸، ومسلم فی الصحیح، کتاب : الجهاد والسیر ، باب : غزوة ذی قَرَدٍ وغیرها، ۳ / ۱۴۳۲۔۱۴۳۸، الرقم : ۱۸۰۶، وابن حبان فی الصحیح، ۱۶ / ۱۳۳، الرقم : ۷۱۷۳، والنسائی فی السنن الکبری، ۶ / ۲۴۳، الرقم : ۱۰۸۱۴، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۴ / ۴۸، وأبوعوانة فی المسند، ۴ / ۳۰۲، والبيهقی فی السنن الکبری، ۹ / ۸۸، وابن أبی شیبة فی المصنف، ۷ / ۴۲۰، الرقم : ۳۷۰۰۲.

"حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ سے جنگل کی طرف چلا، پہاڑی پر پہنچا تو حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کا ایک غلام ملا میں نے کہا، تو ہلاک ہو تو یہاں کیسے آیا؟ اس نے جواب دیا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دودھ دینے والی اونٹنی پکڑی گئی ہے۔ میں نے پوچھا: کس نے پکڑی ہے؟ اس نے جواب دیا: قبیلہ غطفان اور فزارہ کے آدمی لے گئے ہیں۔ پھر میں تین مرتبہ "یا صباحاہ" کے الفاظ کے ساتھ اس زور سے چلایا کہ مدینہ منورہ کے ہر گوشہ میں رہنے والے سن لیں۔ پھر میں نے دوڑ لگائی یہاں تک کہ ان لوگوں کو جا پہنچا۔ سو میں ان کی جانب تیر پھینکنے لگا اور ساتھ یہ کہنے لگا: "میں اکوع کا بیٹا ہوں اور آج کمینوں کی ہلاکت کا دن ہے" تو میں نے ان کے پانی پینے سے پہلے ہی ان سے اونٹنی چھین لی۔ میں اسے لے کر واپس لوٹا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میری ملاقات ہوگئی۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ لوگ پیاسے تھے اور میں ان کے پانی پینے سے پہلے ہی جلدی سے ان سے اونٹنی چھین لایا۔ اُن کے پیچھے کسی کو روانہ کر دیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابن اکوع! تم مالک ہو گئے ہو اب نرمی کرو۔ ان کی مہمانی اپنی قوم میں ہو رہی ہو گی۔"

. حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ رضي الله عنه بْنِ الْأَكْوَعِ رضي الله عنه قَالَ: لَمَّا أَمْسَوْا يَوْمَ فَتَحُوْا خَيْبَرَ، أَوْقَدُوْا النِّيْرَانَ، قَالَ النَّبِيُّ صلي الله عليه واله وسلم: عَلَامَ أَوْقَدْتُمْ هٰذِهِ النِّيْرَانَ. قَالُوْا: لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَةِ، قَالَ: أَهْرِيْقُوْا مَا فِيْهَا، وَاكْسِرُوْا قُدُوْرَهَا. فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقَالَ: نُهَرِيْقُ مَافِيْهَا وَنَغْسِلُهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صلي الله عليه واله وسلم: أَوْ ذَاكَ. الحديث رقم ۴۹: أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: الذباح والصید، باب: آنیة المجوس والمیتة، ۵ / ۲۰۹۴، الرقم: ۵۱۷۸، ومسلم فی الصحیح، کتاب: الأضاحی، باب: بیان ماکان من النہی عن أکل لحوم الأضاحی بعد ثلاث فی أول الإسلام وبیان نسخہ وإباحتہ إلی متی شاء، ۳ / ۱۵۶۳، الرقم: ۱۹۷۴، وابن ماجہ فی السنن، کتاب: الذبائح، باب: لحوم الحمر الوحشیة، ۲ / ۱۰۶۵، الرقم: ۱۳۹۵، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۴ / ۵۰، والبیہقی فی السنن الکبری، ۶ / ۱۰۲، الرقم: ۱۱۳۳۳، وأخرجہ الحازمی فی الناسخ والمنسوخ، ۱ / ۱۵۶، بمعناہ من عدة طرق. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. ”حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جس روز خیبر فتح ہوا اس شام لوگوں نے آگ جلائی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے یہ آگ کیا چیز پکانے کے لئے جلائی ہے؟ مجاہدین نے عرض کیا: پالتو گدھوں کا گوشت پکانے کے لئے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو ہانڈیوں میں ہے اسے الٹ دو اور ہانڈیوں کو توڑ دو۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: ہم گوشت کو الٹ دیں اور ہانڈیوں کو دھو نہ لیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چلو یونہی کرلو۔“

. حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنْ يَزِيْدِ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلي الله عليه واله وسلم بَعَثَ رَجُلًا يُنَادِي فِي النَّاسِ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ إِنَّ مَنْ أَكَلَ فَلْيُتِمَّ، أَوْ فَلْيَصُمْ، وَمَنْ لَمْ يَأْكُلْ فَلَا يَأْكُلْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحديث رقم ۵۰: أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: الصوم، باب: إذا نوی بالنہار صوما، ۲ / ۶۷۹، الرقم: ۱۸۲۴، ومسلم فی الصحیح، کتاب: الصیام، باب: صوم یوم عاشوراء، ۲ / ۷۹۲، الرقم: ۱۱۲۵، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۴ / ۴۸، والبغوی فی شرح فی شرح السنة، الرقم: ۱۷۸۴. ”حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو عاشورہ کے روز لوگوں میں منادی کرنے کے لئے بھیجا کہ جس نے کھانا کھا لیا وہ روزہ پورا کرے یا اسے چاہیے کہ روزہ رکھے اور جس نے نہیں کھایا وہ نہ کھائے۔''

۔ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلي الله عليه واله وسلم أُتِيَ بِجَنَازَةٍ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهَا، فَقَالَ: هَلْ عَلَيْهِ مِنْ دَيْنٍ. قَالُوْا: لَا، فَصَلَّي عَلَيْهِ ثُمَّ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ أُخْرَي، فَقَالَ: هَلْ عَلَيْهِ مِنْ دَيْنٍ، قَالُوْا: نَعَمْ، قَالَ: صَلُّوْا عَلَي صَاحِبِكُمْ قَالَ أَبُوْ قَتَادَةَ: عَلَيَّ دَيْنُهُ يَا رَسُوْلَ اللهِ، فَصَلَّي عَلَيْهِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحديث رقم ۵۱: أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: الکفالۃ، باب: من تکفل عن میت دینا فلیس لہ أن یرجع وبہ قال: الحسن، ۲ / ۸۰۳، الرقم: ۲۱۷۳، وفی کتاب: الحوالات، باب: إن إحال دین المیت علی رجل جاز، ۲ / ۷۹۹، الرقم: ۲۱۶۸، وفی کتاب: الکفالۃ، باب: من تکفل عن میت دینا، فلیس لہ یرجع، ۲ / ۸۰۳، الرقم: ۲۱۷۳، وفی کتاب: النفقات، باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: من ترک کلا أو ضیاعا فإلی، ۵ / ۲۰۵۴، الرقم: ۵۰۵۶، ومسلم فی الصحیح، کتاب: الفرائض، باب: من ترک مالا فلورثتہ، ۳ / ۱۲۳۷، الرقم: ۱۶۱۹، والترمذی فی السنن، کتاب: الجنائز عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب: ما جاء فی الصلاۃ علی المدیون، ۳ / ۳۸۸، الرقم: ۱۰۷۰، وَقَالَ أبو عیسی: حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ، والنسائی فی السنن، کتاب: الجنائز، باب: الصلاۃ علی من علیہ دین، ۴ / ۶۵، الرقم: ۱۹۶۰۔ ۱۹۶۱، والبغوی فی شرح السنۃ، الرقم: ۲۱۵۳، وابن حبان فی الصحیح، ۷ / ۳۲۹، الرقم: ۳۰۵۹، وابن الجارود فی المنتقی، ۱ / ۲۸۰، الرقم: ۱۱۱۱، وأبو عوانۃ فی المسند، ۳ / ۴۴۳، الرقم: ۵۶۲۴، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۲ / ۳۸۰، الرقم: ۸۹۳۷۔ ''حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک جنازہ لایا گیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر نماز (جنازہ) پڑھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا اس پر کوئی قرض ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر دوسرا جنازہ لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: کیا اس پر کچھ قرض ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے ساتھی پر نماز پڑھو۔ حضرت ابوقتادہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کا قرض میں ادا کروں گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔''

. حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ الضَّحَّاکُ بْنُ مَخْلَدٍ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلي الله عليه وآله وسلم رَأَي نِيْرَانًا تُوْقَدُ يَوْمَ خَيْبَرَ، قَالَ: عَلَي مَا تُوْقَدُ هٰذِهِ النِّيْرَانُ. قَالُوْا: عَلَي الْحُمُرِ الإِنْسِيَةِ، قَالَ: اكْسِرُوْهَا وَأَهْرِقُوْهَا. قَالُوْا: أَلاَ نُهْرِيْقُهَا وَنَغْسِلُهَا؟ قَالَ: اغْسِلُوْا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحديث رقم ۵۲: أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: المظالم، باب: هل تکسر الدِّنَانُ الَّتِي فيها الخَمْرُ، أو تُخَرَّقُ الزِّقَاق، فإن کسر صَنَمًا، أَو صَلِيبًا أو طُنْبُورًا أَوْ ما لاَ يُنْتَفَعُ بِخَشَبِهِ، ۲ / ۸۷۶، الرقم: ۲۳۴۵، وفی کتاب: الذباح والصید، باب: آنیة المجوس والمیتة، ۵ / ۲۰۹۴، الرقم: ۵۱۷۸، ومسلم فی الصحیح، کتاب: الأضاحی، باب: بیان ماکان من النھی عن أکل لحوم الأضاحی بعد ثلاث فی أول الإسلام وبیان نسخہ وإباحتہ إلی متی شاء، الرقم: ۱۹۷۴، وابن ماجہ فی السنن، کتاب: الذبائح، باب: لحوم الحمر الوحشیة، ۲ / ۱۶۰۵، الرقم: ۳۹۵، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۴ / ۵۰. ''حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے روز آگ جلتی ہوئی دیکھ کر فرمایا: یہ کیوں جلائی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: پالتو گدھوں کا گوشت (پکانے کے لئے)۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہانڈیاں توڑ دو اور اسے بہا دو۔ صحابہ نے عرض کیا: کیا ہم ایسا نہ کریں کہ اسے الٹ دیں اور ہانڈیاں دھولیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انہیں دھولو۔''

. حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ الضَّحَّاکُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رضي الله عنه قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلي الله عليه وآله وسلم سَبْعَ غَزَوَاتٍ، وَغَزَوْتُ مَعَ بْنِ حَارِثَةَ، اسْتَعْمَلَهُ عَلَيْنَا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحديث رقم ۵۳: أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: المغازی، باب: بعث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أسامة بن زید إلی الحرقات من

جهينة، ۴ / ۱۵۵۶، الرقم : ۴۰۲۳، ومسلم فی الصحیح، کتاب : الجهاد والسير ، باب : عدد غزوات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۳ / ۱۴۴۷، الرقم : ۱۸۱۵، وابن حبان فی الصحیح، ۱۶ / ۱۳۹، الرقم : ۴۷۱۷، والحاکم فی المستدرک، ۳ / ۲۴۱، الرقم : ۴۹۶۱، ۶۳۸۳، وأبو عوانۃ فی المسند، ۴ / ۳۵۵، الرقم : ۶۹۵۴، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۴ / ۵۴. ''حضرت یزید بن ابو عبید سے روایت ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میں نے سات غزوات میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہونے کا شرف حاصل کیا ہے اور اس غزوہ میں بھی شریک تھا جس میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارا امیر بنایا تھا۔''

. حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رضي الله عنه قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ صلي الله عليه واله وسلم : مَنْ ضَحَّي مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَفِي بَيْتِهِ مِنْهُ شَيئٌ. فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ، قَالُوْا : يَا رَسُوْلَ اللهِ، نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا عَامَ الْمَاضِي؟ قَالَ : كُلُوْا وَأَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا، فَإِنَّ ذَلِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جَهْدٌ، فَأَرَدْتُ أَنْ تُعِيْنُوْا فِيْهَا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحدیث رقم ۵۴ : أخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب : الأضاحی، باب : ما یؤکل من لحوم الأضاحی وما یتزود منہا، ۵ / ۲۱۱۵، الرقم : ۵۲۴۹، ومسلم فی الصحیح، کتاب : الأضاحی، باب : بیان ما کان من النہی عن أکل لحوم الأضاحی بعد ثلاث فی أول الإسلام وبیان نسخہ وإباحتہ إلی متی شاء، ۳ / ۱۵۶۳، الرقم : ۱۹۷۴. ''حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : جو تم میں سے قربانی کرے تو تیسرے روز کی صبح اس کے گھر میں قربانی کا گوشت نہیں ہونا چاہئے جب اگلا سال آیا تو صحابہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ! کیا اب بھی ہم اسی طرح کریں جیسے پچھلے سال کیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : کھاؤ، کھلاؤ اور جمع بھی کر لو کیونکہ وہ سال تنگی کا تھا تو میرا ارادہ ہوا کہ تم اس (تنگی) میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔''

. حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ رضي الله عنه قَالَ : بَايَعْنَا النَّبِيَّ

صلي الله عليه و آله وسلم تَحتَ الشَّجَرَةِ، فَقَالَ لِي: يَا سَلَمَةُ أَلَا تُبَايِعُ. قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، قَدْ بَايَعْتُ فِي الْأَوَّلِ، قَالَ: وَفِي الثَّانِي. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحديث رقم ۵۵: أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: الأحکام، باب: من بایع مرتین، ۶ / ۲۶۳۵، الرقم: ۶۷۸۲، وفی کتاب: الجهاد، باب: البیعة فی الحرب أن لا یفروا، وقال بعضهم: علی الموت، ۳ / ۱۰۸۱، الرقم: ۲۸۰۰، وفی کتاب: المغازی، باب: غزوة الحدیبیة، ۴ / ۱۵۲۹، الرقم: ۳۹۳۶، وفی کتاب: الأحکام، باب: کیف یبایع الإمام الناس، ۶ / ۲۶۳۴، الرقم: ۶۷۸۰۰، وفی باب: مَن بایع مرتین، ۶ / ۲۶۳۵، الرقم: ۶۷۸۲، ومسلم فی الصحیح، کتاب: الإمارة، باب: استحباب مبایعة الإمام الجیش عند إرادة القتال، ۳ / ۱۴۸۳، الرقم: ۱۸۶۰، وفی کتاب: الجهاد والسیر، باب: غزوة ذی قَرَدٍ وغیرها، ۳ / ۱۴۳۲، الرقم: ۱۸۰۷، ۱۸۰۲، والترمذی فی السنن، کتاب: السیر عن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم، باب: ماجاء فی بیعة النبی صلی الله علیه وآله وسلم، ۴ / ۱۵۰، الرقم: ۱۵۹۲، وَقَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، والنسائی فی السنن، کتاب: البیعة، باب: البیعة علی الموت، ۷ / ۱۴۱، الرقم: ۴۱۵۹، وأحمد حنبل فی المسند، ۴ / ۴۷، ۴۹. ”حضرت یزید بن ابو عبید کا بیان ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم نے درخت کے نیچے بیعت کی۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے سلمہ! کیا تم بیعت نہیں کرتے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں تو پہلے ہی بیعت کر چکا ہوں۔ فرمایا: دوبارہ کرلو۔“

. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ أَنَّ أَنَسًا رضي الله عنه حَدَّثَهُمْ: أَنَّ الرُّبَيِّعَ، وَهِيَ ابْنَةُ النَّضْرِ، كَسَرَتْ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ، فَطَلَبُوا الْأَرْشَ وَطَلَبُوا الْعَفْوَ فَأَبَوْا، فَأَتَوُا النَّبِيَّ صلي الله عليه وآله وسلم فَأَمَرَهُمْ بِالْقِصَاصِ، فَقَالَ أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ: أَتُكْسَرُ ثَنِيَّةُ الرُّبَيِّعِ يَا رَسُوْلَ اللهِ، لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا، فَقَالَ: يَا أَنَسُ، كِتَابُ اللهِ الْقِصَاصُ. فَرَضِيَ الْقَوْمُ وَعَفَوْا فَقَالَ النَّبِيُّ صلي الله عليه وآله وسلم: إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ. زَادَ الْفَزَارِيُّ: عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه: فَرَضِيَ

الْقَوْمَ وَقَبِلُوا الْأَرْشَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُ. الحديث رقم ٥٦ : أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب : الصلح، باب : الصلح في الدية، ٢ / ٩٦١، الرقم : ٢٥٥٦، وفي كتاب : الجهاد، باب : قول الله تعالى : مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيْلاً، (الأحزاب : ٢٣)، ٣ / ١٠٣٢، الرقم : ٢٦٥١، وفي كتاب : التفسير / البقرة، باب : قوله : يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ. إِلَيَ قَوْلِهِ : عَذَابٌ أَلِيْمٌ (البقرة : ١٧٨)، ٤ / ١٦٣٦. ١٣٣٧، الرقم : ٤٢٢٩. ٤٢٣٠، وفي كتاب : التفسير / المائدة، باب : وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ : (المائدة : ٤٥)، ٤ / ١٦٨٥، الرقم : ٤٣٣٥، وفي كتاب : الديات : باب : السِّنَّ بِالسِّنِّ (المائدة : ٤٥)، ٦ / ٢٥٢٦، الرقم : ٦٤٩٩، ومسلم في الصحيح، كتاب : القسامة والمحاربين والقصاص والديات، باب : إثبات القصاص في ال إسنان وما في معناها، ٣ / ١٣٠٢، الرقم : ١٦٧٥، وأبوداود في السنن، كتاب : الديات، باب : القصاص من السن، ٤ / ١٩٧، الرقم : ٤٥٩٥، والنسائي في السنن، كتاب : القسامة، باب : القصاص من الثنية، ٨ / ٢٧، الرقم : ٤٧٥٦. ٤٧٥٧، وابن ماجه في السنن كتاب : الديات، باب : القصاص في السن، ٢ / ٨٨٤، الرقم : ٢٦٤٩، والنسائي في السنن الكبرى، ٤ / ٢٢٣، الرقم : ٦٩٥٩، وأحمد بن حنبل في المسند، ٣ / ١٢٨، الرقم : ١٢٣٢٤. ١٢٧٢٧، والطبراني في المعجم الكبير، ١ / ٢٦٤، الرقم : ٧٦٨ : ٢٤ / ٢٦٢، الرقم : ٦٦٤، والطحاوي في شرح معاني الآثار، ٣ / ١٧٧، والبيهقي في السنن الكبرى، ٨ / ٢٥، ٦٤. ''حضرت حمید کا بیان ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انہیں روایت بیان فرمائی کہ حضرت ربیع بنت نضر نے ایک لڑکی کے سامنے والے دو دانت توڑ دیئے تو انہوں نے دیت کا مطالبہ کیا یہ معافی کے خواستگار ہوئے۔ تو انہوں نے انکار کر دیا۔ سو وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قصاص کا حکم فرمایا حضرت انس بن نضر نے عرض کیا : یارسول اللہ! کیا ربیع کے سامنے کے دانت توڑے جائیں گے؟ نہیں، قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اس کے دانت نہیں توڑے جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : اے انس! اللہ کی کتاب قصاص کا

کہتی ہے (اس پر حضرت انس خاموش ہو گئے) سو (بعد میں) وہ لوگ (جنہوں نے قصاص کا تقاضا کیا تھا) راضی ہو گئے اور انہیں معاف کر دیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بندوں میں سے وہ بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے سچا کر دیتا ہے۔ فزاری کی روایت میں اتنا ہی اضافہ ہے کہ وہ لوگ دیت لینے پر رضامند ہو گئے۔''

. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ أَنَّ أَنَسًا رضي الله عنه حَدَّثَهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صلي الله عليه وآله وسلم قَالَ: كِتَابُ اللهِ الْقِصَاصُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحديث رقم

۵۷: أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: التفسیر / البقرة، باب: قوله: يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ. إِلَيَ قَوْلِهِ. عَذَابٌ أَلِيْمٌ (البقرة: ۱۷۸)، ۴ / ۱۶۳۶. ۷ ۱۳۳، الرقم: ۴۲۳۹. ۴۲۳۰، الرقم: ۴۲۲۹، وفی کتاب: الصلح، باب: الصلح فی الدية، ۲ / ۹۶۱، الرقم: ۲۵۵۶، وفی کتاب: الجهاد، باب: قول الله تعالی: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَي نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيْلاً (الأحزاب: ۲۳)، ۳ / ۱۰۳۲، الرقم: ۲۶۵۱، وفی کتاب: التفسیر / المائدة، باب: وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ: (۴۵)، ۴ / ۱۶۸۵، الرقم: ۴۳۳۵، وفی کتاب: الديات: باب: السِّنَّ بِالسِّنِّ (المائدة: ۴۵)، ۶ / ۲۵۲۶، الرقم: ۶۴۹۹، ومسلم فی الصحیح، کتاب: القسامة والمحاربين والقصاص والديات، باب: إثبات القصاص فی ال إسنان وما فی معناها، ۳ / ۱۳۰۲، الرقم: ۱۶۷۵، وأبوداود فی السنن، کتاب: الديات، باب: القصاص من السن، ۴ / ۱۹۷، الرقم: ۴۵۹۵، والنسائی فی السنن، کتاب: القسامة، باب: القصاص من الثنية، الرقم: ۴۷۵۶. ۴۷۵۷، وفی السنن الکبری، ۴ / ۲۲۳، الرقم: ۶۹۵۹، وابن ماجه فی السنن کتاب: الديات، باب: القصاص فی السن، ۲ / ۸۸۴، الرقم: ۲۶۴۹، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۳ / ۱۲۸، الرقم: ۱۲۳۲۴، ۱۲۷۲۷، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱ / ۲۶۴، الرقم: ۷۶۸: ۲۴ / ۲۶۲، الرقم: ۶۶۴، والطحاوی فی شرح معانی الآثار، ۳ / ۱۷۷، والبیهقی فی السنن الکبری، ۸ / ۲۵، ۶۴.

''حضرت محمد بن عبداللہ انصاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا: ''اللہ کی کتاب قصاص کا حکم دیتی ہے۔''

. حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه أَنَّ ابْنَةَ النَّضْرِ لَطَمَتْ جَارِيَةً فَكَسَرَتْ ثَنِيَّتَهَا، فَأَتَوُا النَّبِيَّ صلي الله عليه وآله وسلم فَأَمَرَ بِالْقِصَاصِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحدیث رقم ۵۸: أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: الدیات، باب: السن بالسن، ۶ / ۲۵۲۶، الرقم: ۶۴۹۹، وفی کتاب: الصلح، باب: الصلح فی الدیۃ، ۲ / ۹۶۱، الرقم: ۲۵۵۶، وفی کتاب: الجهاد، باب: قول اللہ تعالی: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰي نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (الأحزاب: ۲۳)، ۳ / ۱۰۳۲، الرقم: ۲۶۵۱، وفی کتاب: التفسیر / البقرۃ، باب: قوله: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰي الْحُرُّ بِالْحُرِّ. إِلَي قَوْلِهِ: عَذَابٌ اَلِيْمٌ (البقرۃ: ۱۷۸)، ۴ / ۱۶۳۶. ۱۳۳۷، الرقم: ۴۲۳۰ ـ ۴۲۳۹، وفی کتاب: التفسیر / المائدۃ، باب: وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ: (۴۵)، ۴ / ۱۶۸۵، الرقم: ۴۳۳۵، ومسلم فی الصحیح، کتاب: القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات، باب: إثبات القصاص فی الأسنان وما فی معناها، ۳ / ۱۳۰۲، الرقم: ۱۶۷۵، وأبوداود فی السنن، کتاب: الدیات، باب: القصاص من السن، ۴ / ۱۹۷، الرقم: ۴۵۹۵، والنسائی فی السنن، کتاب: القسامۃ، باب: القصاص من الثنیۃ، ۸ / ۲۷، الرقم: ۴۷۵۶. ۴۷۵۷، وفی السنن الکبری، ۴ / ۲۲۳، الرقم: ۱۲۳۲۴ ـ ۱۲۷۲۷، وابن ماجه فی السنن، کتاب: الدیات، باب: القصاص فی السن، ۲ / ۸۸۴، الرقم: ۲۶۴۹، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱ / ۲۶۴، الرقم: ۶۹۵۹، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۳ / ۱۲۸، الرقم: ۷۶۸: ۲۴ / ۲۶۲، الرقم: ۶۶۴، والطحاوی فی شرح معانی الآثار، ۳ / ۱۷۷، والبیهقی فی السنن الکبری، ۸ / ۲۵، ۶۴. ''حضرت حمید نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نضر کی بیٹی نے ایک لڑکی کو طمانچہ مارا جس کے باعث اس کے اگلے دو دانت ٹوٹ گئے، وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قصاص کا حکم فرمایا۔''

. حَدَّثَنَا عِصَامُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا حَرِيْزُ بْنُ عُثْمَانَ أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ بُسْرٍ رضي الله عنه صَاحِبَ النَّبِيِّ صلي الله عليه واله وسلم، قَالَ: أَرَأَيْتَ النَّبِيَّ صلي الله عليه واله وسلم كَانَ شَيْخًا؟ قَالَ: كَانَ فِي عَنْفَقَتِهِ شَعَرَاتٌ بِيْضٌ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحديث رقم ۵۹: أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: المناقب، باب: صفة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۳ / ۱۳۰۲، الرقم: ۳۳۵۳، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۴ / ۱۸۷. ۱۸۸، ۱۹۰، وإِسْنَادُ أَحْمَدَ صَحِيْحٌ عَلَي شَرْطِ الْبُخَارِيِّ. والحاکم فی المستدرک، ۲ / ۶۶۳، الرقم: ۴۲۰۰، وقال: هَذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الإِسْنَادِ. وابن أبی شیبة فی المصنف، ۵ / ۱۸۷، الرقم: ۲۵۰۶۳، والطبرانی فی مسند الشامیین، ۲ / ۱۳۹، الرقم: ۱۰۴۵، وعبد بن حمید فی المسند، ۱ / ۱۸۱، الرقم: ۵۰۶. ’’حضرت حریز بن عثمان سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کی نظر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوڑھے ہوگئے تھے؟ انہوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ٹھوڑی مبارک کے صرف چند بال سفید ہوئے تھے۔‘‘

. حَدَّثَنَا خَلاَّدُ بْنُ يَحْيَي: حَدَّثَنَا عِيْسَي بْنُ طَهْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضي الله عنه يَقُوْلُ: نَزَلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ فِي زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ رضي الله عنها وَأَطْعَمَ عَلَيْهَا يَوْمَئِذٍ خُبْزًا وَلَحْمًا، وَكَانَتْ تَفْخَرُ عَلَي نِسَاءِ النَّبِيِّ صلي الله عليه واله وسلم، وَكَانَتْ تَقُوْلُ: إِنَّ اللهَ أَنْكَحَنِي فِي السَّمَاءِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. الحديث رقم ۶۰: أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: التوحید، باب: وکان عرشه علی الماء وهو رب العرش العظیم، ۶ / ۲۷۰۰، الرقم: ۶۹۸۴. ۶۹۸۵، والنسائی فی السنن، کتاب: النکاح، باب: صلاة المرأة إذا خطبت واستخارتها ربها، ۶ / ۷۹، الرقم: ۳۲۵۲، وفی السنن الکبری، ۵ / ۲۹۱، الرقم: ۸۹۱۸، ۱۱۴۱۱، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۳ / ۲۲۶، الرقم: ۱۳۳۸۵، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۲۴ / ۳۹، الرقم: ۱۰۷، والہیثمی فی مجمع الزوائد، ۷ / ۹۱. ’’حضرت عیسیٰ بن طہمان روایت کرتے ہیں

کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا: پردے کی آیت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے حق میں نازل ہوئی اور ان کے ولیمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روٹی اور گوشت کھلایا تھا اور یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باقی ازواجِ مطہرات پر فخر کیا کرتی تھیں کہ میرا نکاح آسمان پر ہوا ہے۔

حضرت علامہ مولانا ابوتراب محمد ناصر الدین ناصر المدنی کی دیگر کتابیں